صبح کا بادشاہ شام کو مجرم ٹھہرے ..... ہم نے پل بھر میں نصیبوں کو بدلتے دیکھا ہے!

ہال میں وسیع پیمانے پہ ڈنر ٹیبلز لگی تھیں۔ ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن کے ممبرز' ججز' سینئر وکلاء' پراسیکیوٹرز' سب شامل تھے۔ ایک بھورے سوٹ والا شخص جو وکیل نہیں تھا' مگر جس طرح آگے پیچھے ہدایات دے رہا تھا' اس سے صاف ظاہر تھا کہ جو ڈنر بظاہر جسٹس سکندر کی طرف سے ''ہائیکورٹ کا جج مقرر ہونے کی خوشی'' میں دیا گیا ہے' اس کا فنڈ کرنے والا یہی امیر آدمی ہے۔

ایک میز پہ زمر یوسف کھڑی تھی۔ سیاہ لباس' اور ہلکی جیولری کے ساتھ' مسکراتے ہوئے وہ جسٹس سکندر کو مبارکباد دے رہی تھی۔

''آپ آج کل نہیں نظر آ رہیں۔'' سعدی والی تلخی بھلائے (کہ یہ تو کچہری کا روز کا معمول تھا) وہ مسکرا کر پوچھ رہے تھے۔

''جاب ختم ہونے کے بعد کچھ ماہ پرائیوٹ پریکٹس کی تھی۔ کچھ دن سے وہ بھی چھوڑ دی ہے۔ آج کل ہاؤس وائف ہوں۔'' مسکرا کر ساتھ' سوٹ میں ملبوس ہینڈسم سے فارس کی طرف اشارہ کیا تو جسٹس صاحب اس کی طرف مڑے۔ ایک معنی خیز مسکراہٹ اسکی طرف اچھالی۔

''معلوم پڑتا ہے کہ شکاری نئی زندگی شروع کر چکا ہے۔ گڈ!'' مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ فارس کھلے دل سے مسکرایا۔ بڑھا ہوا ہاتھ تھاما۔

''کر تو چکا ہوں' لیکن انسان اپنے ماضی سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔'' جسٹس صاحب کی آنکھوں میں دیکھ کر اضافہ کیا۔ ''یور آنر!''

''گڈ گڈ!!'' انہوں نے سر اثبات میں ہلایا۔ ''ہماری دعوت قبول کرنے کا شکریہ۔ خوشی ہوئی تم سے دوبارہ مل کر۔''

''مجھ سے زیادہ نہیں ہوئی ہوگی۔ اور بہت مبارک ہو آپ کو یور آنر۔ بالآخر آپ کو وہ سب ملنے جا رہا ہے' جس کے آپ مستحق ہیں۔''

جج صاحب نے سر کے خم سے شکریہ وصول کیا۔ فخر سے اردگرد پھیلی تقریب' اس عزت اور وقار کو دیکھا جو ہر ایک کی آنکھوں میں ان کے لئے تھا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا' شکاری۔ ایک دن ہم سپریم کورٹ بار میں ملیں گے۔'' فارس ہلکا سا ہنس دیا۔

''اور ہاں' تمہارے بھانجے کا افسوس ہوا۔ لگتا ہے' اس نے اپنے قد سے بڑے دشمن بنا لئے تھے مگر تم اپنا خیال کرنا۔'' کالر جھاڑے اور آگے بڑھ گئے۔ ان سے ہاتھ ملانے کے لئے بہت سے لوگ منتظر تھے۔

طویل میز کے گرد بیٹھے افراد اب اٹھ اٹھ کر بفے ٹیبل کی جانب جا رہے تھے۔ زمر اپنی جگہ سے اٹھی۔ چند وکلاء حدِ سماعت میں بیٹھے تھے' سوشائستگی سے فارس کو مخاطب کیا۔

''آپ کو کچھ لا دوں۔''

''میں آ رہا ہوں۔'' وہ اس کے ساتھ اٹھا۔ وکلاء برادری کو یاد تھا کہ وہ مرڈر ٹرائل کے تحت چار سال جیل میں رہا ہے' یہ بھی یاد تھا کہ زمر نے اس کے خلاف گواہی دی تھی' اور اکثریت کو اس کے گناہگار ہونے کا یقین بھی تھا' لیکن مقدمے' جیل' پیشیاں یہ اس کمیونٹی میں اتنا عام تھا' خود ہر ایک پہ اتنے کیسز تھے اور اتنے کیسز میں اس نے ایک دوسرے کو پھنسا رکھا تھا کہ عام لوگوں کی نسبت ان کو اس بات سے فرق کم پڑتا تھا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے بفے ٹیبل تک گئے۔ فارس نے جھک کر اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔ ''مجھے آپ نہ کہا کریں' میں صداقت تھوڑی ہوں؟'' زمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرایا تھا۔ وہ نہیں مسکرائی' چپ چاپ کھانا ڈالنے لگی۔ وہ ڈل لگ رہی تھی۔

دفعتاً ایک ویٹر وہاں سے گزرا اور ریموٹ اٹھائے' اس نے باری باری ریسٹورانٹ میں لگے ہر ٹی وی اسکرین کا چینل بدلا۔ ایک مخصوص چینل سیٹ کیا۔ اور آواز اونچی کر دی۔ پھر سر جھکائے فارس کے قریب سے گزرنے لگا تھا تو فارس نے اس کی جیب میں لپٹے ہوئے نوٹ رکھے' اور کندھے کو ہلکا سا تھپکا تو وہ آگے بڑھ گیا۔ فارس نے نظر اٹھا کر سی ٹی وی کیمرے کو دیکھا' جس کا رخ اس طرف نہیں تھا اور مسکرایا۔ (آج کی شام' یور آنر کے نام!)

وہ دونوں واپس طویل میز پہ آ بیٹھے' تو جسٹس سکندر ان کے سامنے' مگر چند کرسیاں چھوڑ کر بیٹھے تھے۔ وقار سے کھڑی گردن' اور فخر سے اٹھے کندھوں کے ساتھ وہ کہہ رہے تھے۔

''میں آپ کو بتاؤں جسٹس اسید' ایسے موقعے ہر شخص کے کیریئر میں آتے ہیں' لیکن حلال کا ایک لقمہ جو آپ اپنی اولاد کے حلق سے گزارتے ہیں' اس کا کوئی نعم البدل نہیں۔'' وہ کہہ رہے تھے اور باقی افراد نے ہر شے جاننے کے باوجود بھی سر دھنا۔ ''وہ کہتے ہیں نا کہ گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے' بہتر ہوتا ہے....''

''شیر کا ایک دن!'' فارس نے مسکراتے ہوئے گلاس لبوں سے لگایا۔ جسٹس صاحب اپنا فقرہ پورا نہیں کر سکے کیونکہ زمر نے کانٹا زور سے پلیٹ میں گرایا تھا۔

''اوہ گاڈ!'' چہرہ موڑے وہ اتنا اونچا بولی کہ چند لوگ اسے دیکھنے لگے' پھر اس کی نگاہوں کے تعاقب میں ٹی وی اسکرین کو دیکھا اور....

ریسٹورانٹ کے اس ہال میں تین ٹی وی اسکرینز نصب تھیں۔ یہ بڑی بڑی صاف اور واضح اسکرینز۔ اور سب لوگ اب مڑ مڑ کر ان پہ چلتی نیوز دیکھ رہے تھے۔ نیوز کاسٹر حسبِ معمول حلق پھاڑ کر اونچا اونچا کہہ رہی تھی۔

''یہ ویڈیو کچھ دیر پہلے انٹرنیٹ پہ پوسٹ ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ہی وائرل ہو گئی ہے۔ ہم آپ کو ایک دفعہ پھر بتاتے چلیں کہ ویڈیو میں موجود سیاہ کوٹ والے شخص کی شناخت ہائیکورٹ جج جناب جسٹس سکندر حسین شاہ کے نام سے ہوئی اور...''

ریسٹورانٹ میں سناٹا چھا گیا تھا' جسٹس سکندر ہاتھ میں گلاس پکڑے سُن سے گردن اٹھائے وہ ویڈیو دیکھ رہے تھے۔ ایچ ڈی کوالٹی کی صاف اور واضح ویڈیو۔ جس میں اسٹڈی ٹیبل کے سامنے ایک کرسی پہ اوسی پی صاحب نظر آ رہے تھے' اور تیز تیز کاغذ پہ کچھ لکھ رہے تھے۔ ان کے سر پہ جسٹس صاحب کھڑے تھے اور غصے سے کچھ کہہ رہے تھے' آواز ٹھیک سے نہیں آ رہی تھی' مگر آواز کی ضرورت بھی نہ تھی' کیونکہ جیسے ہی او سی پی نے کاغذ اور قلم رکھا' جج نے جواب اس کے سر کے پیچھے کھڑے تھے اور کیمرے میں بہت واضح نظر آ رہے تھے' ایک دم اوسی پی کی گردن میں بازو ڈال کر ان کو جکڑا' اور اس سے پہلے کہ وہ ان کا ہاتھ ہٹا پاتے' جج نے ایک سرنج اس کے کندھے میں گاڑھی۔ اوسی پی مزاحمت کر رہے تھے' ان کا بازو ہٹاتے' ہاتھ پاؤں مار رہے تھے' لیکن پھر.... ان کا جسم ڈھیلا پڑتا گیا۔ گردن ایک طرف لڑھک گئی۔ جج نے سرنج جیب میں ڈالی' کالر جھٹکے۔ اوسی پی کا سر کاغذ پہ رکھا' بازو درست کیے۔ جیسے وہ لکھتے لکھتے سو گئے ہوں' اور جانے کے لئے مڑ گئے۔ یہ ایک طویل ویڈیو میں سے کاٹا ہوا ایک ننھا سا کلپ تھا جس کی قیمت سعدی یوسف نے فارس غازی کی بریت لگائی تھی۔ اب وہی کلپ ریسٹورانٹ میں ایک نیشنل ٹی وی چینل پہ چل رہا تھا اور جسٹس سکندر کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

پھر لوگ مڑ مڑ کر ان کو دیکھنے لگے۔ حیرت' شاک' اور ایکسائٹمنٹ سے۔ ان کا الٹا رکھا موبائل مسلسل وائبریٹ ہونے لگا۔ ڈنر کے فنڈر نے جلدی سے ویٹر کو اشارہ کیا' وہ اب اس سے پچھلے دروازے کا پوچھ رہا تھا۔ جسٹس سکندر ایک دم اٹھے۔ کسی سے بھی نگاہ ملائے بغیر وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھے۔ دو کلاء ان کے ساتھ لپکے۔

فارس غازی نے زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ گلاس سے مزید ایک گھونٹ بھرا اور دلچسپی سے اردگرد پھیلی افراتفری دیکھی....

جسٹس سکندر نے بیرونی دروازے سے باہر قدم رکھا' تو نیچے سڑک پہ رپورٹرز تھے۔ ان کے کیمرے' فلیش کی چمکتی لائیٹس۔ مائیکس کی قطار۔ پریشان حال سا مینیجر کہہ رہا تھا۔ ''سر ہمیں نہیں معلوم ان کو کس نے ادھر بلایا ہے لیکن....''

اندر ٹیک لگائے بیٹھے فارس نے گلاس سے آخری گھونٹ بھرا۔ اس کے لبوں پہ سرد سی مسکراہٹ ہنوز جمی تھی۔

جسٹس سکندر کو کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ سر جھکائے' زینے اتر رہے تھے۔ (اے ایس پی' آج رات ایک لڑکے کو غائب کرنا

ہے۔ہسپتال کا نام بھیج رہا ہوں' مگر پہلے اس کا آپریشن ہونے دو' ڈاکٹر تو قیر بخاری کو بھی ادھر بلا لو۔لڑکے کو زندہ سلامت نکالنا ہے۔)

گارڈز میڈیا کے نمائندوں کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے مگر یکے بعد دیگرے مائیک ان کے چہرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''کیا آپ اس ویڈیو کی تصدیق کرتے ہیں؟''

''کیا انٹرمیڈیٹ بورڈ کے آفیسر کا نفیڈینشل پریس کی جان لینے والے آپ ہی تھے۔''

(میرے بس میں ہوتا تو اس لڑکے کو وہیں ختم کروا دیتا۔لیکن دوستوں کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ارے نہیں' فکر مت کرو' کسی کو علم نہیں ہوگا۔ہو بھی جائے تو وہ متوسط طبقے کے معمولی لوگ ہیں' ہمارا کیا بگاڑ لیں گے؟ جانے دو اے ایس پی' بہت دیکھے ہیں فارس غازی جیسے!)

وہ چہرہ جھکائے' اپنے ساتھیوں کی معیت میں ہجوم سے نکل رہے تھے۔ساتھی وکلاء اور گارڈز بمشکل رپورٹرز کے درمیان سے راستہ بنا پا رہے تھے۔ریسٹورانٹ میں کھانا بھول کر چہ مگوئیاں' اور پھر ڈسکشن شروع ہو چکی تھی۔ٹی وی کی آواز اونچی کر دی گئی تھی۔ڈنر کے فنڈر کو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔اس کے ہائیکورٹ میں تیرہ کیسز پھنسے تھے' اور ان کو چند منٹ پہلے تک پہیئے لگ جانے تھے' مگر اب....؟

باہر جسٹس صاحب کی کار روانہ ہوئی اور ذرا طوفان تھما' تو وہ دونوں بھی نکل آئے۔پارکنگ ایریا تک جاتے ہوئے فارس کہہ رہا تھا۔

''اسٹپنی کے مطابق' سعدی نے جج کو کہہ رکھا تھا کہ یہ ویڈیو اس کے لائر کے پاس ہے' اور اسے کچھ ہونے کی صورت میں' وہ اس کو انٹرنیٹ پہ ڈال دے گا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ جج کو اس اسکینڈل سے نکالنے کے لئے کون آتا ہے؟'' وہ محفوظ سا کہتا کار کا لاک کھول رہا تھا۔زمر دوسری طرف خاموش کھڑی تھی۔

''جج ایک مہرہ نہیں تھا' وہ ان لوگوں کا دوست ہے' سو اس کے دوست اس کو بچانے ضرور آئیں گے۔کوئی سیاستدانوں میں سے' کوئی وکلاء برادری سے' کوئی بزنس کمیونٹی سے اور کوئی قانون نافذ کرنے والے اداروں سے۔ہم یہ دیکھیں گے کہ کون کون اس کو بچانے آتا ہے۔وہ لوگ اب بوکھلا چکے ہوں گے' اور وہ غلطیاں کریں گے۔زمر میں آپ سے بات کر رہا ہوں۔'' لاک میں چابی روک کر اس نے اسے پکارا۔زمر نے چونک کر سر اٹھایا' پھر گردن ہلائی۔''ہوں' میں سن رہی ہوں۔اس طرح ہم ان سب لوگوں تک پہنچ جائیں گے۔''

فارس نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔''ہم سعدی تک پہنچنے کے اتنا قریب ہیں۔'' انگلی اور انگوٹھے سے ایک انچ کا فاصلہ دکھایا۔''مگر آپ اتنی ڈل اور بجھی بجھی کیوں لگ رہی ہیں؟''

''نہیں تو۔''

''کچھ تو ہوا ہے۔ورنہ کل رات تک آپ بہت ایکسائٹڈ اور خوش تھیں۔'' پھر یاد آیا۔''صبح آپ اپنے ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں۔کیا کہا اس نے؟''

زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔(''مسز زمر'' ذہن میں ڈاکٹر قاسم کے الفاظ گونجے۔''میرے پاس آپ کے لیے اچھی خبر نہیں ہے۔'')

''ہاں میں گئی تھی۔'' وہ سانس لینے کو رکی۔وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

(''جس عطیہ شدہ گردے پہ آپ سروائیو کر رہی ہیں' وہ ناکارہ ہو چکا ہے۔'')

''مگر فارس....ڈاکٹر صاحب تھے ہی نہیں۔میں انتظار کر کے واپس آ گئی۔'' وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔دل ہنوز زور زور سے دھڑک رہا تھا' مگر اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

❖❖❖

باب16:

میرا مرضِ مُستمر!

میں نے ایک سمر کیمپ اٹینڈ کیا تھا
اس چھڑی جیسی لڑکی ٹوائلا اسٹینز بری کے ساتھ
وہ بہترین ایتھیلٹ تھی
اسے فٹنس کا جنون تھا۔
جتنی دبلی ہو جائے' کم تھا۔
ایک پاؤنڈ یہاں سے' ایک پاؤنڈ وہاں سے۔
ہرنی کی طرح بھاگتی تھی۔
مگر پھر..وہ چلنے کے قابل بھی نہ رہی
تب میں نے جانا کہ وہ اینوریکسک (نفسیاتی بیمار) تھی۔
اس بیماری نے اس کی بصارت چھین لی تھی
میں نے نہیں دیکھا ٹوائلا سے زیادہ کسی کو
اپنے جسم کے بارے میں اتنا جنونی۔
ساری زندگی اس نے جس چیز کے پیچھے بھاگتے گزاری
اسی نے اسے تباہ کر دیا۔
تم کہتے ہو برلن' انتقام تمہارا جنون ہے۔
میں تمہیں بتاؤں' انتقام جنون نہیں ہوتا۔
یہ تو ایک بیماری ہے۔
جو دل کو کھاتی ہے
اور روح کو زہریلا کر دیتی ہے۔
(دی بلیک لسٹ کے کردار ''ریمنڈ ریڈنگٹن'' کا مکالمہ)

ستمبر کے آخری ایام میں گرمی کم تھی مگر حبس اب بھی تھا۔ ایسے میں اس ہسپتال کی اونچی بلڈنگ کی ایک کھڑکی سے جھانکو تو اندر ڈاکٹر

قاسم بشارت کے کمرے میں زمر بالکل خاموش بیٹھی تھی اور ڈاکٹر قاسم اس کو تاسف سے دیکھ رہے تھے۔

''آپ کو اپنے ہزبینڈ کو اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔''

زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ مجھے میرے کڈنی کا بتائیں۔ کیا وہ مکمل طور پہ ختم ہو چکا ہے؟'' بظاہر مضبوط انداز سے پوچھا۔

''زمر، آپ نے چار سال اس ڈونیٹڈ کِڈنی پہ گزارے ہیں...''

''مگر یہ پرفیکٹ میچ تھا' آپ نے کہا تھا' میری قسمت اچھی ہوئی تو بیس سال بھی گزار سکتی ہوں۔'' ڈاکٹر پہ جمی آنکھوں میں کرب سا ابھرا۔

''آئی ایم سوری زمر' مگر پچھلے تین ماہ سے نہ آپ دوا ٹھیک سے لے رہی ہیں' نہ چیک اَپ کے لئے آتی ہیں' پچھلے ہفتے ٹیسٹس کے لیے بھی میں نے زبردستی آپ کو بلایا تھا۔'' ذرا رکے' گہری سانس لی۔ ''آپ کی کِڈنی تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ مکمل نہیں' تقریباً۔''

''کتنے عرصے بعد مجھے نئے کِڈنی کی ضرورت پڑے گی؟''

''جلد از جلد۔ جتنی دیر کریں گی۔ اتنا مسئلہ ہوگا۔ کیا آپ نے کسی اور ڈاکٹر کی رائے لی؟''

''جی، میں ڈاکٹر فاروق احسان کے پاس گئی تھی۔ ٹیسٹس بھی دوبارہ کروائے۔ ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ مجھے جلد از جلد ٹرانسپلانٹ کروانا ہوگا۔'' کمرے میں ایک آزردہ سی خاموشی آ ٹھہری۔

''کیا آپ کی فیملی میں کوئی ایسا ہے جو آپ کو کڈنی ڈونیٹ کر سکے؟'' قدرے توقف سے انہوں نے پوچھا۔

''میں کوئی گیم تو نہیں کھیل رہی کہ ایک چیز ضائع ہو جائے تو دوسرے سے مانگ لوں۔ کڈنی ڈونیشن بہت بڑی بات ہے۔ اور میں اپنی فیملی سے کچھ بھی نہیں مانگنا چاہتی مزید۔'' وہ اس سوال پہ ناخوش ہوئی تھی۔

''اوکے ریلیکس!'' انہوں نے اسے تسلی دی۔ ''میں ڈونر کا بندوبست کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جتنی جلدی اور گن ملے، اتنی جلدی ہم ٹرانسپلانٹ کر دیں گے، لیکن آپ نے پہلے کی طرح اب بداحتیاطی نہیں کرنی۔ میں پھر کہوں گا، آپ اپنی فیملی میں کسی کو راضی کرنے کی.....''

وہ مزید یہ باتیں نہیں سن سکتی تھی۔ فضا میں موجود حبس اور گھٹن بڑھ گئی تھی، اس لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

.....❖❖❖.....

اپنی تلاش کا سفر ختم بھی کیجئے کبھی ..... خواب میں چل رہے ہیں آپ

اسی حبس زدہ دن جب پرندے اکتائے اکتائے اڑ رہے تھے، ایک اور ہسپتال کے پرائیوٹ روم میں آبدار عبید ایک کرسی پہ بیٹھی تھی اور سامنے بستر پہ لیٹے مریض کی باتیں توجہ سے سن رہی تھی۔ وہ ایک درمیانی عمر کے صاحب تھے۔ ابھی مکمل طور پہ صحت یاب نہیں ہوئے تھے۔ نقاہت وغیرہ ہنوز لگی تھیں۔ چہرے پہ بھی نقاہت تھی۔

''پچھلی ملاقات میں آپ مجھ سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں۔'' وہ نرمی اور رسان سے کہہ رہی تھی۔ ''ویسے تو میں ہپنوتھراپسٹ ہوں' مگر ایک ریسرچ کے سلسلے میں مجھے آپ کا کیس سننا ہے۔ کیا آپ کمفرٹیبل ہیں؟''

''جی! آپ پوچھئے۔'' انہوں نے نقاہت سے اسے دیکھتے سر ہلایا۔

''اوکے۔'' آبدار نے گہری سانس لی۔ ''آپ کی سرجری کے دوران جواد صاحب' ایک وقت ایسا آیا تھا جب آپ کا دل بند ہو گیا تھا' اور آپ کو واپس لانے میں ڈاکٹرز کو پچاس سیکنڈ لگے تھے۔ ان پچاس سیکنڈز کے لئے آپ clinically ڈیڈ ہو چکے تھے۔'' وہ غور سے ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ کہہ رہی تھی۔ انہوں نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔ ''ان پچاس سیکنڈز میں... کیا ہوا تھا؟ کیا دیکھا آپ نے؟''

جواد صاحب کے چہرے پہ تکلیف ابھری۔ ذرا سے شانے اچکائے۔ ''آپ یقین نہیں کریں گی۔''

''ٹرائی می!'' وہ مسکرائی۔

انہوں نے گہری سانس لی۔ آنکھیں بند کر کے یاد کیا۔ ''اس وقت میری سرجری جاری تھی۔ نشے کے باوجود مجھے تکلیف ہو رہی تھی' کچھ آوازیں بھی کانوں میں پڑتی تھیں' ڈاکٹرز وغیرہ کی' پھر میں نے سنا کہ وہ لوگ مجھے لوز کر رہے ہیں' ذرا سی افراتفری پھیلی۔'' وہ رکے۔ وہ غور سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ ''پھر؟''

''پھر جیسے اچانک سے میری ساری تکلیف ختم ہو گئی' میں نے خود کو بہت ہلکا محسوس کیا۔ میں اس بارے میں کسی سے بات کرنا نہیں چاہتا' لیکن آپ پوچھ رہی ہیں تو...'' سر جھٹکا۔ ''ایسے جیسے میں کسی بوجھ سے آزاد ہو گیا ہوں۔''

''اس کے بعد کیا ہوا؟''

''میں نے.... محسوس کیا کہ...'' وہ آنکھیں موندے دقت سے بول رہے تھے۔ ''.... کہ جیسے کوئی مجھے کھینچ رہا ہے۔ میں آپریشن ٹیبل پہ لیٹا تھا۔ میں نے خود کو اس کے نیچے سے نکلتا محسوس کیا' ہلکا اور آزاد' اور اس کے آگے.... ایک تاریک جگہ تھی' جیسے کوئی غار یا سرنگ ہوتی ہے' میں اس میں سے گزر کر دوسری طرف نکلتا گیا۔'' آبدار نے نوٹ بک پہ کچھ لکھتے ہوئے پوچھا۔ ''پھر؟''

''اس غار نما تاریکی سے نکل کر میں نے دیکھا کہ... میں اسی آپریشن تھیٹر میں ہوں' مگر اوپر... فضا میں تیر رہا ہوں۔ آپ یقین نہیں کریں گی۔ مگر میں نے اوپر سے دیکھا' کہ نیچے ٹیبل پہ میرا جسم لیٹا ہے' اور ڈاکٹرز مجھے مسلسل ریوائیو کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

اس دفعہ آبدار نے کاغذ کو دیکھے بنا چند الفاظ گھسیٹے۔ ''اس کے بعد کیا ہوا؟''

''اس کے بعد...'' انہوں نے یاد کیا۔ ''میں نے اوپر فضا میں دیکھا، اپنے والد کو، اور ایک بچی کو جو میرے بچپن میں اسکول میں کرنٹ لگنے سے مر گئی تھی، اور بھی چند فوت ہوئے رشتہ داروں کو، وہ مجھے دیکھ رہے تھے، لیکن میرے اور ان کے درمیان ایک سرحد تھی، مادی سرحد نہیں، نہ ہی کوئی لکیر۔ وہ ایک ایسی ان دیکھی باؤنڈری تھی جسے میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا میں اس طرف تھا اور وہ لوگ دوسری طرف۔ وہ مجھے مسلسل واپس جانے کا کہہ رہے تھے، اور میں نہ آگے جا سکتا تھا نہ پیچھے مڑ سکتا تھا۔''

''کیا آپ نے وہاں کسی اور کو دیکھا؟''

کتنے ہی لمحے وہ کچھ نہ بولے۔ پھر اسی طرح بند آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا۔ ''روشنی۔ وہ روشنی تھی، مگر ٹیوب لائٹ یا سورج یا چاند کے جیسی روشنی نہیں۔ وہ مختلف قسم کی تھی۔ شاید اسی کو نور کہتے ہیں، مگر وہ صرف نور نہیں تھا، وہ نور کا وجود تھا۔ A being of light۔ آپ سمجھ رہی ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

''میں سمجھ رہی ہوں۔ کیا اس نے آپ سے بات کی؟'' وہ بغور ان کے چہرے کی اذیت دیکھ رہی تھی۔

''جی۔ مگر ایسے نہیں جیسے انسان کرتے ہیں، الفاظ سے نہیں، پھر بھی مجھے سمجھ آ رہی تھی کہ وہ مجھے کیا سمجھانا چاہ رہا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا، اور یہ کہ مجھے واپس جانا ہوگا۔'' انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ ''پھر ہر شے ریوائنڈ ہو گئی۔ میں واپس ہوتا ہوا اپنے جسم میں داخل ہو گیا۔ بھاری اور وزنی۔''

''اس وجود کے قریب کیا محسوس کیا آپ نے؟''

''غیر مشروط محبت۔ احساسِ قبولیت۔ علم کی تڑپ۔ وہ سراپا محبت تھا۔ وہ کون تھا؟ اور کیا یہ صرف ایک خواب تھا؟''

''نہیں' یہ NDE تھا Near Death Experiance۔ آپ سمیت دنیا میں ہزاروں لوگ اس سے گزر چکے ہیں۔ چونکہ آپ کی موت کا مقررہ وقت ابھی نہیں پہنچا تھا۔ اس لئے آپ مر کر بھی زندہ ہو گئے۔'' قدرے رکی۔ ''رہی بات کہ وہ کون تھا، تو آج تک کوئی

انسان نہیں بتا سکا کہ وہ کون تھا۔ اس تجربے سے گزرنے والے یہود کہتے ہیں کہ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے، عیسائی کہتے ہیں وہ مسیح ابن مریم تھے، مسلمان کہتے ہیں کہ وہ ملک الموت عزرائیل علیہ السلام تھے، لیکن مجھ سے پوچھو تو اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ نورانی وجود جو مر کر زندہ ہونے والوں کو ملتا ہے، وہ کون ہے۔ فرق اس سے پڑتا ہے کہ وہ آپ کو کیا سکھاتا ہے؟'' اپنی چیزیں سمیٹ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''مجھے اب چلنا چاہیے۔''

''آپ خوش نہیں لگ رہیں، جیسے آپ کو جس چیز کی تلاش تھی وہ آپ کو نہیں ملی۔''

آبدار کی گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ وہ جبراً مسکرائی۔ ''کوئی بات نہیں۔ آپ آرام کیجئے۔'' اب وہ مسکرا کر الوداعی کلمات کہہ رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

کہ جس ہاتھ میں پتھر، کماں میں تیر نہ ہو ..... کوئی بھی ایسا مرے شہرِ مہرباں میں نہ تھا

قصرِ کاردار کے لاؤنج میں اس صبح کھلی کھڑکیوں سے روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ شہرین سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی اور ہاشم کے کمرے کا دروازہ کھولا۔

اندر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا تھا۔ شرٹ کے کالر کھڑے تھے اور میز پہ رکھی تین عدد ٹائیز میں سے ایک اٹھا رہا تھا۔ آہٹ پہ نظر اٹھا کر آئینے میں دیکھا۔ سفید شرٹ اور خاکی پینٹس میں ملبوس' سنہرے بالوں کی اونچی پونی بنائے شہری مسکراتی ہوئی آ رہی تھی۔

''سونی ہم دونوں کو اپنے اسکول فنکشن میں ساتھ ساتھ دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔ اونہہ' گرے ٹائی نہیں جائے گی اس کے ساتھ۔'' وہ آگے آئی' اور ہاشم کے ہاتھ سے نرمی سے گرے ٹائی لے کر رکھی' اور بلیو اٹھائی۔ ہاشم نے بس مسکرا کر اسے دیکھا' بولا کچھ نہیں۔ شہری اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''شیرو کی کمپنی کیسی جا رہی ہے؟ میں نے سنا ہے تم دونوں ہارون عبید کے ساتھ شراکت داری کر رہے ہو اس کمپنی میں؟'' اس کے کالر مزید کھڑے کیے' اور ٹائی گردن میں ڈالی' پھر گرہ لگانے لگی۔

''تم نے صحیح سنا ہے۔''

وہ ہاشم کی آنکھوں میں دیکھ کر گرہ کو اوپر تک لائی۔ ''ہاشم!'' مٹھاس سے پکارا۔ ''سعدی کہاں ہے؟''

''یہ سوال تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیے۔ تمہاری بہت دوستی تھی اس سے۔'' وہ بھی اسی انداز میں مسکرایا۔

''جس گن سے اسے مارا گیا ہے' وہ گلاک جی فورٹی ون تھی۔ شیرو کے پاس ہے ایسی گن۔ انکار مت کرنا۔'' مسکرا کر اس کے کھڑے کالر سیدھے کیے' پھر ٹائی کی ناٹ پکی کی۔ ''کہیں یہ نہ ہو کہ میں فارس کو کال کر دوں۔'' اب وہ ڈریسنگ ٹیبل سے ٹائی پن اٹھانے مڑی تو ہاشم نے اپنا موبائل اٹھایا۔ شہری واپس ہوئی' اس کی ٹائی کو شرٹ کے ساتھ پن کے ذریعے نتھی کیا' تو ہاشم نے نمبر ملا کر اسپیکر آن کیا۔ تیسری گھنٹی پہ فارس کا ''ہیلو؟'' کمرے میں گونجا۔ ٹائی پن لگاتی شہری نے چونک کر ہاشم کو دیکھا۔ وہ اسی طرح مسکرا رہا تھا۔

''فارس' یار شہری کو تم سے ضروری بات کرنی ہے' اس کے فون کی بیٹری ختم تھی۔ اس کی بات سن لو ذرا!'' اعتماد سے موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ شہری کے ہاتھ اس کی ٹائی پن پہ ہی جم گئے۔ دم بخود' ساکت۔ فارس ''ہیلو؟'' کہہ رہا تھا۔ اس نے بدقت تھوک نگلا۔ ''ہاں فارس' کیسے ہو؟'' زخمی آنکھوں سے ہاشم کو دیکھتے جبراً مسکرا کر بولی۔ ''اکتوبر کے پہلے ویک اینڈ پہ ہماری ہاؤس وارمنگ ہے۔ تم آ سکو گے؟''

''نہیں۔ بزی ہوں۔'' ذرا توقف سے بولا۔ ''اور کچھ؟''

''نہیں۔ تھینک یو۔'' جلدی سے بولی۔ ہاشم نے فون بند کر کے میز پہ ڈالا۔ پرفیوم اٹھا کر خود کو آئینے میں دیکھتے گردن پہ چھڑکا۔ فضا

ایک دم معطر ہوگئی۔ ''تمہارے تو الفاظ ہی غائب ہوگئے شہری' یقیناً اس لئے کہ تمہارے باپ کا سارا کاروبار میرے اوپر' تم نے سنا میرے اوپر انحصار کرتا ہے۔ رہی سعدی کی بات' تو اس کو غائب کرنے میں میرا نہیں' تمہارا ہاتھ ہوسکتا ہے' اور اگر تم نے فارس کو کچھ کہنا ہوتا تو بہت پہلے کہہ دیتیں۔ کوٹ؟'' کوٹ کی طرف اشارہ کیا۔ شہری نے مرے مرے ہاتھوں سے کوٹ کو سامنے کیا۔ ہاشم نے اس میں اپنے بازو ڈالے' اور پھر اسے کندھوں پہ برابر کرتے اسی طرح بولتا گیا۔

''اور جوگن میں نے شیرو کو گفٹ کی تھی' وہ جی فورٹی فائیو تھی۔ اس کا تمام پیپر ورک میرے لاکر میں موجود ہے۔ سو اگلی دفعہ مجھے بلیک میل کرنے کے لئے کوئی بہتر طریقہ ڈھونڈنا بجائے...'' کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے اس کی طرف گھوما اور مسکرا کر اس کے کندھے پہ لٹکا پرس اتارا۔ بجھے چہرے والی شہری حرکت بھی نہ کرسکی۔ ''بجائے میرا اعتراف ریکارڈ کرنے کے۔'' پرس سے ریکارڈنگ پہ رکھا سیل فون نکال کر اس کے سامنے لہرایا' اور دروازے تک آیا۔ فیونا کو بلایا۔

''اس کو چولہے میں پھینک دو۔'' سیل فون اس کو تھماتے درشتی سے بولا۔ پھر مڑ کر بت بنی شہری کو دیکھا۔

''تم آرہی ہو یا میں اکیلے جاؤں؟''

''مجھے تمہاری نئی کمپنی میں شیئرز چاہیے۔ تینتیس فیصد۔'' بمشکل گردن اکڑا کر بولی۔ ہاشم مسکرایا۔

''شہری....'' چہرہ اس کے کان کے قریب کیا۔ ''میں تمہیں اپنی کمپنی میں ایک پائی بھی نہیں دینے لگا۔''

وہ باہر نکل گیا اور شہری نے تلملا کر پیر پٹخا تھا۔

.....❖❖❖.....

ہم پھر بھی اپنے چہرے نہ دیکھیں تو کیا علاج؟ ..... آنکھیں بھی ہیں، چراغ بھی ہے، آئینہ بھی ہے

اس صبح حنین اسٹڈی ٹیبل پہ اپنی پسندیدہ کتاب درمیان سے کھولے بیٹھی تھی۔ کچھ دن سے وہ اسے باقاعدگی سے پڑھ رہی تھی' اور اٹھاسی فصلیں پڑھنے کے بعد' دل پہ گناہوں سے لگنے والے زنگ کو سمجھنے کے بعد بالآخر وہ اس فصل پہ پہنچ گئی تھی جس کا اسے انتظار تھا۔

''باب 89 مرضِ عشق کی دوا!''

ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے پوری توجہ سے وہ دروازہ ڈھونڈا جو قدیم زمانوں میں لے جاتا تھا' اور پھر اپنے self-hypnosis میں خود کو غرق کرتے ہوئے پٹ کھول دیے...

دوسری جانب ایک روشن دوپہر واضح ہوئی۔ چلچلاتی ہوئی دھوپ ایک چراگاہ پہ بکھری تھی۔ سبزہ... ہر سو سبزہ۔ اور اس زمردی گھاس پہ سفید' پھولے پھولے سے بھیڑ جا بجا گھاس چرتے دکھائی دے رہے تھے۔ کیا واقعی دمشق میں اتنا سبزہ تھا؟ مگر کوئی بات نہیں۔ یہ جنہ کی دنیا تھی۔ وہ قدم قدم چلتی آئی اور ایک پتھر پہ بیٹھے شیخ کے دائیں جانب آبیٹھی۔ جھکے کندھوں کے ساتھ اس نے محض اتنا کہا۔

''میں آگئی ہوں۔ مجھے بتائیے۔ کیا ہے میرا علاج؟''

شیخ اپنے سفید سرمئی لباس میں بیٹھے تھے۔ نگاہیں دور چرتے بھیڑوں پہ تھیں۔ ہلکا سا بولے۔

''وقف الهوى بى حيث انت فليس لى۔
متاخر عنه ولا متقدم''

(تیری محبت نے مجھے وہاں لا کھڑا کیا ہے جہاں تو ہے۔
اب یہاں سے مجھے نہ کوئی پیچھے ہٹا سکتا ہے نہ آگے بڑھا سکتا ہے۔)

''درست۔ میں بھی ایسے ہی نقطے پہ کھڑی ہوں۔'' وہ بھی سامنے دیکھنے لگی۔ ''میرا دل جل رہا ہے' میں بے چین ہوں' مضطرب

اوں۔کیا اس قاتل جادو کے اتار کا کوئی منتر ہے؟ میرے دل میں یہ مرضِ مستمر (پرانا، مسلسل چلے آنے والا مرض) اپنی جگہ بنا چکا ہے اور میں اپنا دل کھو چکی ہوں۔کیا میں پھر سے اپنے دل کی مالک بن سکتی ہوں؟ وہ گناہگار ہے' قاتل ہے' پھر بھی میں اس سے نفرت نہیں کر پا رہی۔''

''مریضِ محبت کو سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینا چاہیے لڑکی' کہ کسی شخص کے قبضے سے اپنا دل چھڑانے کے لئے اس کو ''بھولنا'' یا اس سے نفرت کرنا ضروری نہیں۔''

''بھولے بغیر موو آن کیسے کیا جائے پھر؟''

''اس کا علاج کر کے۔انسان کو چاہیے کہ اس مرض کو یا تو پیدا نہ ہونے دو' لیکن اگر پیدا ہو چکا ہے تو اس کے علاج کے دو طریقے ہیں۔آج میں تمہیں پہلا طریقہ سمجھاتا ہوں۔''

''اور کیا گارنٹی ہے کہ میں یہ کروں گی تو میرا دل مجھے واپس مل جائے گا؟''

''یہ تمہارے اوپر منحصر ہے کہ تم کتنے اچھے سے دو لیتی ہو۔''

اس کا دل پھر سے شکوک و شبہات کا شکار ہونے لگا۔سات سو سال پرانے شیخ کو کیا معلوم موبائل' انٹرنیٹ' آئل کارٹیلز' پاکستان کے مرا رڑائلز' اور ان سارے مسئلوں کا جو اسے درپیش تھے۔مگر پھر بھی اس نے سننا چاہا۔شیخ کا پہلا توڑ۔

''غضِ بصر۔''

''آ...مطلب؟'' اسے عربی بھول بھال گئی تھی۔

''اپنی نگاہ کو پست رکھو، نگاہ کی حفاظت کرو۔اس کو نہ دیکھو جس کی وجہ سے دل کھویا ہے۔'' حنین نے حیرت سے ان کو دیکھا جن کی آنکھیں سامنے تھیں۔بھیڑ چراگاہ میں چر رہے تھے۔ہوا چل رہی تھی' مگر حنہ کا دماغ الجھ گیا۔

''نگاہ پست کرنے سے کیا ہوگا؟''

''دس فائدے ہیں۔سنو گی؟'' شیخ نے مسکرا کر چہرہ اسکی طرف موڑا۔حنہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''پہلا۔یہ اللہ کا حکم ہے' اور جو بھی انسان فلاح پاتا ہے' وہ حکمِ الٰہی مان کر ہی فلاح پاتا ہے' اور جو ناکام ہوتا ہے' وہ حکم نہ ماننے کی وجہ سے ناکام ہوتا ہے۔''

حنین مزید توجہ سے سننے لگی۔

''دوسرا فائدہ۔اس کی نظر جو زہر آلود تیر تمہارے دل تک پہنچا کر تمہارا دل ہلاک کرتی ہے' آنکھ کی حفاظت سے وہ تیر تمہارے دل تک نہیں پہنچے گا۔'' وہ انگلیوں پہ گنوا رہے تھے۔

''سوئم، نظر کی حفاظت سے دل میں پوری توجہ سے اللہ کے لئے محبت پیدا ہوتی ہے' ورنہ جن لوگوں کی نگاہ آزاد اور آوارہ رہتی ہے' ان کا دل منتشر رہتا ہے۔آزاد نگاہی بندے اور اللہ کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔''

''صحیح!'' وہ بالکل محو ہو کر سن رہی تھی۔

''چہارم۔آنکھ کی حفاظت سے دل مضبوط اور پرسکون رہتا ہے اور آزاد نگاہی یعنی ہر غلط چیز یا شخص کو دیکھ لینے سے دل مغموم رہتا ہے۔''

''پنجم۔نگاہ پست رکھنے سے دل میں ''نور'' پیدا ہوتا ہے۔کیا تم نے غور نہیں کیا کہ سورۃ نور میں اللہ نے غضِ بصر کی آیت کے بعد ہی آیتِ نور پیش کی؟ کیونکہ دل میں نور نظروں کو حفاظت سے داخل ہوتا ہے' اور جب دل نورانی ہو جائے تو ہر طرف سے خیر اور برکت اس انسان کی طرف دوڑتی ہے۔اور جن کے دل اندھیر ہوں' ان کو شر اور تکالیف کے بادل گھیرے رکھتے ہیں۔''

چراگاہ اور اس کے اجلے اجلے بھیڑ، ہر چیز حنین کے ذہن سے محو ہو چکی تھی اور وہ مکمل یکسوئی سے سُن رہی تھی۔ بوڑھا استاد کہہ رہا تھا۔

''ششم۔ تم اللہ کا اصول جانتی ہو۔ اس کے لئے جو چھوڑو گے' وہ اس سے بہتر عطا کرے گا۔ تم ''نگاہ'' چھوڑو' وہ بدلے میں ''نگاہ'' عطا کرے گا۔ وہ تمہیں بصیرت دے گا' فہم و فراست کی نگاہ عطا کرے گا' اور تمہاری فراست کبھی خطا نہیں ہوگی۔ مومن اسی نگاہ کی وجہ سے ایک سوراخ سے دوسری بار نہیں ڈسا جاتا۔''

حنین کے دل کی گرہیں کھل رہی تھیں۔

''ساتویں چیز۔ آزاد نگاہی سے انسان ذلیل ہوتا ہے' اپنے نفس کے قدموں میں خود کو رول کر بے توقیر کر دیتا ہے' مگر جو نگاہ کی حفاظت کرتا ہے' اللہ اس کو عزت دیتا ہے، لوگوں میں بھی، فرشتوں میں بھی۔'' وہ سانس لینے کو رکے۔

''آٹھویں بات۔ نگاہ کے ذریعے شیطان اتنی تیزی سے دل میں جا پہنچتا ہے جتنی تیزی سے کسی خالی جگہ میں خواہشات بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ وہ امیدیں دلاتا ہے' گناہوں کی توجیہات پیش کرتا ہے' اور انسان گناہ کی آگ میں یوں جلتا ہے جیسے کسی بکری کو تنور میں ڈال کر بھونا جائے۔ اسی لئے شہوت پرستوں کو قیامت کے دن آگ کے تنوروں میں ڈالا جائے گا۔''

''اوہ۔'' وہ چونکی۔ ''یہ جو جہنم کی سزائیں اللہ تعالیٰ نے بتائی ہیں' یہ گناہوں کو symbolize کرتی ہیں' جیسا گناہ اسی شکل کی سزا؟''

شیخ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''نویں چیز۔ غضِ بصر سے دل کو قرآن پہ غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ورنہ جن کی نگاہیں آوارہ ہوں' ان کے دل اتنے پھنسے اور الجھے ہوتے ہیں کہ یہ فراغت ان کا مقدر نہیں بن سکتی۔''

''آخری یعنی دسویں چیز!'' انہوں نے گہری سانس لی۔ ''انسان کے دل اور آنکھ کے درمیان ایک سوراخ ہے' ایک راستہ ہے۔ جس کام میں آنکھ مشغول' اسی میں دل مشغول ہوتا ہے۔ ایک کی اصلاح سے دوسرے کی اصلاح ہوتی ہے' ایک کے فساد سے دوسرے کا فساد ہوتا ہے۔ اس لئے اپنی نگاہ کو صاف رکھو' اس شخص کو نہ دیکھو جس کی طرف دل ہمکتا ہے' کیونکہ یہ تمہارے لئے حرام ہے۔ اگر حلال ہوتا تو ٹھیک تھا' لیکن حلال نہیں ہے۔ سو جب اپنی نگاہ کی مالک بن جاؤ گی تو دل کو بھی واپس حاصل کر لو گی۔ یہ پہلا طریقہ کرو۔''

حنین نے کتاب بند کی تو قدیم زمانوں کا فسوں' سبز چراگاہ' اور اجلے بھیڑ' سب غائب ہو گئے' آنکھیں موند کر اس نے کتاب پہ سر رکھ لیا۔ وہ صبح شام کھڑکی سے ہاشم کی بالکونی دیکھا کرتی تھی' وہ کب آتا ہے' کب جاتا ہے' اسے ساری خبر تھی۔ کیونکہ نگاہ وہیں لگی تھی۔ یہ نظر ہوتی ہے جو اونٹ کو ہانڈی اور انسان کو قبر تک پہنچاتی ہے۔ کیا نظر بد والی حدیث کا یہ مطلب بھی ہو سکتا تھا؟ وہ کسی اور دنیا میں گم سوچے جا رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

میں اپنے باپ کا یوسف تھا اس لیے محسن ..... سکون سے سو نہ سکا، بھائیوں سے ڈرتا رہا

سعدی یوسف کے زنداں خانے میں خاموشی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ کھڑا قلم سے ایک لکیر لگا رہا تھا۔ نیلی جینز پہ سبز ٹی شرٹ پہنی تھی وہ اب پہلے سے دبلا لگتا تھا۔ میری نے میز پہ کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہاں کونے میں کئی اور لکیریں بھی لگی تھیں۔ چار ماہ اور دو دن۔ وہ قید کے دنوں کا یوں حساب رکھتا تھا۔

''کیا آج ہماری عید ہے' میری؟'' میز کی طرف آتے اس نے اداسی سے پوچھا۔

''نہیں، کل ہے۔''

(مجھے یہاں چار ماہ سے ہو گئے ہیں لیکن ابھی تک کوئی میرے لیے نہیں آیا۔ کیا واقعی میرے گھر والے میرے لیے کوشش کر رہے ہوں گے؟) سوچتے ہوئے وہ بے دلی سے کھانا شروع کرنے لگا۔ پھر رک کر اسے دیکھا۔

''میری ایجیو...رات کو کیا ہوا تھا؟ تم پڑھتے پڑھتے اس کاؤچ پہ سوگئی تھیں' پھر نیند میں ایک دم سے اٹھیں اور باہر چلی گئیں۔ دیکھو ہمارے ادھر آنے پہ اعتراض نہیں۔ اگر تو میں تمہیں پسند آ گیا ہوں تو میرے جیسے ہینڈسم لڑکے....''

''بکومت....تم میرے بیٹے سے چند سال ہی بڑے ہو گے۔'' خفگی سے اسے جھڑکا۔ پھر تکان سے کنپٹی سہلائی۔''میں سونے جا رہی ہوں' گارڈ برتن لے جائے گا۔ اسے پتہ تھا کہ میری کے سوا وہ کسی کو اپنے کمرے میں برداشت نہیں کرتا۔

''اگر تم نے رات کو کوئی برا خواب دیکھا ہے تو بتاؤ، میں تمہیں اس کی تعبیر بتاتا ہوں، یا صاحب الجن!''

''خود کو جوزف سمجھنا چھوڑ دو اور کھانا کھاؤ۔'' درشتی سے ٹوکتی وہ سامنے بیٹھ گئی۔ مگر سعدی نے کھانا ڈھک دیا۔

''کون سا خواب ہے جو تمہیں اکثر رات کو نیند سے جگا دیتا ہے؟''

میری کچھ لمحے خاموش رہی، پھر بولی تو لہجہ ذرا نرم تھا۔''پہلے نہیں... پہلے تو میرے بیٹے کا ہی خیال آتا رہتا تھا۔ اس کا علاج ہاشم کروا رہا ہے نا۔ مگر جب سے میں نے تمہیں وہ نیکلیس والی بات بتائی ہے' وہ سب یاد آنے لگا ہے۔ جب مسز کاردار نے علاج کی رقم دینے سے انکار کیا تو کیسے فیونا میری ہمدرد بن کر مجھے اکساتی تھی کہ ان کا نیکلیس چرالوں۔ اس کو ان کے جیولری باکس کا کوڈ بھی معلوم تھا۔''

''اسے کیسے پتہ تھا؟'' وہ چونکا۔

''صاف بات ہے' مسز کاردار مجھے نوکری سے نکالنا چاہتی تھیں' مگر کانٹریکٹ کے تحت میرا دورانیہ رہتا تھا ابھی' سو فیونا نے ان کے ساتھ مارا کھیل ترتیب دیا۔ میں نے چوری کر ڈالی اور ڈی پورٹ ہونے کے قریب تھی کہ تمہاری وجہ سے ہاشم مجھے یہاں لے آیا۔''

''مسز کاردار کو کانٹریکٹ سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''ہاشم بلاوجہ ان کو اپنے باپ کی ملازمہ کو نہ نکالنے دیتا۔''

''مطلب؟'' وہ الجھا۔

''ان میاں بیوی کے تعلقات کبھی اچھے نہیں رہے۔ اورنگزیب کاردار مجھ سے جو اہرات پہ نظر رکھواتے تھے' وہ اسی لئے مجھ سے بد ظن رہتی تھیں۔ حالانکہ ان کی پسند کی شادی تھی۔ جواہرات نے اپنے ایک بے حد چاہنے والے کو ٹھکرا کر اورنگزیب سے شادی کی' اورنگزیب کی پہلی شادی بھی تڑوائی' اس سے اورنگزیب کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ جواہرات نے اورنگزیب کو دو بیٹے دیے۔ دولت دی۔ مگر اب وہ ایک دوسرے سے بے زار آ چکے تھے۔''

''تمہیں یہ سب کیسے پتہ ہے؟''

میری مسکرائی۔''بے وقوف لڑکے' میں اس گھر کی ملازمہ رہی ہوں' مالک سمجھتے ہیں جیسے ہماری زبان نہیں' ویسے ہمارے کان بھی نہیں ہیں' مگر ہم ہر کھانے پہ' ہر چائے پہ موجود ہوتے ہیں۔ گھر کے سارے راز ہمارے سینوں میں دفن ہوتے ہیں۔''

''واہ۔ خیر، کیا چیز تمہیں ڈسٹرب کرتی ہے؟''

''وہ رات جب اورنگزیب کاردار کی موت ہوئی۔'' اس نے جھرجھری سی لی۔''شاید اندر سے میں خود اتنے برس مسز کاردار کی محبت کی ایک پکار کی منتظر رہی ہوں۔ اس رات زندگی میں پہلی اور آخری دفعہ انہوں نے مجھ سے مسکرا کر بات کی تھی۔ میں اوپر ہاشم کی بالکونی میں سے دیکھ رہی تھی' ساتھ فون پہ اپنے بیٹے سے بات کر رہی تھی۔'' وہ یاد کر کے بتا رہی تھی۔''وہ نیچے اپنے باتھ روم کے دروازے سے' جو پچھلے لان میں کھلتا تھا' باہر نکل رہی تھیں۔ ان کو سردی میں دیکھ کر مجھے فکر ہوئی' میں نے ان کو کچھ گرم اوڑھنے کا مشورہ دیا۔ وہ مسکرائی تھیں۔ پھر اورنگزیب کے لئے کافی لانے کا کہا۔ سب اچھا تھا۔ مگر کچھ وقت بعد اورنگزیب صاحب کی موت...'' جھرجھری لی۔''اس کے بعد سعدی وہ بھی میرے ساتھ اچھی نہیں رہیں۔ ہر وقت ترش اور خفا۔ سعدی میں نے گیارہ سال ان لوگوں کی خدمت کی۔ مگر ان میں سے کسی نے

گیارہ منٹ انٹرنیٹ پہ میرے بیٹے کے کیسز کو سرچ نہیں کیا۔صرف تم نے احساس کیا تھا میرا۔کاش میں نے تمہارے آگے اس قصر کا در وا کبھی نہ کھولا ہوتا۔''

''میری!'' وہ ہمدردی سے آگے ہوا۔''تم اس رات کو اس لئے بار بار دیکھتی ہو کیونکہ تم نے اورنگزیب کا روپ جیسے اپنے ایک نمایاں کھویا تھا۔تم دل سے چاہتی ہو کہ وہ واپس آ جائیں۔اور کچھ نہیں۔''

''کیا میرے خواب کا کوئی مطلب نہیں نکلتا، جوزف؟'' اسے مایوسی ہوئی۔

''اگر ہم قدیم مصر کے قید خانے میں ہوتے اور میرے ساتھ فرعون کی کنیز قید ہوتی تو تمہارا خواب بہت قیمتی ہوتا، اس کے بدلے میں یا تو تمہیں سزائے موت دی جاتی اور پرندے تمہارا سر نوچ کھاتے، یا تم ایک دفعہ پھر سے شاہی محل جا کر ملکہ اور اس کے بیٹوں کی خدمت کرتیں۔مگر نہ میں جوزف ہوں، نہ مجھے خواب کی تعبیر بتانی آتی ہے، میں تو تمہارا دل ہلکا کرنا چاہتا تھا۔''

میری نے غیر مطمئن انداز میں سر ہلایا مگر اٹھتے ہوئے وہ ناخوش لگ رہی تھی۔شاید یہ کچھ اور تھا جو اسے ہمیشہ سے الجھاتا تھا۔

.....❖❖❖.....

میں اپنے ڈوبنے کی علامت کے طور پر ..... دریا میں اک آدھ بھنور چھوڑ جاؤں گا

جسٹس سکندر کے ڈرائنگ روم میں زرد بتیاں جلی تھیں۔ٹی وی اسکرین پہ مسلسل وہی خبر چل رہی تھی۔سامنے ٹہلتے جسٹس صاحب نے غصے سے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کیا۔پھر ہاشم کو دیکھا جو ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھا تھا، بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا رکھا تھا اور ناخوشی کے باوجود خود کو پرسکون رکھے ہوئے تھا۔

''میرا گھر سے نکلنا تک عذاب کر دیا ہے رپورٹرز نے۔آپ کو تو کسی نے یہاں آتے نہیں دیکھا؟''

''نہیں۔خاور نے کالونی خالی کروالی تھی پولیس سے۔'' ہاشم نے ناک سے مکھی اڑائی۔تبھی خاور اندر داخل ہوا۔دروازہ بند کیا اور جسٹس صاحب کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

''یہ سب نہ ہوا ہوتا سر اگر آپ بیس مئی کو مجھے پوری بات بتاتے۔آپ نے بتایا کہ سعدی آپ کو آپ کے بینک اکاؤنٹس کی تفصیلات اور آپ کے افیئر کی تصاویر کے ساتھ بلیک میل کر رہا ہے جو اسے آپ کے کمپیوٹر سے ملی تھیں۔''

''یہ سچ ہے۔اس نے میرے کمپیوٹر کے ری سائیکل بن سے مٹائی ہوئی چیزیں نکال لی تھیں۔'' وہ سچ کہہ رہے تھے۔

''اور ویڈیو؟ اس ویڈیو کا کیوں نہیں بتایا آپ نے؟''

جسٹس سکندر نے سر جھٹکا اور آگے پیچھے ٹہلنے لگے۔وہ سخت کبیدہ خاطر نظر آ رہے تھے۔

ہاشم نے قدرے ٹھنڈے انداز میں پکارا۔''وہ ویڈیو سعدی کو کہاں سے ملی تھی۔''

''میں نہیں جانتا...''

''کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ وہ اب کس کس کے پاس ہوگی؟ کیونکہ میرے خیال میں یہ فارس غازی کا کام ہو سکتا ہے۔'' ہاشم پر یقین تھا۔

''اونہوں۔'' جسٹس سکندر نفی میں سر ہلاتے سامنے صوفے پہ بیٹھے۔''وہ دماغ سے نہیں، ہاتھوں سے سوچتا ہے، اتنی لمبی پلاننگ وہ نہیں کر سکتا۔''

ہاشم اور خاور نے ایک دوسرے کو دیکھا۔پھر ہاشم نے گہری سانس لی۔''وہ میرا کزن ہے، میں برسوں سے اس کو جانتا ہوں، یہ اسی کا کام ہے۔''

''اس لڑکے نے کہا تھا کہ یہ ویڈیو صرف اس کے وکیل کے پاس ہوگی، اگر سعدی کو کچھ ہوا تو وکیل اس کو ریلیز کر دے گا۔'' خاور نے چونک کر انہیں دیکھا۔ہاشم کے بھی ابرو بھنچے۔

''کون ہے اس کا وکیل؟''

''زمر یوسف نہیں ہے' کوئی اور ہے۔''

''تو سر اس نے چار ماہ انتظار کیوں کیا؟'' خاور کو الجھن ہوئی۔''اگلے ہی دن ویڈیو کیوں نہ ریلیز کر دی؟''

''وہ (گالی) میرے ہائیکورٹ جج بننے کا انتظار کر رہا ہوگا۔ میں کوئی عام جج نہیں ہوں، میرا بھائی سیکرٹری ہے، سیاسی خاندان ہے میرا۔ اور اب اس (گالی) کی وجہ سے مجھے استعفیٰ دینا پڑ رہا ہے۔ مجھے نہیں پتہ ہاشم' لیکن لڑکا تمہارے پاس ہے' اس سے پوچھو کہ ویڈیو کس نے ریلیز کی ہے' اس سے پوچھو ورنہ اگر میں ڈوبا تو یاد رکھنا' تم سب کو لے ڈوبوں گا۔'' وہ غصے سے انگلی اٹھا کر کہہ رہے تھے۔ ہاشم نے ہاتھ اٹھا کر دھیرج کا اشارہ کیا۔

''آرام سے یور آنر۔ ہارون عبید اور ہاشم کاردار جیسے دوستوں کی موجودگی میں آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔''

مگر واپس کار میں بیٹھتے اس نے خاور سے کہا تھا۔

''سعدی سے اس وکیل کے بارے میں پوچھنا ہوگا۔''

''آپ کو نہیں سر' مجھے پوچھنا ہوگا۔'' خاور سختی سے بولا تو ہاشم نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی۔

''جو بھی پوچھنا منہ زبانی پوچھنا۔ اسے کسی قسم کا ٹارچر مت دینا۔'' خاور اس بات سے شدید کوفت کا شکار ہوا مگر خاموش رہا۔ اسے فارس سے زیادہ وکیل پہ شبہ تھا۔

.....❖❖❖.....

میں جب بھی عالمِ حیرت میں آئینہ دیکھوں؟ ..... ہزار نیزوں پہ اپنا ہی سر نظر آئے

انیکسی پہ دم توڑتے ستمبر کی وہ رات قدرے حبس آلود اتر رہی تھی۔ نیچے تہہ خانے میں زمر چند کاغذات کھول کھول کر دیکھ رہی تھی' اور فارس ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے فون پہ بات کر رہا تھا۔ حنین انگلی سے میز پہ لکیریں بنا رہی تھی۔

''خلجی صاحب نے بھی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ سعدی کا وکیل کون تھا۔'' فارس نے فون رکھا تو زمر نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ بلیک پینٹ پہ گرے شرٹ پہنے، وہ چھوٹے کٹے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے الجھا الجھا لگ رہا تھا۔''ہوسکتا ہے فارس، سعدی نے جھوٹ بولا ہو' اس کا کوئی وکیل نہ ہو۔''

''نہیں' اس نے کسی کو تو بتایا ہوگا۔'' وہ مطمئن نہیں تھا۔

حالانکہ بھائی کو یہ سب ہمیں بتانا چاہیے تھا۔ حنین نے صرف سوچا، مگر شاید اس کا ذمہ دار سعدی نہیں وہ اور زمر تھیں۔

''ویڈیو کی فارنزک جلد آجائے گی۔ جج مستعفی ہو جائے گا مگر وہ کبھی گرفتار نہیں ہوگا' ویڈیو جعلی اور او سی پی کی موت طبی قرار دے دی جائے گی۔ کچھ دن بعد میڈیا نیا ایشو پکڑ لے گا اور اس کو سب بھول جائیں گے۔ ویلکم ٹو پاکستان!''

''ابھی تک سوائے پولیس کے' کوئی کھل کر جج کی حمایت میں سامنے نہیں آیا۔ دیکھتے ہیں...'' ان دونوں کی باتوں سے حنین کو بوریت ہونے لگی تو اوپر چلی آئی۔

کل عید تھی۔ اس دفعہ حنین نے نئے کپڑے نہیں لئے تھے۔ امی سعدی کے لئے بھی نئے کپڑے نہیں لائی تھیں۔ پتہ نہیں کیوں۔

وہ کچن کی گول میز پہ آبیٹھی۔ لاؤنج میں ٹی وی چل رہا تھا اور بڑے ابا قریب بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ندرت اس کے ساتھ آبیٹھیں۔

''شبنم باجی کے ہاں سے کارڈ آگیا ہے۔ اکتوبر کے پہلے ہفتے میں ان کے بیٹے کی شادی ہے۔ سوچ رہی ہوں ولیمہ بھگتا آؤں ذکیہ

خالہ اور سارہ کے ساتھ۔''

''امی' آپ کا جانا ضروری ہے کیا؟'' وہ سوچ میں ڈوبی بولی۔ بڑے ابا نے چونک کر کتاب سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اے لو۔ ضروری کیوں نہیں؟ خاندان کا معاملہ ہے۔ پھر کچھ دینا دلانا بھی پڑتا ہے۔''

''اُف امی' پوری بات تو سنیں۔'' وہ جھلائی۔ ''آپ کا بھی شائستہ خالہ سے وہی رشتہ ہے نا جو فارس ماموں کا ہے؟''

''ہاں تو؟''

''تو ماموں سے کہیں نا کہ وہ چلے جائیں۔'' ابا اسے دیکھتے زیرِ لب مسکرائے۔ مگر ندرت نہیں سمجھی تھیں۔

''اس کو کیوں تنگ کروں حنین؟ وہ بے چارہ پہلے ہی کام میں مصروف رہتا ہے' اس کے پاس وقت کہاں ہوتا ہے۔''

''یہی تو میں کہہ رہی ہوں امی۔ ان کے پاس وقت نہیں ہوتا' کیونکہ وہ پچھلے چار ماہ سے سعدی بھائی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ امی' وہ لوگ اپنی شادی کے بعد ایک دفعہ بھی باہر کھانا کھانے نہیں گئے۔ کبھی ساتھ گھومنے نہیں گئے۔ سعدی بھائی کے ساتھ یہ سب انہوں نے نہیں کیا۔ پھر ہم کیوں سارا بوجھ ان دونوں پہ ڈال دیں۔ اور ان کو کوئی اسپیس ہی نہ دیں۔''

ندرت چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔ ''مجھے تو خیال ہی نہیں آیا۔''

''مگر مجھے تو آ گیا نا۔ اب سنیں۔'' پرجوش سی رازداری سے کہنے لگی۔ ''آپ کہہ دیں ماموں سے کہ آپ کے گھٹنوں میں درد ہے' اور آپ نہیں جا سکتیں سو وہ چلے جائیں۔ آگے سے وہ کہیں گے' اچھا میں حنین اور سیم کو ساتھ لے جاتا ہوں۔ آپ کہنا' کوئی ضرورت نہیں' اپنی بیوی کو لے کر جاؤ۔ وہ کچھ نہیں کہیں گے' بلکہ صرف زمر پھپھو کو دیکھیں گے' وہ خود ہی کہہ دیں گی کہ میرا تو کورٹ میں فلاں کام ہے' آپ کہنا' ہفتہ کی شام کون سا کورٹ ہوتا ہے؟ پھر دو تین جذباتی ڈائیلاگ بولنا کہ میرا سعدی ہوتا تو وہی چلا جاتا' ساتھ آنکھوں میں آنسو بھی لے آنا' جیسے دادی کے سامنے ایکٹنگ کرتی تھیں ویسے ہی، بس پھر دونوں مان جائیں گے۔'' چٹکی میں مسئلہ ہی حل کر دیا حنین نے۔ ندرت کا بس جوتے پہ ہاتھ جاتے جاتے رہ گیا۔ بڑے ابا مسکرا کر کتاب پڑھنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد کھانے کی میز کے گرد سب بیٹھے تھے اور خاموشی سے کھانا کھایا جا رہا تھا۔ تبھی ندرت نے بات چھیڑی۔

''فارس۔ شبنم باجی کے بیٹے کا ولیمہ ہے اگلے ہفتے۔ تمہارا الگ کارڈ بھیجا ہے۔''

اس نے لقمہ لیتے ہوئے محض سر ہلا دیا۔

''میرے گھٹنوں میں بہت درد ہے آج کل' ایسے کرو تم چلے جاؤ' صرف چند گھنٹوں کی ہی تو بات ہے۔'' فارس نے رک کر انہیں دیکھا۔ بڑے ابا مسکرا کر چہرہ جھکائے ہوئے تھے۔

''میں؟''

''میں نہ کہتی مگر جانا ضروری ہے' اچھا نہیں لگتا۔''

''اچھا۔'' فارس کی نظریں حنین کی طرف اٹھیں۔ ''حنہ اور سیم کو ساتھ بھیج دیں پھر...''

بے خبر سیم کا چہرہ کھل اٹھا۔ ''ہیں؟ سچی؟ کب جانا ہے؟'' حنین نے زور سے اس کے پاؤں پہ اپنا جوتا مارا' اس کی بولتی بند ہوئی' پھر بے چارگی سے فارس کو دیکھا۔ ''سوری ماموں' میرے ایگزامز ہیں۔''

''ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے' انہوں نے تمہیں زمر کے ساتھ بلایا ہے' تو تم دونوں میاں بیوی چلے جاؤ نا۔''

زمر نے نوالہ منہ میں رکھتے چونک کر انہیں دیکھا۔ پھر فارس کو۔ اس نے بھی زمر کو دیکھا تھا۔ پھر سنبھل کر بولی۔

''بھابھی' میں ضرور جاتی' مگر کورٹ میں میری ایک ضروری سماعت ہے اور....''

فارس کو چند ماہ لگے تھے یہ سب حاصل کرنے میں۔ اسے یہ سب کس نے دیا، اس شخص کا قصہ تم بعد میں سنو گے، ابھی اتنا جان لو کہ سرمد شاہ کی ماں متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔ مگر اس کا ماموں' جو آئی جی کے عہدے پہ فائز تھا' وہ امیر بھی تھا اور بارسوخ بھی۔ نہ صرف اس نے اپنی بیٹی (شہزا ملک کی بڑی بہن عائزہ) سے سرمد شاہ کی شادی کی' بلکہ اس کا کیریئر بھی بنوایا۔ اس کو اپنے طبقے میں پیر جمانے دیے۔ سرمد شاہ نے ان سب کو شیشے میں اتارا ہوا تھا۔ وہ شیشہ توڑنے کے لئے کنکر فارس کی جیب میں تھا۔

پی کیپ والا سر جھکا کر بیٹھے وہ گزرے سالوں کو سوچ رہا تھا۔ پھر ایک لمحہ ہر یاد پہ حاوی ہونے لگا۔ اردگرد موجود ''حال'' تحلیل ہو کر ماضی میں بدلنے لگا۔۔۔

وہ سفید کرتے میں ملبوس اس کال کوٹھڑی میں تھا۔ اس کے ہاتھ دیوار کے ساتھ اونچے بندھے تھے۔ آنکھیں بند کیے' سختی سے دانت پہ دانت جمائے وہ یوں کھڑا تھا کہ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ چہرے پہ اذیت کے آثار تھے۔ ایک سپاہی یکے بعد دیگرے اس کی کمر پہ ہنٹر سا مارتا تھا۔ سرمد شاہ بھی وہیں کھڑا تھا۔ یونیفارم کی بجائے سفید ٹی شرٹ پہنے وہ پسینے میں تر تھا۔ ایک دم لپک کر فارس کی گردن دبوچی۔

''مجھے تمہارا اقبالی بیان چاہیے۔ غازی!''

''میں نے... قتل... نہیں کیا۔'' وہ بند آنکھوں سے نڈھال سا بولا تھا۔ جواب میں سرمد شاہ زور زور سے چیخنے لگا تھا۔۔۔

ویٹر نے پیالی میز پہ رکھی تو فارس چونکا۔ ماضی تحلیل ہوا۔ وہ ریسٹورانٹ میں بیٹھا تھا' کھڑکیوں پہ بوندیں ہنوز گر رہی تھیں، ماحول نم اور ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ ایسے میں اس نے بھاپ اڑاتی کافی کی پیالی لبوں سے لگائی۔

لابی میں سے گزرتے لوگ اب بھی دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بل پہ کر کے اٹھا' اور سر جھکائے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے آگے چلتا گیا۔ ذہن میں ہر وہ لمحہ گزر رہا تھا، وہ جیل کے اذیت ناک ماہ و سال، اور وہ اس رات ہسپتال میں گزرے چند گھنٹے... جب ان کے ہاتھوں سے اس اے ایس پی نے سعدی کو غائب کروا دیا تھا۔ نفرت، غصہ انتقام، وہ ہر جذبے میں گھرا آگے بڑھتا گیا۔

متعلقہ ہال کے داخلی حصے سے اندر کی رنگا رنگ تقریب نظر آ رہی تھی۔ کونے میں رک کر فارس نے' دور کھڑے آئی جی صاحب کے ساتھ بات کرتے سرمد شاہ کو دیکھا۔ وہ سوٹ میں ملبوس تھا' اور مسکرا کر خوش باش سا اپنے سسر کے ساتھ مگن تھا۔ فارس کی تپتی سرد نظریں اس سے ہوتیں' مرکزی دیوار تک جا رکیں۔

''پیپی برتھ ڈے ارسم شاہ۔'' وہاں لکھا تھا۔

ایک دم فارس کی نظروں میں الجھن ابھری۔ اس نے آگے پیچھے دیکھا۔ غبارے' پھول' اور اونچی سی کیک ٹیبل۔ مہمانوں میں جا بجا نظر آتے بچے۔ ٹوپیں اور ٹائی میں کھڑا پیارا سا سات سالہ بچہ۔ جو سرمد شاہ کی بیوی عائزہ کے ساتھ کھڑا تھا۔

(تو وہ خاندانی تقریب سالگرہ کی تھی؟)

فارس بالکل سُن سا ہو کر اس بچے کو دیکھے گیا۔ بچہ بہت پیارا تھا۔ اس کے ہونٹ گلابی اور آنکھیں کانچ جیسی تھیں۔ شرما کر، مسکرا کر وہ اپنے جیسے کم عمر بچوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ کسی ننھے شہزادے کی طرح۔ اس کی کانچ سی آنکھوں کی معصومیت ایک دم ہر شے، ہر جذبے پہ حاوی ہونے لگی۔

فارس کے تاثرات بدل چکے تھے۔ سرد پن غائب ہوا۔ آنکھوں میں تکلیف سی ابھری۔ پھر ایک دم وہ مڑا۔

ہوٹل کے کچن کی پشت پہ جب وہ پہنچا تو ایک کیٹرر اس کا منتظر تھا۔

''لائیں پیکٹ دیں' میں ارینج کر دوں گا۔'' ادھر ادھر دیکھتے رازداری سے بولا۔

''نہیں۔ ابھی نہیں۔'' وہ بے سکون لگ رہا تھا۔

کیٹرر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''آپ نے ایک مہینہ مجھے تنخواہ دی اس کام کے لئے اور اب؟''

''میں نے کہا نا ابھی نہیں۔ تم جاؤ کام کرو۔'' اور واپس پلٹ گیا۔

جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا' بارش مسلسل برس رہی تھی۔ حنین اور زمر لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی تھیں۔ وہ لاک بند کر کے آگے آیا تو پانی میں بھیگا ہوا لگتا تھا۔ جانے کتنی دیر سڑک کنارے بارش میں چلتا رہا تھا۔

حنین اسے دیکھ کر بے قراری سے اٹھی۔ ''کیا بنا اس آدمی کا جس نے میرے بھائی کو ہماری نظروں کے سامنے ہسپتال سے غائب کروایا تھا؟''

فارس نے بس ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ حنین نے ناسمجھی سے زمر کو دیکھا۔ وہ خود بھی چونکی تھی۔ پھر فوراً پیچھے گئی۔

وہ کمرے میں کھڑا گھڑی اتار رہا تھا۔ زمر سامنے آئی۔

''کیا بنا؟''

''میں نے....'' وہ چپ ہوا۔ گھڑی اتار کر میز پہ رکھی۔ پھر پیکٹ نکال کر ساتھ رکھا۔ ''میں نے نہیں کیا۔''

''کیا مطلب نہیں کیا؟'' وہ حیران سی رہ گئی۔

''وہ اس کے بچے کی سالگرہ تھی۔ اس کا بیٹا وہاں موجود تھا۔'' وہ اب صوفے پہ بیٹھا، سر جھکائے جوگرز کے تسمے کھول رہا تھا۔

''تو؟''

''تو یہ کہ وہ ایک سات سال کا بچہ تھا۔'' اس نے جوگرز اتارے۔

''تمہیں اس پہ رحم آ گیا؟'' زمر کو آگ لگ گئی تھی۔ ''کیا تم وہ سب بھول گئے جو اس نے ہمارے خاندان کے ساتھ کیا؟''

''زمر بی بی.... میرا دماغ اس وقت خراب مت کریں۔ میں اس بچے کے سامنے اس کے باپ کا کردار نہیں کھول سکتا تھا۔'' وہ ایک دم غصے سے اس کے سامنے آیا۔ ''تقریب میں سارے لوگ اس کے باپ پہ پل پڑتے' وہاں ایسی ایسی باتیں کی جاتیں جن کو وہ بچہ کبھی نہ بھولتا۔ اس کا باپ اس کی ماں سے بے وفائی کر رہا ہے' اس سے جھوٹ بولتا رہا ہے' وہ کبھی نہ بھولتا۔ وہ ساری زندگی کسی محبت' کسی رشتے کا اعتبار نہ کرتا۔ ہر انسان کا باپ اس کے لئے آئیڈیل ہوتا ہے' آئیڈیل توڑنے سے اس کی شخصیت بھی ٹوٹ جاتی ہے۔''

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ کھڑکی پہ بارش تڑتڑ برس رہی تھی۔ زمر نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''تمہاری سوتیلی ماں نے بھی ایسا ہی کیا تھا نا!'' کوئی برف کا اولہ ساز و رسے کھڑکی پہ گرا تھا۔

''مجھے درمیان میں مت لائیں۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔ آنکھیں سرخ ہوئیں۔

''تم خود اپنے آپ کو درمیان میں لائے ہو۔ جو سرمد شاہ نے کیا' وہ اس کے ذمے ہے۔ اس کے بچے کو کبھی نہ کبھی پتہ چل جائے گا۔ یا تم اسے معاف کر رہے ہو؟''

''میں کسی کو معاف نہیں کر رہا۔ صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ یہ چیز کسی اور طریقے سے کسی اور وقت کی جا سکتی ہے۔ بعد میں وہ اپنے بچے کو کیسے ڈیل کرے' یہ میرا مسئلہ نہیں ہے' لیکن آج کی اہانت کی وجہ میں نہیں بننا چاہتا۔ میرا انتقام میری بیماری نہیں ہے' نہ اس نے مجھ سے میری انسانیت چھینی ہے۔'' وہ مڑا اور خشک کپڑوں کے لیے الماری کھول لی۔

زمر گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ ''تم غلطی کر رہے ہو' اور تم اس کے لئے بہت پچھتاؤ گے۔''

وہ نظر انداز کر کے کپڑے نکالنے لگا۔ بارش کی تڑتڑاہٹ مزید تیز ہو گئی تھی۔

.....❖❖❖.....

قاتل مرا نشاں مٹانے پہ ہے بضد ..... میں بھی سینا کی نوک پہ سر چھوڑ جاؤں گا

موسم اگلے چند دن ویسا ہی ٹھنڈا رہا، مگر پھر آہستہ آہستہ بارش کا اثر ختم ہو گیا، حبس اور گرمی واپس آ گئی۔ البتہ آزاد کشمیر کی طرف جاتی اس پہاڑی، بل کھاتی سڑک پہ اب بھی ٹھنڈی چھایا سی تھی۔ ایک لش چمکتی کار وہاں دوڑ رہی تھی۔ نوشیرواں کار دار اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے موجود تھا۔ آنکھوں پہ برانڈڈ گلاسز لگے تھے، کلائی میں قیمتی گھڑی۔ منہ میں چیونگم چباتا وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

ڈیش بورڈ پہ ڈالے فون کی اسکرین دفعتاً چمکی۔ اس نے اسے اٹھایا۔ اسید کا پیغام تھا۔ سب دوست کشمیر پہنچ چکے تھے، اسی کا انتظار ہو رہا تھا۔ ''میں دوپہر تک پہنچ جاؤں گا'' لکھ کر پیغام بھیجا اور پھر سے ڈرائیو کرنے لگا۔

یکدم اس نے کار کو بریک لگائی۔ ٹائر چرچرائے۔ خون کی بوندیں ونڈ اسکرین تک اڑ کر آئیں۔ لمحے بھر کو وہ دم بخود رہ گیا تھا۔ لیکن پھر تیزی سے باہر نکلا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ مرنے والا کوئی کتا تھا، اور اس نے اسے بچانے کی کوشش بھی کی تھی، مگر.....

باہر آ کر وہ رکا۔ اگلے ٹائروں تلے آیا... وہ کتا نہیں تھا۔

وہ کتے کا بچہ تھا۔ ایک معصوم سنہری لیبراڈار۔

وہ کچلا گیا تھا۔ خون جا بجا بکھرا تھا۔ نوشیرواں پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھا۔ پریشانی سے اس کو دیکھا۔ پلے کی گردن میں کالر تھا۔ ''آریو'' اور مالک کا نام ''اینڈرس...'' دوسرا لفظ خون میں ڈوبنے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ کسی فارنر سیاح کا کتا تھا۔ شاید ہسپانوی۔

نوشیرواں کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ پھر اس نے آواز سنی۔ اوپر پہاڑ پہ درختوں سے کوئی عورت پکار رہی تھی۔ ''آریو... آریو۔''

نوشیرواں نے بجلی کی تیزی سے اپنی ڈیزائنر جیکٹ اتاری، کتے کو اس میں لپیٹا اور بھاگتا ہوا کار کے اندر بیٹھا۔ جیکٹ کی گھڑی فرنٹ سیٹ پہ ڈالی اور تیزی سے کار آگے بھگا لی۔ چند کوس آگے جا کر رفتار آہستہ کی۔ اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ وہ خون سے بھرے تھے۔

شیرو کو ایک دم ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ اس نے کار روکی۔ اور جیکٹ کی گھڑی لئے باہر نکلا۔ سڑک کے دہانے پہ کھڑے اس نے سوچا کہ کتے کی لاش نیچے کھائی میں پھینک دے، مگر وہ اسے نہیں پھینک سکا۔ ٹھنڈی ہوا کے باوجود اس کا جسم پسینے سے تر تھا۔

وہ سڑک کنارے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور خون آلود ہاتھوں سے مٹی کھودنے لگا۔ نرم مٹی بھی نہیں کھودی جا رہی تھی۔ سانس چڑھنے لگا تھا۔ بمشکل، بدقت وہ ایک چھوٹا سا گڑھا کھود پایا۔ پھر جیکٹ کھولی تو اندر ننھا معصوم پلا خون میں ڈوبا مرا پڑا تھا۔

نوشیرواں کے دل کی حالت غیر ہونے لگی۔ اس نے چہرہ اٹھا کر اپنے چار سو دیکھا۔

ویران پہاڑ، اونچے درخت۔ کھائی۔ کھلا آسمان۔

وہ لاش کو وہیں چھوڑ کر کار میں آ بیٹھا۔ خون آلود ہاتھ، خون آلود فرنٹ سیٹ۔ کپکپاتے ہاتھوں سے دوبارہ کار اسٹارٹ کی۔ اسے گھر جانا تھا۔

(کوئی جانور کو بھی ایسے نہیں مارتا، شیرو! وہ تو پھر انسان کا بچہ تھا۔)

شیرو نے سر جھٹکا اور ایکسلیٹر پہ زور بڑھا دیا۔ وہ ہر جگہ تھا، وہ ہر منظر میں تھا، اس سے فرار ناممکن تھا۔ اور اب گلٹ کا یہ مرض بڑھتا جا رہا تھا۔

چند گھنٹوں بعد قصرِ کاردار میں جھانکو تو نوشیرواں کار گھر کے اندرونی گیراج میں لے آیا تھا، اور اب گارڈ کو ہدایات دے رہا تھا۔

''اس کو اچھی طرح صاف کرواؤ۔ ایک دھبہ بھی نہ باقی رہے۔''

لاؤنج میں جواہرات تیار بیٹھی تھی۔ بالوں کا جوڑا بنائے، گردن میں دمکتے ہیرے۔ ہاتھ فیونا کے سامنے بچھا رکھا تھا جس پہ وہ کیوٹکس لگا رہی تھی۔ شیرو کو اس طرح آتے دیکھ کر حیرت ہوئی۔

''تم تو دوستوں کے ساتھ گئے تھے؟ اور یہ کپڑوں کو کیا ہوا ہے؟'' وہ جواب دیے بنا اوپر چلا گیا۔ جواہرات نے چنتونوں کے اشارے سے فیونا کو روکا' ہاتھ نکالا' اور اس کے پیچھے اوپر گئی۔

شیرو اپنے کمرے کے ڈریسنگ روم میں' الماریوں کے پٹ کھولے کھڑا تھا۔ چہرے پہ عجیب بے زاری اور بے چینی تھی۔

''تمہارے کپڑوں پہ خون کیوں لگا ہے؟ کیا کسی سے لڑ کر آئے ہو؟'' وہ فکرمندی سے اس کے سامنے آئی۔

''فکر نہ کریں' کسی انسان کو قتل نہیں کیا۔''

''مجھے سچ بتاؤ' شیرو' کس سے جھگڑا کیا ہے؟'' اس نے اسے کہنی سے تھام کر اپنے سامنے کیا۔ نو شیرواں بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔

''آپ کو لگتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں؟''

''تمہاری حالت وہ بتا رہی ہے جو تمہارے الفاظ نہیں کہہ رہے۔'' اب کے وہ سختی سے بولی۔ شیرو نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''کتے کا بچہ تھا وہ ممی' کتے کا بچہ۔'' وہ ایک دم بلند آواز میں بولا۔ ''میں نے غلطی سے اسے مار دیا' مگر میں اس کا خون آلود وجود نہیں دیکھ سکا۔ میں اس کو دفنا بھی نہیں سکا۔ مجھے ہر جگہ اس کا خون نظر آ رہا تھا۔ اس کی مالکن اس کو پکار رہی تھی۔ آریو' آریو۔ وہ آوازیں مجھے پاگل کر رہی ہیں۔'' وہ وحشت سے چلایا تھا۔

''او کے او کے!'' جواہرات نے نرمی سے اس کو شانوں سے تھاما۔ ''ریلیکس' کوئی بات نہیں' یہ صرف ایک حادثہ تھا۔ تم ان چیزوں سے بہت اوپر' بہت مضبوط ہو۔ تم ایک کردار ہو اور....''

''اور میں ایک بڑے خاندان کا بڑا آدمی ہوں' عظمت میرا مقدر ہے' یہی نا؟ یہی بتاتی آئی ہیں نا آپ مجھے ساری عمر؟'' غصے سے کہنی چھڑائی۔ ''بس کر دیں' نہیں سننی مجھے یہ باتیں اس وقت۔ کیونکہ ممی.... اب مجھے ان پہ یقین نہیں آتا۔'' برہم سے صدمے سے اسے دیکھتا' کپڑے لئے باتھ روم میں چلا گیا اور دروازہ جواہرات کے منہ پہ بند کر دیا۔

وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ (خیر' وہ نارمل ہو جائے گا۔) اور واپس نیچے چلی آئی۔ اس کی ابھی تیاری رہتی تھی۔

.....❖❖❖.....

میں ریگ زار تھا، مجھ میں بسے تھے سناٹے ..... اسی لیے تو میں شہنائیوں سے ڈرتا رہا

ان سے دور چلے آؤ تو شام کے اس پہر، ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل کے بینکوئٹ ہال میں ولیمے کا فنکشن منعقد تھا۔ روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ دلہا دلہن پھولوں سے سجے اسٹیج پہ بیٹھے' مسکرا کر تصویریں بنوا رہے تھے۔ نیچے ایک میز کے گرد زمر بیٹھی غیر دلچسپی سے اسٹیج کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے زرد لمبی قمیض پہن رکھی تھی، بال جوڑے میں تھے اور کانوں میں آویزے تھے، موقعے کی مناسبت سے ہلکی پھلکی تیار وہ اچھی لگ رہی تھی۔ فارس ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، مسلسل سیل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ ایک دوسرے سے کٹے کٹے اور بے نیاز۔

تبھی سارہ ادھر آتی دکھائی دی۔ وہ سادگی سے تیار ہوئی تھی۔ ایک بیٹی امل ساتھ تھی، دوسری کو نہ جانے کس وجہ سے ساتھ نہیں لائی تھی۔ ان کو دیکھ کر پھیکا سا مسکرائی۔ زمر بھی مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ فارس نے نہیں دیکھا تھا' سر جھکائے سیل پہ لگا تھا' مگر امل نے جیسے ہی اسے دیکھا' ایک دم ماں کی انگلی چھڑا کر آگے لپکی' اور اس کے گلے سے لگ گئی۔ وہ چونکا' مگر... پھر... نگاہ بچی پہ پڑی تو نرمی سے اس کے گرد بازو حمائل کیے، اور اسے خود سے لگائے رکھا۔ سارہ جو زمر سے رسمی کلمات کہہ رہی تھی' ایک دم رک کر دیکھنے لگی۔ آنکھیں گلابی ہوئیں۔

وہ تو بس ایک دفعہ ملنے آیا تھا رہائی کے بعد' اور سارہ نے اسے رکھائی سے خود سے دور رہنے کا کہا تھا' پھر وہ صرف دو دفعہ آئی ان کے گھر (انیکسی میں) مگر صرف تب جب وہ گھر پہ نہیں تھا، کہ فارس غازی کا مطلب تھا ''مصیبت''۔ اور امل تو اس سے پتہ نہیں کتنے عرصے بعد مل رہی تھی' پھر بھی اسے وہ یاد تھا؟ امل اب فارس سے الگ ہوئی تو وہ اسے دونوں کہنیوں سے تھامے' مسکرا کر اپنے سامنے کھڑا کیے' پوچھ رہا

تھا۔ ''تم کیسی ہو امل؟''

''میں ٹھیک ہوں' آپ کیسے ہیں؟ میں آپ کو بہت مِس کرتی ہوں۔'' اس نے اپنے ننھے ہاتھ کو فارس کے گال اور تھوڑی پہ پھیرا' جسے فارس نے دونوں ہاتھوں میں تھام کر چوما۔

لمحے بھر کے لئے ان کے اردگرد شادی کا فنکشن غائب ہوگیا۔ وہ چار' ساڑھے چار سال قبل چلے گئے' جہاں قبرستان سے لوگ لوٹ رہے تھے' اور ایک تازہ' کچی قبر پہ وہ کھڑا ہنوز مٹی ڈال رہا تھا۔ اس کا چہرہ ویران تھا' اور آنکھوں میں گلابی سا پانی تھا۔ قبر مکمل طور پہ ڈھک چکی تھی۔ ساتھ پانچ سالہ امل خاموش اور اداس بیٹھی تھی۔ لوگ دور جا رہے تھے۔ نور گھر تھی' وہ الگ مزاج کی تھی' اس کو سارہ نے نہیں آنے دیا' مگر امل کو وہ زبردستی اس کے باپ کے جنازے پہ لے آیا تھا۔

قبرستان تقریباً سنسان ہو چلا تھا۔ سورج اوپر تپ رہا تھا۔ وہ بھی تکان زدہ سا مٹی پہ آ بیٹھا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے آنکھیں مسلیں۔

''آپ رو رہے ہیں' چاچو؟'' امل نے اس کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ فارس نے نفی میں چہرہ ہلایا' زکام زدہ سی سانس اندر کو کھینچی' آنکھوں میں گلابی پانی تھا مگر اس نے ان کو رگڑ لیا' پھر امل کو دیکھا۔

''اپنے باپ کی قبر مت بھولنا کبھی امل۔ اس کو اس لئے مارا گیا کیونکہ وہ ایک سچا آدمی تھا' ایک ایسا آدمی جو ظلم کے خلاف اٹھ سکتا ہو۔ وہ بہادر تھا۔ میں بھی اسی کا بھائی ہوں۔ اللہ کی قسم' میں ان لوگوں کو نہیں چھوڑوں گا۔ وہ سمجھتے ہیں' ہم غریب ہیں' کمزور ہیں' تو ان کا ہاتھ نہیں روک سکتے؟ تم مجھ سے وعدہ کرو' کہ کبھی یہ نہیں سمجھو گی کہ تمہارے باپ نے خودکشی کی تھی' اور میرا وعدہ ہے' میں اس کے ایک ایک قاتل کا سر تمہارے ہاتھ میں لا کر دوں گا۔'' اسے پتہ تھا امل کو اس کی باتیں نہیں سمجھ آئیں گی' مگر وہ جواب میں کچھ کہہ رہی تھی۔۔۔

قبرستان تحلیل ہوگیا' اور وہ روشنیوں سے مزین اس ہال میں موجود تھے۔ فارس بیٹھا ہوا تھا' اور اس نے امل کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔

''آپ اتنے بزی کیوں ہوتے ہیں؟ جب بھی ماما سے کہوں آپ سے ملنا ہے، وہ کہتی ہیں، چاچو بزی ہیں۔'' وہ اس کے کان کے قریب شکوہ کر رہی تھی۔

فارس نے زخمی نظر اٹھا کر سارہ کو دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو یہ میرا خون ہے، تم خون میں لکیر نہیں کھینچ سکتی۔ سارہ کا گلا رندھا۔

''تم چاچو کو اتنا مِس کر رہی تھیں تو مجھے کہتیں' میں تمہیں ملوا لاتی۔'' بیٹی کو مخاطب کیا۔ شرمندگی اور خفت کے ساتھ۔ وہ اتنے سال انگلینڈ رہے' فارس کے ساتھ ایک شہر میں تو صرف چند ماہ رہے' پھر وہ جیل چلا گیا' لیکن ایسے وہ دوڑ کر اس کے پاس آئی تھی' جیسے برسوں کا ساتھ ہو۔ یہ خون کیا چیز تھی؟ اس کا رگوں میں بہنا کیسے سب کو جوڑ کر رکھتا تھا۔ اس کا ناحق بہائے جانا کیسے سب کو توڑ دیتا تھا۔

زمر بس خاموشی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

''سعدی کا کچھ پتہ چلا فارس؟'' اس نے پوچھا' تو آواز میں آس بھی تھی' خفت بھی۔ وہ انہی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ امل کو کسی نے بلا لیا تھا سو وہ بھاگ گئی۔

''میں اسے ڈھونڈ لوں گا.....'' خشک سا کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ میز پہ عجیب سا تناؤ در آیا۔ اسے سارہ کا اپنے ساتھ رویہ یاد تھا۔

''تمہیں آئل کمپنیز... یعنی آئی پی پی زکو چیک کرنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے ان کا اس میں کوئی ہاتھ ہو۔'' سارہ نے خود کو کہتے سنا۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر سر ہلایا۔

''کر رہا ہوں۔'' سارہ اٹھ گئی۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے پاس پرائیوٹ نمبر تھا، چاہتی تو خفیہ ایس ایم ایس بھی

بھیج دیتی، لیکن وہ جانتی تھی، وہ اس کو ڈھونڈ لے گا، اور زمر اسے کورٹ میں دھکیل دے گی۔

''ہارون عبید والا معاملہ کہاں تک پہنچا؟'' وہ تنہا رہ گئے تو زمر نے ہلکے سے سرگوشی کی۔ اے ایس پی کو وہ اب ڈسکس نہیں کرتے تھے، وہ مانتا نہیں تھا لیکن وہ اس کو معاف کر چکا تھا۔

''ہوں۔ میں ہارون عبید کے پیچھے ہی لگا ہوا ہوں، مگر اتنے دن سے اس کی ایک قابل گرفت چیز بھی نہیں مل سکی۔'' وہ کچھ الجھا ہوا تھا۔ ''میں جج' ہارون عبید' اور اے ایس پی کا لنک جوڑنا چاہتا ہوں، الیاس فاطمی کے ساتھ۔ مگر ان تینوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں بن رہا۔''

''یعنی درمیان میں کچھ مسنگ ہے؟''

''درمیان میں ''کوئی'' مسنگ ہے۔ کوئی ایک شخص ہے ان سب کے درمیان۔'' نفی میں سر ہلاتے وہ سوچ رہا تھا۔ زمر نے تھوک نگلا۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔

''کھانا لگ رہا ہے۔'' وہ اٹھنے لگی تو ایک دم اسے چکر سا آیا۔ میز کا سہارا لے کر واپس بیٹھی۔ فارس اپنے فون پہ بٹن دبا رہا تھا، اسے نہیں دیکھا۔ چند گہرے سانس لے کر اس نے خود پہ قابو پایا۔

''ہم باہر کہیں اور ڈنر کر سکتے ہیں فارس؟'' اسے اتنے لوگوں میں ایک دم گھٹن ہونے لگی تھی۔ اتنی دور ٹیبل تک جائے گی کھانا ڈالنے تو کہیں گر جائے گی۔ فارس نے اس بات پہ بے اختیار اسے دیکھا اور پھر ہمیشہ کی طرح اس کی بات مان لی۔ ایک دم سے زمر کو احساس ہوا، کہ اسے فارس کو بتا دینا چاہیے۔ اپنی خرابیٔ طبیعت، کڈنی، وہ سب۔ پرس میں ایک رپورٹ بھی تھی، اسے وہ فارس کو دکھا دینی چاہیے۔

جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھیں دھڑکنیں
جب ان کو زباں ملی تو ہم پہ ہی برس پڑے

کچھ دیر بعد وہ اسی ہوٹل کے ریسٹورانٹ میں ایک میز کے گرد بیٹھے تھے۔ وہاں مدھم زرد بتیاں تھیں۔ میز پہ تازہ پھول رکھے تھے۔ موم بتی جل رہی تھی۔ وہ ٹیک لگائے' مسلسل کان کی لو مسلتا' ویٹر کو آرڈر دے رہا تھا اور زمر کے ہاتھ گود میں رکھے پرس پہ تھے۔ فارس کے ساتھ پہلی دفعہ ایسی جگہ پہ ڈنر کرنا۔ بہت آکورڈ تھا۔ تبھی زمر کا فون بجا۔ اس نے فوراً اٹھا لیا۔

''جی صداقت؟ جی ظاہر ہے وہ کپڑے استری کرنے تھے۔ میں نے نہیں بتایا تو آپ کو خود سمجھنا چاہیے تھا۔'' رک کر خفگی سے سنا۔ ''میں نے وہاں کپڑے نہیں رکھے تھے تو کیا کسی چڑیل نے آ کر رکھے تھے؟ روز اسٹینڈ پہ کپڑے کون رکھتا ہے؟ حد کرتے ہو آپ بھی۔'' بڑا کر فون رکھا تو دیکھا' فارس ذرا چونک کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ نے خود کو ''چڑیل'' کیوں کہا؟''

''مثال دی تھی۔ کیوں؟ کیا ہوا؟'' اس نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''تم کیوں مسکرا رہے ہو؟''

فارس نے مسکراہٹ دبائے چہرہ جھکا کر نفی میں سر ہلایا۔ ''میں بالکل بھی نہیں مسکرا رہا۔''

وہ فوراً آگے ہوئی۔ ''نہیں سچ سچ بتاؤ۔ تم ایسے صرف تب مسکراتے ہو جب تمہیں کوئی بات معلوم ہوتی ہے اور مجھے نہیں۔'' پھر رک کر اپنی بات پہ غور کیا۔ ''کیا کسی نے تمہارے سامنے مجھے چڑیل کہا ہے؟''

''میرے سامنے کوئی آپ کو چڑیل کہنے کی ہمت کر سکتا ہے کیا؟'' فارس نے سنجیدگی سے اسے تسلی دی۔ زمر کے تنے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے۔ اس کے انداز میں اتنا مان، اتنا اعتماد تھا۔ پرس میں ہاتھ ڈال کر رپورٹ دو انگلیوں سے پکڑی۔ پھر سرسری سا بولی۔

''اس بات کا کیا مطلب تھا جو اس رات تم نے کہی؟'' اسے یقین تھا کہ فارس کو معلوم ہے وہ کس بات کا ذکر کر رہی ہے۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا۔ ''اس کا مطلب یہ تھا کہ.. آپ نے مجھے... سات سال پہلے.... قید میں ڈالا تھا۔''

وقت ایک لمحے کے لئے تھم گیا' موم بتی کا شعلہ ہلکا سا ٹمٹمایا۔ پھولوں کی خوشبو آس پاس پھیلی۔ زمر یک ٹک اس کی آنکھوں میں دیکھے گئی۔ ''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

"I Fell in Love with You Seven Years ago!"

وہ آرام سے کہہ گیا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی' مگر وہ اس مسکراہٹ کو پہچانتی تھی۔ یہ رومان پرور مسکراہٹ نہیں تھی۔ یہ سرد آگ سی تھی۔

''تم نے مجھ سے شادی کیوں کی فارس؟'' وہ بالکل ساکت سی۔ دم سادھے بیٹھی تھی۔ دو انگلیاں اب بھی رپورٹ پہ تھیں۔

''میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ تیسری وجہ بھی بتائے دیتا ہوں۔'' اس نے لمحے بھر کے لئے بھی زمر کی آنکھوں سے نظریں نہیں ہٹائیں۔ ''میں سات سال پہلے جب اس شہر میں پوسٹڈ ہو کر آیا تھا تو میں نے آپ کی کلاس میں داخلہ لیا تھا۔ یہ تب ہی ہوا تھا۔ مجھے.... آپ سے... محبت ہو گئی تھی۔'' وہ نرمی سے کہہ رہا تھا مگر یہ نرمی آنکھوں میں نہیں تھی۔ ''میں آپ کے قریب رہنے کے لئے بہانے ڈھونڈنے لگا تھا۔ آپ کے بارے میں ہر چیز جاننے لگا تھا۔ آپ سعدی کی فیس دے رہی ہیں' آپ حنہ کے لئے اپنی چابیاں جان بوجھ کر لئے بھول جاتی ہیں' آپ کو کب سے ایستھما ہے۔ مجھے بہت کچھ معلوم تھا۔ میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ مجھے نوٹس نہیں ملے۔ مجھے ملے تھے۔ میں نے پھاڑ کر پھینک دیے تا کہ آپ مجھے زیادہ وقت دے سکیں۔ مجھے تب احساس ہوا کہ میں مریضِ عشق بنتا جا رہا ہوں۔''

وہ سانس لینے کو رکا۔ وہ بالکل دم سادھے اسے سن رہی تھی۔

''پانچ سال پیچھے چلتے ہیں زمر۔ میں نے آپ کو وہ نوز پن بھیجی' مجھے لگا تھا آپ میری لکھائی پہچان جائیں گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ اسی لئے جب آپ کی والدہ نے رشتے سے انکار کیا تو میں نے دوبارہ کوشش نہیں کی۔ میں ''آپ'' کے لئے نہیں لڑا۔ میں... آپ کے لئے... نہیں لڑا۔ میرے نزدیک ایک ایسی عورت کے لئے لڑنا بے سود تھا جو میری لکھائی بھی نہ پہچان سکے۔ میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ شادی بھی کر لی' لیکن میرا ایک حصہ پہلے بھی اور آئندہ بھی آپ سے محبت کرتا رہے گا۔ اس ایک حصے کی وجہ سے میں اپنی بیوی سے ویسی محبت نہیں کر سکا جیسی کرنی چاہیے تھی۔ شروع شروع میں' میں اس کے نام کو اپنے بھائی کے نام سے جوڑنے پہ لڑتا تھا' مجھے لگتا تھا یہ صرف اس سے محبت نہ کرنے کا گلٹ ہے' ورنہ اس کے حقوق و فرائض تو میں نے سب پورے کیے تھے۔ ڈانٹتا تھا' مگر بلاوجہ نہیں۔ وہ میری بہت اچھی دوست تھی۔ لیکن جیل کے چار سال میں یہ نہیں سمجھ سکا' اگر میرا اور اس کا تعلق صرف دوستی یا گلٹ کا تھا تو میں اسے اتنا مس کیوں کرتا ہوں؟ محبت تو مجھے آپ سے تھی' مگر آپ کے لئے میں کبھی نہیں لڑا' اس کے لئے پھر بھی لڑ رہا ہوں۔'' فضا میں ایک دم Rebecca de Winters کی مہک پھیل گئی۔ وہ اب بھی سانس روکے ہوئے تھی۔

''مجھ سے شادی کرنے کی تیسری وجہ کیا تھی؟''

وہ اسی طرح زخمی سرد سا مسکرایا۔ ''محبت نہیں تھی۔ اگر محبت کے لئے آپ سے شادی کرنی ہوتی تو ساڑھے پانچ سال پہلے کر لیتا۔ مگر نہیں۔ میں نے آپ سے شادی بھی کی' اور آپ کی ہر بات برداشت کی۔'' کہتے ہوئے وہ آگے کو ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''اس لئے نہیں کہ میں کمزور تھا' محبت میں خاموش تھا' یا یہ میری شرافت تھی۔ ٹرسٹ می زمر' میرا ایک حصہ ساری زندگی آپ کی قید سے نہیں نکل سکے گا' میں آپ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا' اور میں آپ کو ایک ہزار دفعہ بھی معاف کر سکتا ہوں' مجھے یہ بھی احساس ہے کہ آپ کے ساتھ جو بھی ہوا میری وجہ سے ہوا۔ لیکن....'' وہ رکا۔ وقت بھی رک گیا تھا۔ وہ نمک کا مجسمہ بنی' یک ٹک اس کو دیکھ رہی تھی۔ ''لیکن میرے اور آپ کے تعلق' میری برداشت' میری خاموشی' میرا آپ کی پرواہ کرنا' آپ کے زخموں کی مرہم کرنا' محبت اس میں کبھی بھی شامل نہیں تھی۔ میں نے آپ سے غلط کہا تھا کہ میں آخر میں آپ سے اپنا حساب لوں گا' مجھے آپ سے نہ انتقام لینا ہے نہ کوئی حساب۔ لیکن....''

وہ پھر رکا، زمر کا سانس بھی رکا۔

''لیکن جو آپ نے میری ساتھ کیا، میں ایک بات بھی نہیں بھولا۔ آپ سے شادی کی تیسری وجہ یہ ہے کہ....'' چہرہ مزید آگے کیا۔ موم بتی کے ٹمٹماتے شعلے کے پیچھے اس کی پرتپش آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ ''میں آپ کی آنکھوں میں گلٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ تب کیا کریں گی جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ فارس غازی بے گناہ تھا۔ میں صرف اسی دن کے انتظار میں ہوں' اس دن جب آپ کو سچائی معلوم ہوگی۔ میں اپنی بے گناہی ثابت کرلوں گا اور آپ ٹوٹیں گی۔'' موم بتی کا شعلہ ایک دم بجھ گیا۔ زمر کی انگلیوں نے رپورٹ کو چھوڑ دیا۔ نگاہیں ہنوز فارس پہ جمی تھیں۔

''یہ جو آپ کو بہت غرور ہے نا خود پہ' کہ آپ بہت قابل ہیں' میں یہ غرور ٹوٹے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کی آنکھوں میں گلٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ کوئی انتقام' کوئی انصاف نہیں چاہیے مجھے آپ سے۔ صرف احساسِ ندامت۔ اسی لئے میں نے آپ سے کوئی تعلق جوڑنے کی کوشش نہیں کی' کوئی حق نہیں مانگا' کیونکہ مجھے آپ کے ساتھ رشتہ بنانے میں دلچسپی نہیں رہی۔ وہ وقت کب کا گزر گیا۔ اب ہم صرف پارٹنرز ہیں' ساتھ کام کررہے ہیں' میں آپ سے کبھی نفرت نہیں کرسکتا' اور محبت کرنا چھوڑ بھی نہیں سکتا۔ لیکن آپ جیسی عورت کے ساتھ میرے جیسا بندہ کبھی بھی ساری زندگی نہیں گزار سکتا۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں، لیکن میں آپ کو پسند نہیں کرتا۔ مجھے صرف اس دن کا انتظار ہے جب آپ میرے سامنے ٹوٹیں گی اور اس دن زمر بی بی میں آپ کو آزاد کردوں گا' عزت سے طلاق کے کاغذات تھمادوں گا' مگر اس سے پہلے میں آپ کی ہر کڑوی بات برداشت کرتا رہوں گا' محبت یا شرافت کی وجہ سے نہیں' بلکہ اس لئے کہ میں آپ کو آزمارہا ہوں۔ یہی آپ کی سزا ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک آپ ایک بے وقوف عورت اور بہت بری وکیل ہیں۔''

موم بتی سرد ہوچکی تھی۔ پھولوں میں ربیکا کے ساتھ کافور کی بو بھی رچ بس گئی تھی۔ مدھم بتیاں پراسرار اور خوفناک لگ رہی تھیں۔ وہ بہت سکون سے سرد لہجے میں کہہ کر پیچھے ہوا۔ ویٹر کھانا سرو کرنے آکھڑا ہوا تھا۔ سلور پلیٹر پہ گرم اسٹیک شڑشڑ کررہی تھی، یوں لگتا تھا زمر کے اندر تک کوئلے دہک رہے ہوں۔ کوئی آس سی ٹوٹ گئی تھی۔

ویٹر ہٹا تو وہ ہلکے سے بولا۔ ''کھانا کھائیے۔ وہ وقت گزر چکا جب آپ کو مجھے سننا تھا۔ تب آپ کو اپنی صحت عزیز تھی۔ حالانکہ مری تو میری بیوی تھی' آپ کو تو ڈونر کڈنی بھی مل گیا۔'' تلخی سے کہہ کر، وہ جو بے خبر تھا، کھانا شروع کرنے لگا' مگر یہ آخری بات.... یہ آخری باتیں زمر کا دل ایسے ہی توڑ دیا کرتی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں سرخی در آئی۔ زور سے پرس کی زپ بند کی اور آگے کو ہوئی۔

''فارس غازی!'' اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''ہزار سال بھی انتظار کرو تو وہ دن نہیں آئے گا۔ میں زمر یوسف ہوں اور اپنی نظروں میں میری بہت عزت ہے۔ زمر... تمہارے سامنے... نہیں ٹوٹے گی۔ کبھی بھی نہیں۔'' پھر اسی تنی گردن کے ساتھ کھڑی ہوئی اور پرس اٹھالیا۔

''کہاں جارہی ہیں آپ؟'' اس نے بند لبوں سے لقمہ چباتے ہوئے تحمل سے پوچھا۔ وہ ویسا ہی مدھم خیال رکھنے والا فارس غازی بن گیا تھا۔

''گھر۔''

''اتنی رات کو آپ کیب سے نہیں جائیں گی۔ تھوڑی دیر رک جائیں' میں ڈراپ کردیتا ہوں آپ کو۔''

زمر سنے بغیر جانے کو مڑی تو وہ کھڑا ہوا اور اس کے سامنے آیا۔

''اچھا آپ کار لے جائیں' میں کیب سے آجاؤں گا۔'' چابی بڑھائی۔ زمر نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا' پھر چابی جھپٹی اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اسی سکون سے واپس بیٹھ گیا۔

❖❖❖

کھلنے لگے قفلوں کے دہانے ..... پھیلا ہر اک زنجیر کا دامن

حنین نے قصرِ کاردار کی چوکھٹ عبور کی تو جواہرات' مکمل تیار' باہر کے لئے چلتی آ رہی تھی۔ حنین مسکرا کر قریب آئی۔

''مسز کاردار' مائی گاڈ' آپ کتنی خوبصورت لگ رہی ہیں۔'' سادگی اور معصومیت سے تعریف کی۔ جواہرات مسکرائی' نرمی سے اس کا گال چھوا۔ ''مجھے معلوم ہے۔ تم کیسے آئیں؟''

''مجھے خاور سے کام تھا۔ کیا وہ اندر ہیں؟'' پھر جلدی سے اضافہ کیا۔ ''پلیز آپ ان سے میری سفارش کر دیں کہ وہ میرا کام لازمی کریں۔''

جواہرات عجلت میں تھی' پھر بھی اس کے ساتھ کنٹرول روم تک آئی اور چوکھٹ سے حکم جاری کیا' ''خاور' حنہ کو اسسٹ کر دو'' اور چلی گئی۔

اندر چند اسکریز لگی تھیں۔ ایک لیپ ٹاپ کے سامنے خاور بیٹھا تھا' کام کرتے ہوئے اس نے سر اٹھایا اور قدرے ناخوشی سے حنہ کو دیکھا۔

''ہیلو کرنل خاور!'' وہ دوڑ کر آئی اور سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

''ہیلو حنین۔ کیا کام ہے؟''

''بہت اہم کام ہے۔'' ایک فلیش اس کی طرف بڑھائی۔ ''اس میں میرے دو کورین ڈرامے ہیں۔ ان کو encrypt کر دو۔''

خاور نے گہری سانس لی۔ ''حنین' تم یہ کام خود بھی کر سکتی ہو' پاسورڈ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے۔''

''مجھے پاسورڈ چھوڑیں' اسٹینڈرڈ RSA تک کا معلوم ہے' مگر یہ سب میری اس دوست کو بھی معلوم ہے جس کو میں ٹرک کرنے جا رہی ہوں۔ سو مجھے ان فائلز کو ایسے encrypt کر کے دیں خاور کہ وہ اسے نہ کھول سکے۔''

''میرے پاس اس وقت بہت کام ہے حنین۔ کسی اور وقت آنا۔'' اکتا کر کہتا وہ واپس ٹائپ کرنے لگا۔

''پلیز کرنل خاور!'' منت کرتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

خاور جواب دیے بنا کام کرتا رہا۔ حنہ نے ادھر ادھر دیکھا۔ ''ارے یہ ڈیجیٹل فریم ہے نا'' اچک کر ایک فوٹو فریم اٹھائی۔ ''ان میں ہی پوٹر کی طرح تصاویر چلتی پھرتی ہیں۔ یہ آپ کے بیٹے کی تصویر ہے؟''

''ہاں۔ اسے واپس رکھ دو۔'' اس نے فریم حنہ کے ہاتھ سے لے کر واپس رکھا تو اس نے اچک کر لیپ ٹاپ کے ساتھ رکھی کا سمز اٹھائیں۔ ''ان میں کیمرہ لگا ہے نا، واؤ یہ میں ایک دن کے لیے اپنی کزنز کو دکھا سکتی ہوں؟'' خاور نے جلدی سے وہ اس سے واپس لی۔

''پلیز حنین کسی چیز کو ہاتھ مت لگاؤ۔'' پھر بمشکل ضبط کرتے ہوئے ایک نظر اپنے سامنے پھیلے کام کو دیکھا' اور دوسری اس پہ ڈالی جو معصومیت سے آنکھیں جھپکاتے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر قدرے خفگی سے فلیش اس سے لی' اور ایک دوسرے کمپیوٹر کی طرف آیا۔ حنہ بھی جلدی سے اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔

اب وہ خاموشی سے اس کا کام کر کے دے رہا تھا۔

''پاسورڈ ٹائپ کرو۔'' تھوڑی دیر بعد اس نے کی بورڈ اس کے سامنے کیا۔ اور کسی مہذب انسان کی طرح دوسری طرف دیکھنے لگا۔

حنہ نے ٹائپ کیا' اور سیدھی ہوئی۔ چند منٹ مزید ضائع کیے خاور نے' پھر اس کی طرف گھوما۔

''ہو گیا تمہارا کام۔ اب جاؤ۔''

''مگر میں اسے کھولوں گی کیسے؟''

''اُف۔'' اس نے اکتا کر چند بٹن دبائے اور کی بورڈ اس کے سامنے کیا۔ ''پاسورڈ ٹائپ کرو کھل جائے گا۔''

''تھینک یو سو مچ۔ کرنل خاور۔'' خوشی سے کہتے ہوئے اس نے ٹائپ کیا۔ پھر مسکراہٹ الجھن میں بدل لی۔

''یہ کیوں نہیں کھل رہا؟''

''کیونکہ تم غلط پاسورڈ لکھ رہی ہوگی۔ تمہیں یقین ہے کہ یہی پاسورڈ تھا۔'' تحمل سے بولا۔

''کیا مطلب یقین ہے؟ میں پاگل تو نہیں ہوں نا۔ اتنا سادہ پاسورڈ تھا میرا۔ اُف یہ کیوں نہیں کھل رہا۔'' وہ پریشانی سے بار بار پاسورڈ ٹائپ کرنے لگی۔ خاور نے قدرے غصے سے ٹوکا۔ ''مت کرو تم فائلز کرپٹ کر دو گی۔'' مگر تیسری دفعہ جب پاسورڈ نہ لگا تو.... فائلز کرپٹڈ... لکھا آنے لگا۔

''اُف حنین۔'' خاور نے بے زاری سے فلیش کھینچی اور اسے تھمائی۔ ''اب اسے جا کر آگ میں جھونکو اور مجھے کام کرنے دو۔''

''کیا مطلب؟ میں نے ایک ہفتہ لگا کر ان کو ڈاؤن لوڈ کیا ہے' میری فرینڈ سے شرط لگی ہے' پلیز کرنل خاور' مجھے یہ کھول کر دیں۔'' وہ بدحواس ہو گئی تھی۔

''حنین مجھے ایک سیمینار کے لیے سیکیورٹی پلان تیار کرنا ہے' میرے پاس بہت کام ہے' تمہاری ٹین ایج حرکتوں کے لئے وقت نہیں ہے میرے پاس۔ جاؤ۔'' رکھائی سے کہہ کر وہ واپس اپنی کرسی پہ آیا۔

''پلیز کرنل خاور۔''

''جاؤ حنین!'' وہ سنجیدگی سے ٹائپ کر رہا تھا۔ چند لمحے وہ خاموش رہی تو خاور نے نگاہ اٹھائی۔ سامنے کھڑی حنین چہرہ جھکائے' رو رہی تھی۔ موٹے موٹے آنسو گالوں پہ لڑھک رہے تھے۔ خاور نے کراہ کر کنپٹی مسلی۔ ''اب کیا ہے؟''

''اگر میری جگہ آپ کا بیٹا ہوتا تو بھی ایسے ہی کرتے؟'' اس نے جھکے چہرے کے ساتھ آنسو گرائے' اور فلیش پکڑ کر سست روی سے جانے کو مڑی۔ ساتھ ہی ہچکی لینے کی بھی آواز آئی۔

خاور نے آنکھیں میچ کر خود کو جیسے ڈھیروں صبر دلایا اور پھر اسے آواز دی۔

''میں صرف decrypt کر کے دوں گا' لیکن دوبارہ encrypt نہیں کروں گا۔''

وہ الٹے قدموں بھاگ کر واپس آئی۔ آنسوؤں والے چہرے کے ساتھ مسکرائی۔ ''سچ؟''

''کتنی ڈرامہ ہو تم۔'' ناگواری سے بولا۔ حنہ نے پلکیں جھپکاتے فلیش اس کو تھمائی۔ پھر اس کی کرسی کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ وہ شدید کوفت زدہ سا فلیش اڑستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''یہ لمبا کام ہے اور تم اس دوران خاموش رہو گی۔ مجھے زائد باتیں پسند نہیں۔ تمہارے پہلے لفظ پہ میں کام روک دوں گا۔'' تیزی سے ٹائپ کرتی انگلیاں مسلسل چل رہی تھیں۔ اس کی کرسی کے ساتھ کھڑی حنہ ہتھیلی تھوڑی تلے جمائے' دلچسپی سے اسے دیکھتی رہی۔

''سو آپ نے ...ElGamal کے ذریعے' کی' کو...'' خاور نے پلٹ کر گھور کر اسے دیکھا' اس نے فوراً اپنے لبوں پہ انگلی رکھ لی۔

''اچھا سوری' میں چپ!'' وہ شدید کوفت زدہ سا کمانڈز دینے لگا۔ حنین لب دانتوں سے دبائے' ایکسائٹڈ سی دیکھ رہی تھی۔ جس کو اتنا ماہر استاد ملے' وہ نہ سیکھے' یہ کیسے ہو سکتا تھا؟

❖❖❖

غرورِ حسن سراپا نیاز ہو تیرا ..... طویل راتوں میں تو بھی قرار کو ترسے

اسامہ ٹی وی کے سامنے بیٹھا تھا' اور ندرت فون پہ بات کر رہی تھیں۔ ابا اپنے کمرے میں جلدی سونے جا چکے تھے۔

''اچھا ذکیہ خالہ۔ اللہ حافظ۔'' ندرت سارہ کی امی سے فون پہ بات ختم کر کے سیم کی طرف مڑیں۔ وہ ناخوش لگ رہی تھیں۔ ''فارس اور زمر کو دیکھو۔ شادی کا فنکشن چھوڑ کر باہر ڈنر کرنے چلے گئے۔ اب اس کی کیا تُک بنتی ہے؟ اگر وہاں کھانا نہیں کھانا تھا تو گھر آ جاتے' فضول پیسے ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ فارس بھی جہاں بیوی کہے چل پڑتا ہے۔''

سیم نے مڑ کر ان کو سنجیدگی سے دیکھا۔ ''امی کچن میں دیکھیں۔ چولہا بند ہے نا؟ کیونکہ مجھے جلنے کی شدید بو آ رہی ہے۔''

''ہاں' ہاں' بند ہے۔ دودھ کڑھ گیا تھا تو میں نے اتار لیا۔'' وہ اپنے ہی خیال میں گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے اٹھ گئیں۔ سیم نے سر جھٹکا اور واپس ٹی وی دیکھنے لگا۔

کافی دیر بعد دروازہ کھلا اور اس نے تھکی تھکی سی زمر کو آتے دیکھا۔ وہ بجھی، بے رونق لگ رہی تھی۔ سیدھی نیچے تہہ خانے میں چلی گئی۔ سیم آہستہ سے اس کے پیچھے گیا۔ وہ سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔ اداس اور اکیلی۔

''آپ اکیلی کیوں آئی ہیں؟ ماموں کہاں ہیں؟''

''تمہارے ماموں کو خود نہیں پتہ کہ وہ کہاں ہیں۔''

''آپ اَپ سیٹ ہیں؟'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ زمر نے جواب دیے بنا سر گھٹنوں پہ رکھ لیا۔ سیم نے اس کے ساتھ زینے پہ کچھ رکھا۔ اور پھر اسی واپس چلا گیا۔ زمر نے گردن موڑ کر دیکھا۔

وہ چاکلیٹس کا ڈبہ تھا۔ زمر زخمی سا مسکرائی۔

''ضروری نہیں کہ جو چیز ایک دفعہ اچھی لگے' وہ ہمیشہ اچھی لگتی رہے۔ جیسے وہ اپنے آپ کو اتنا نہیں جانتا، جتنا آج میں نے اسے جان لیا ہے۔'' وہ خود سے بڑبڑائی۔ ''اسے خود بھی نہیں معلوم کہ اسے زرتاشہ سے اپنی سوچ سے زیادہ محبت تھی' اور مجھ سے اپنی سوچ سے بہت کم۔''

اندھیرے تہہ خانے کی سیڑھیوں پہ ریپر میں لپٹی چاکلیٹس کی مہک کے اندر پھر سے ''ربیکا'' کی خوشبو بھی بس گئی تھی۔

.....❖❖❖.....

جنوں میں شوق کی گہرائیوں سے ڈرتا رہا ..... میں اپنی ذات کی سچائیوں سے ڈرتا رہا

زمر یوسف نے زندگی میں پہلی دفعہ فارس کے بارے میں اتنی بڑی بات بالکل درست کہی تھی' لیکن اگر وہ سن لیتا تو تعجب اور حیرت سے تردید کر دیتا۔ وہ جلد ہی گھر آ گیا تھا۔ پہلے وقت دیکھا۔ نماز کا خیال آیا پھر ''کچھ دیر بعد'' سوچ کر ٹال دیا۔۔۔ جیل سے آنے کے بعد وہ بہت کم نماز پڑھ پاتا تھا۔ کمرے میں صوفے پہ بیٹھتے ہوئے جوتے اتارے۔ دفعتاً سیل بجنے کی آواز آئی۔ زمر شاید باتھ روم میں تھی، سیل بیڈ پہ پڑا تھا۔ فارس کسی خیال کے تحت اٹھا' اور اس کا موبائل اٹھایا۔ احمر شفیع کا پیغام آیا تھا۔ اس کے ابرو بھنچے۔ سیل اٹھایا اور زمر کا پیٹرن ملا کر اسے کھولا۔

''مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے' کال می جب میرا میسج دیکھیں۔'' فارس کے ابرو مزید تن گئے۔ انگوٹھے سے اسکرین اوپر کی۔ پرانے میسجز۔ باہر ملنے کے۔ کسی کام کی طرف اشارہ۔ فیس کی بات۔ احمر کا فیس کے لئے شکریہ کرنا۔ سب مبہم تھا' مگر... تنے ابرو اور بھنچے لبوں کے ساتھ اس نے فون واپس اپنی جگہ پہ رکھا اور باہر بالکونی میں آ گیا۔

وہاں تاریکی تھی۔ فارس کرسی پہ پاؤں لمبے کر کے نیم دراز ہوا اور آنکھیں بند کر لیں۔ دل و دماغ دو حصوں میں بٹے تھے۔ (وہ اس کو کبھی دھوکہ نہیں دے گی' وہ ایک بے وقوف عورت اور بدترین وکیل سہی' مگر وہ پیٹھ پیچھے حملہ کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔ مگر پھر بھی وہ اتنا

بے چین کیوں تھا؟ شک بڑھتا کیوں جا رہا تھا؟) اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ تاریکی میں اپنی ساری زندگی کسی فلم کی طرح چلنے لگی...

فارس غازی نے ایک ایسے گھر میں جنم لیا تھا جہاں ایک ''بیمار'' شخص پہلے سے موجود تھا۔ اس کی ماں جو مرضِ عشق میں مبتلا تھی۔

وہ ایک کاردار تھی۔ علیمہ کاردار۔ بے حد خوبصورت۔ ہاشم جیسے نقش' اور نوشیرواں جیسا مزاج۔ نخرہ' غرور' غصہ' سب کسی کاردار جیسا تھا۔ کسی زمانے میں یہ سب اپنے جوبن پہ ہوتا ہوگا' مگر جس عمر میں اس کے ذہن نے شعور کی منزل پہ قدم رکھا' وہ بہت حد تک ڈھے چکی تھی۔ اسے ایک شادی شدہ آدمی سے محبت ہوئی تھی۔ گو کہ وہ اورنگزیب کاردار کی بہن تھی' امیر تھی' خوبصورت تھی' لیکن پھر بھی محبوب کو خرید نہیں سکی تو خود کو اس کے قدموں میں رول دیا۔ ہر قیمت پہ اسے اپنانا چاہا' اور اپنا بھی لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے باپ کو بھی اس کی ماں سے محبت تھی' مگر یہ متوازن محبت تھی' اس میں ''مرض'' کا عنصر نہ تھا۔

علیمہ کے لئے طہیر نے سب کچھ کیا' اس کو اپنا نام دیا' اولاد دی' مگر ایک الگ گھر نہ لے کر دے سکا۔ علیمہ کو الگ گھر کی تمنا بھی نہیں تھی۔ وہ جہاں تھی خوش تھی تب تک جب تک وہ ان ماں بیٹے سے ملنے آتا رہے۔ اور وہ اکثر آتا تھا۔ فارس کے لئے وہ آئیڈیل مرد تھا۔ مضبوط اور بہادر۔ ہر بچے کے لئے اس کا باپ ایسا ہی ہوتا ہے۔ کوئی ایسا جس کو کوئی نہیں ہرا سکتا، جو ہر مسئلے کو حل کر سکتا ہے، ہر پریشانی میں ان کی ڈھال بن سکتا ہے۔

پھر ایک دن آئیڈیل کا یہ مجسمہ بھی خاک بوس ہو گیا۔

اس روز کس چیز کی دعوت کی گئی تھی؟ بالکونی میں بیٹھے فارس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ ہاں، اس کے پاس ہونے کی خوشی میں۔ شاید کوئی پوزیشن لی تھی اس نے۔ اس کا باپ' اس کی ماں' اور چھے سالہ فارس' وہ بہت مسرت اور فخر سے اس دعوت کا حصہ بنے تھے۔ سب کچھ بہت اچھا تھا۔ تحفے' رنگ' خوشبو۔ روشنیاں۔ دعوت اورنگزیب نے دی تھی۔ کسی زمانے میں ان کو اپنی بہن اور بھانجے سے بہت لگاؤ ہوتا تھا۔

لیکن پھر... جواہرات کاردار نے اپنے کسی ملازم کے ہاتھوں طہیر غازی کی پہلی بیوی کے گھر پیغام بھجوا دیا۔ وہ اپنے دو بچوں' ایک بڑی لڑکی' اور ایک فارس سے کچھ بڑے لڑکے کے ساتھ اس دعوت پہ آدھمکی۔ ندرت اور وارث کی ماں ولایت بیگم۔ وہ سخت گیر' فربہی مائل اور اوسط تعلیم یافتہ عورت تھی۔ اگر وہ کسی اونچی ڈگری کی حامل ہوتی' تب بھی شاید وہ یہی کرتی جو اس نے کیا۔ علیمہ کے سوشل سرکل' اورنگزیب کے رشتے داروں اور دوستوں کے سامنے اس نے چلا چلا کر سب کو بتایا کہ وہ اس دھوکے باز انسان کی پہلی بیوی ہے۔ یہ تو دو بچوں کا باپ ہے' اور اب یہاں کھڑا ہے ایک خوبصورت اور جوان عورت کے ساتھ؟۔

جواہرات اپنے بیٹے کے ساتھ سکون سے بیٹھی تماشہ دیکھتی رہی۔ علیمہ حق دق سی کھڑی رہی' اورنگزیب اور طہیر اسے سمجھاتے رہے کہ علیمہ' اورنگزیب سب جانتے ہیں کہ وہ پہلے سے شادی شدہ تھا' اس نے نکاح کیا ہے' گناہ نہیں کیا' مگر سارا مسئلہ یہی تھا کہ ولایت تو نہیں جانتی تھی۔ اسے تو آج علم ہوا تھا۔ اس نے اپنی زبان اور اپنے آنسوؤں سے جو کچھ کہا' وہ کونے میں کھڑے فارس کا ذہن تاعمر اپنے باپ کے لئے داغدار کر گیا۔ یہ نہیں تھا کہ اس کی باپ کے لئے محبت میں کمی آئی یا وہ ان سے نفرت کرنے لگا۔ بس اتنا تھا کہ اس نے اپنے باپ کا مان اور اعتماد کھو دیا۔ اگر ولایت نہیں جانتی تھی، تو وہ بھی نہیں جانتا تھا مگر اس وقت اس کا خیال کسی کو نہیں تھا۔ سب تقریب کی شرمندگی اور اہانت کو تحلیل کرنے کی سعی کر رہے تھے۔ وہ وہیں اس کونے میں کھڑا رہا۔ ساکت۔ خوفزدہ۔ بے یقین۔ فکرمند۔ اس کو ایک دم اپنا آپ کمزور اور بے سہارا لگا تھا۔ اس کے سامنے کھڑا اس کا باپ ولایت بیگم کو صفائی پیش کر رہا تھا' وہ پریشان تھا' اور بے چین بھی۔ وہ سب کچھ لگ رہا تھا سوائے ایک بہادر مرد کے۔ اور یہ سب کرتے ہوئے اس نے علیمہ کاردار کو قطعاً نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ خوبصورت لڑکی بے بس اور بے سہارا کھڑی تھی۔ طہیر غازی ان دونوں کا سہارا نہیں بن سکا تھا۔ گھر کا سربراہ ایسا نہیں ہوتا۔ گھر کے سربراہ کو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ وہ خاموشی سے اپنی ماں کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ علیمہ کی انگوٹھی کا نگینہ اسے چبھا تھا۔ اس چبھن میں بھی احساسِ تحفظ تھا۔ ان دونوں میں کون کس کو تحفظ

دے رہا تھا؟ دونوں کو نہیں معلوم تھا۔ مگر اس دن سے فارس کو لگنے لگا تھا کہ ہر رشتہ یا تو ختم ہو جاتا ہے یا دھوکہ دے جاتا ہے۔ اس نے باپ سے محبت کرنا کم نہیں کی' لیکن یہ احساس ہو گیا کہ وہ ایک ایسا مرد ہے جو کٹھن وقت میں ان ماں بیٹے کے سر کی چھت نہیں بن سکتا۔

طہیر غازی اپنی پہلی بیوی اور خاندان کے ہاتھوں آہستہ آہستہ شکست تسلیم کرتے گئے۔ مہینوں بعد ادھر چکر لگا پاتے۔ یا بالکل نہ آتے۔ فارس کو نہیں معلوم کہ یہ فیصلہ کس نے کیا تھا لیکن ایک دن وہ ان دونوں کو اپنے خاندانی گھر لے ہی آئے۔ یہاں سے زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا تھا۔ رنگین فلم جیسے بلیک اینڈ وائٹ اور mute ہو گئی تھی۔ ولایت بیگم کے گھر میں وہ دو قیدی عجیب انداز میں لائے گئے تھے۔ نہ ان کے کوئی حقوق تھے' نہ مان تھا۔ ان سے بات کرنا گناہ' ان کی پرواہ کرنا جرم تھا۔ گھر میں واضح لکیر کھنچ گئی تھی۔ ایک طرف ایک کمرے میں وہ نازوں میں پلی' مرضِ عشق میں مبتلا' ہر حال میں طہیر کے ساتھ رہنے کی خواہاں لڑکی اپنے کم عمر بیٹے کے ساتھ تھی۔ اور دوسری طرف طہیر کی خاندانی بیوی اور اس کے دو بچے جن کو پورے خاندان کی سپورٹ حاصل تھی۔

اور اس کا کمزور باپ دریا کے دو کناروں کو ملانے کی کوشش میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کو اس سب سے نکالنا چاہتا تھا' مگر ایک دن اسے احساس ہوا کہ وہ شخص کبھی اس پانی سے نہیں نکل پائے گا۔ اس دن فارس گھر چھوڑ کر واپس بھاگ آیا تھا....

زمر کمرے میں آ چکی تھی۔ آہٹ نے فارس کا ارتکاز توڑ دیا۔ وہ پرانی یادوں کو جھٹک کر موبائل نکال کر بے مقصد بٹن دبانے لگا۔

.....❖❖❖.....

یہ طفل و جواں اس نور کے نورس موتی ہیں ،اس آگ کی کچی کلیاں ہیں
جس میٹھے نور اور کڑوی آگ سے ظلم کی اندھی رات میں پھوٹا صبح بغاوت کا گلشن

یہ الگ بات تھی کہ اس سہ پہر ہارون عبید کی رہائش گاہ کا سبزہ اداس تھا۔ آبدار کی کھڑکی سے دکھائی دیتے لان میں مور خاموش بیٹھے تھے۔ بطخیں اداسی سے کونے میں دبکی تھیں۔ بلی جانے کہاں گم تھی۔ اور وہ خود... کمپیوٹر اسکرین کے سامنے بیٹھی تھی۔ ''سیو سعدی یوسف'' کا صفحہ کھول رکھا تھا اور آنکھوں شدید اداسی لئے اس لڑکے کی مسکراتی تصویر دیکھ رہی تھی۔ ذہن کے نہاں خانوں میں ایک منظر سا انڈائلڈر رہا تھا۔

آبی نے آنکھیں بند کر لیں اور اس یاد کے جھرنے کو بہنے دیا' اتنا کہ اس کے پانی میں وہ خود بہتی چلی گئی۔

وہ یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں بیٹھی تھی۔ وہ سرد سی دوپہر تھی۔ سرما کی اداسی ہر جگہ گھلی ہوئی تھی۔ وہ سر جھکائے' جرنل پہ چند اہم نکات لکھے جا رہی تھی۔ جب اس نے وہ آواز سنی۔ کسی کے کسی کو مارنے کی آواز۔ چونک کر سر اٹھایا تو کیفے کے ایک کونے میں' جہاں دیوار سی بنی تھی' پتلی گلی کی طرح' وہاں ایک لڑکا دوسرے کو پیٹ رہا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ حیران پریشان سی اٹھتی' مار کھانے والے لڑکے کے چہرے پہ نظر پڑی۔ وہ نوشیرواں کا ردار تھا۔ آبی نے ناک سکوڑی اور واپس بیٹھ گئی۔ (گڈ فار ہم!)

اس کے ساتھ والی میز پہ ایک قدرے درمیانی عمر کی دیسی عورت بیٹھی تھی۔ سر بالکل گرائے' چپ' خاموش۔ کنکھیوں سے آبی کو نظر آیا' ایک گھنگریالے بالوں والا لڑکا دو کافی کگ لئے ادھر آ کر بیٹھا ہے۔ اس کی آبی کی طرف پشت تھی' وہ بھی توجہ دیے بنا کام کرتی رہی۔ البتہ ان کی باتیں کان میں پڑ رہی تھیں۔ وہ لڑکا شاید اس عورت کا اسٹوڈنٹ تھا اور عورت کو تو وہ ٹیچر کی حیثیت سے پہچانتی بھی تھی۔

''یہ تمہارا دوست ہے نا جو مار کھا رہا ہے۔'' کیفے میں اس وقت لوگ بہت کم تھے' پھر بھی وہ اٹھ کر اس طرف دوڑے تھے۔ مگر وہ لڑکا کچھ بھی سنے سمجھے بغیر شیرو کو مارے جا رہا تھا۔ ''تم بھی اس کی مدد کے لئے جاؤ۔''

''اس کی مدد کے لئے بہت سے لوگ ہیں' ابھی پولیس بلا لیں گے' مگر آپ کی مدد کے لئے اس وقت صرف میں ہی ہوں۔''

آبی خاموشی سے گردن ترچھی کیے لکھتی رہی۔

''تم میری کیا مدد کر سکو گے؟ تم خود ایک بچے ہو۔ میرا تیسرا مس کیرج ہوا ہے' آج تو ڈاکٹر نے بھی ناامیدی کی باتیں کی ہیں۔ میں کبھی ماں نہیں بن سکتی۔'' آبی نے یونہی سر اٹھا کر اس طرف دیکھا۔ لڑکے کی پشت تھی' مگر عورت کا نیم رخ واضح تھا اور وہ سر جھکائے' آنسو پونچھ رہی تھی۔

''مسز مرجان' تھوڑے تحمل سے میری بات سنیں۔'' وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ آبدار پھر سے کام کرنے لگی۔ اسے معلوم تھا اب وہ اسے تسلی دے گا۔ علاج کے طریقے' یا پھر ایڈاپشن' یا اس حقیقت کو قبول کر کے مثبت سوچ کے ساتھ رہنے کی نصیحت۔

''آپ کا ڈاکٹر ٹھیک کہہ رہا ہے' آپ infertile (بانجھ) ہیں۔ آپ کو یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے۔''

لکھتے ہوئے آبی رکی۔ اس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔ اسے برا لگا تھا۔ ایسے کہتے ہیں کسی کو بھلا؟ مڑ کر شاکی نظروں سے دیکھا۔

دور کونے میں لوگ شیرو کو اٹھا رہے تھے' وہ لڑکا بھاگ چکا تھا۔

''آپ بانجھ کہلانے پہ اتنی اَپ سیٹ کیوں ہیں؟''

''سعدی!'' مسز مرجان نے صرف گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ قرآن پڑھتی ہیں، مسز مرجان؟''

(اچھا اب وہ ابراہیم علیہ السلام یا ذکریا علیہ السلام والا واقعہ دہرائے گا۔) آبی نے دوبارہ سے کام کی طرف متوجہ ہوتے سوچا۔

''کبھی کبھی۔''

''یہی کبھی کبھی اس دنیا کے کروڑوں لوگوں کا مسئلہ ہے۔ خیر۔ آپ نے اس میں ذکریا علیہ السلام والا واقعی تو پڑھا ہوگا' انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ ان کو اکیلا نہ چھوڑیں۔ تو....''

''تو اللہ نے انہیں یحییٰ عطا کیے مگر وہ پیغمبر تھے سعدی۔''

سعدی نے گہری سانس لی۔ ''میم' خوبصورت لڑکوں کی بات کاٹا نہیں کرتے۔ اس لئے تحمل سے مجھے سنیں۔ جب ذکریا علیہ اسلام نے دعا کی تو اللہ نے ان کو ایک دم سے اولاد نہیں دے دی' بلکہ پہلے بشارت دی' کہ ان کے ہاں بیٹا ہوگا۔ مگر جب یہ بشارت دی تو ذکریا علیہ السلام حیرت سے پوچھنے لگے' کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا' ہم نے اس سے پہلے آپ کو بھی تو تخلیق کیا تھا، اور آپ بھی تو کچھ نہیں تھے۔ آپ مجھے بتائیں مسز مرجان' کیا آپ نے غور کیا اس پہ؟''

''دیکھو سعدی' میں سمجھ رہی ہوں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ ذکریا علیہ السلام کو یہ بتا رہے تھے کہ آپ کچھ بھی نہ تھے' یعنی ہر انسان پانی کا ایک قطرہ ہوتا ہے' اور یہ اتنا امیزنگ ہے کہ وہ چھے فٹ کا انسان بن جاتا ہے' ہم سب کی پیدائش امیزنگ ہے' لیکن میرا کیس مختلف ہے۔''

''نہیں... یہیں پہ ہم دونوں مختلف ہیں' کیونکہ قرآن پڑھنے اور قرآن پہ غور و فکر کرنے میں فرق ہوتا ہے۔ اب اسی آیت کو دیکھ لیں۔ اللہ نے ذکریا کو مخاطب کیا کہ'' آپ بھی تو کچھ نہ تھے'' آپ نے اس سے مراد ہر انسان کی پیدائش لی' لیکن میرے خیال میں اس کا ایک اور مطلب بھی ہے۔''

آبی بے اختیار گردن موڑ کر دیکھنے لگی۔ مسز مرجان نے بھی قدرے متذبذب سے اس لڑکے کو دیکھا۔

''میرے خیال میں مسز مرجان' اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم ''ہر انسان'' کی پیدائش نہیں صرف ''ذکریا کی پیدائش'' پہ غور کریں۔''

''مطلب؟''

''ذکریا بنی اسرائیلی تھے۔اور بنی اسرائیلی ،اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کی اولاد ہوتے ہیں۔آپ بتائیں، یعقوبؑ کس کے بیٹے تھے؟''

''اسحٰق علیہ السلام کے...''

''اور اسحٰقؑ کس کے بیٹے تھے؟''

''ابراہیم علیہ السلام کے!''

''ابراہیم اور سارہ کے، علیہما السلام!'' اس نے اضافہ کیا۔پشت ہونے کے باوجود آبی کو لگا تھا وہ مسکرایا ہے۔

''آپ کو پتہ ہے بنی اسرائیل اس وقت دنیا کی سب سے بڑی قوموں میں سے ایک ہے۔ہم پٹھان ہوں' یا گورے لوگ' یا فلسطینی' یا ملک اسرائیل کے یہودی' ہم بنی اسرائیلی ہیں۔اسی لئے پٹھانوں اور گوروں جن کو ہم ''انگریز'' کہتے ہیں' ان کی شکلیں ملتی ہیں' کیونکہ ہم سب پیچھے سے اسرائیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ذکریا بھی اسرائیلی تھے۔میں بھی اسرائیلی ہوں۔اور ہم سب کی ماں تھیں۔حضرت سارہ۔آپکو معلوم ہے سارہ کون تھیں؟''

''دنیا کی سب سے خوبصورت خاتون تھیں وہ۔'' مسز مرجان کو یاد آیا۔

''بالکل' وہ دنیا کی سب سے خوبصورت خاتون تھیں' اور وہ بانجھ تھیں۔''

ایک لمحے کے لئے آبدار کا سانس رک گیا۔اردگرد ہر شے تھم گئی۔مسز مرجان بھی بالکل ٹھہر کر سعدی کو دیکھ رہی تھیں۔

''تو اللہ تعالیٰ نے ذکریا علیہ السلام سے جو فرمایا، شاید اس کا مطلب یہ بھی تھا مسز مرجان' کہ آپ اپنی پیدائش پہ غور کریں ذکریا۔آپ بھی تو ایک بانجھ عورت کی اولاد ہیں۔' آج دنیا کی آبادی کا ایک بڑا حصہ اسی بانجھ عورت کی اولاد ہے۔اگر سارہ کے اولاد ہوسکتی ہے' تو دنیا کے ہر مرد اور عورت کے ہاں اولاد ہوسکتی ہے۔'' مسز مرجان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''مگر وہ...وہ پیغمبر کی زوج تھیں۔اس لئے ان کی اولاد ہوئی۔''

''نہیں۔ان کی اولاد اس لئے ہوئی کیونکہ انہوں نے دعا کی تھی۔جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی' جب ذکریا علیہ السلام نے دعا کی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا' ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی۔اللہ تعالیٰ دعا رد نہیں کرتے' لیکن اس میں یقین ہونا چاہیے۔آپ کسی پیر' کسی قبر' کسی مزار' کسی تعویز کو وسیلہ بنائیں گی تو اللہ آپ کو انہی کے حوالے کردے گا۔آپ ایسا مت کیجئے گا۔اگر آپ تہجد نہیں پڑھتیں کسی دعا کے لئے' تو اس کا مطلب ہے آپ اس کو پانے کے لئے خود بھی سیریس نہیں ہیں۔شدید پریشانی کے حالات میں دعائیں بھی شدید مانگتی ہوتی ہیں۔یہ پانچ وقت کی نماز کے بعد روٹین کی طرح دعا مانگنا کافی نہیں ہوتا۔جتنی بڑی آزمائش ہے' اتنا زیادہ اپنی دعا کو بڑھائیں۔یہ وہی اللہ ہے جو حضرت سارہ کا اللہ تھا۔کیا آپ کی دعا بھی ویسی ہے جیسی سارہ کے شوہر کی تھی؟''

مسز مرجان کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔آبدار بالکل ٹھہر کر سن رہی تھی۔

''مگر سعدی...یہ میری آزمائش ہے یا گناہوں کی سزا؟ یہ فرق کیسے معلوم کروں؟''

''معلوم کر کے کیا کریں گی؟ سزا ہوئی تو معافی مانگیں گی' آزمائش ہوئی تو دعا کریں گی کہ اللہ اس میں کامیاب کرے؟ مسز مرجان' مجھ سے پوچھیں تو یہ معلوم کرنا لایعنی ہے۔اس بحث کو چھوڑ دیں اور یہ دونوں کام کرتی رہیں۔آپ کو پتہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پہ آزمائش کیوں ڈالتا ہے؟''

بھیگے چہرے کے ساتھ مسز مرجان نے نفی میں سر ہلایا۔

''بعض دفعہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کوئی اونچا درجہ دے دیتا ہے' مگر اس کے اعمال اتنے نہیں ہوتے کہ وہ اس درجے تک پہنچ جائے۔

یعنی وہ اچھا آدمی ہوتا ہے مگر بہت زیادہ نیکیاں نہیں کر پا رہا ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ ناانصافی تو نہیں کر سکتا نا' سو اس شخص کو اس درجے تک پہنچانے کے لئے... سمجھیں پہلی سیڑھی پہ کھڑے شخص کو دسویں سیڑھی تک پہنچانے کے لئے اللہ اس پہ پریشانیاں ڈالتا ہے' تاکہ اس کے گناہ جھڑیں ظاہر ہے گناہ کم ہوں گے تو وہ اوپر اٹھتا جائے گا۔ جس دن وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے' اس کی آزمائش کھول دی جاتی ہے۔ یہ میری خود گھڑی بات نہیں ہے' یہ صحیح حدیث کا مفہوم ہے۔''

''مطلب کہ... یہ سب ہمیں کسی مقام تک پہنچانے کے لئے ہوتا ہے؟''

''جی۔ اب یہ آپ پہ ہے کہ آپ اس مقام تک کتنی جلدی پہنچتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ نیکیاں کریں' تو جلدی زینے عبور کریں گی' حدیث میں آتا ہے کہ انسان کو کوئی چیز ملنے والی ہوتی ہے کہ اس کے گناہ آڑے آجاتے ہیں۔ اس لئے گناہوں سے بچیں' اور زیادہ سے زیادہ اچھے اعمال کریں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ گشادگی کا انتظار بہترین عبادت ہے۔ اس لئے اپنی کشادگی کا انتظار کیجئے۔ اولادی، اولاد کی معذوری، یا بیماری، یا اولاد کا ہو کر مر جانا، یہ سب کوئی curse نہیں ہے۔ یہ تو انبیاء کی آزمائش تھی۔ یہ بڑے لوگوں کی آزمائش ہوتی ہے۔ آپ خوش قسمت ہیں۔ ہوسکتا ہے روزِ قیامت آپ کو کشادگی کے انتظار میں گزارے یہ ماہ و سال بہت قیمتی لگیں کیونکہ وقت آپ کو وہ دے جائے گا' جو اور کوئی نہیں دے سکتا۔ میں پھر کہتا ہوں' یہ curse نہیں ہے کیونکہ اللہ ہمیشہ ان لوگوں کی سائیڈ پہ ہوگا جن کو وہ آزمانے کے لئے اتنے بڑے بڑے دکھ دیتا ہے۔''

آبدار عبید کو ایسا کوئی مسئلہ درپیش نہ تھا پھر بھی اس کو لگا' اس کی آنکھ سے آنسو گرا تھا۔ کوئی اتنا نرم' اتنا پیارا کیسے بول سکتا ہے؟ اس نے ایک دفعہ پھر گھوم کر اس لڑکے کو دیکھنا چاہا۔ اسکی پشت تھی مگر سامنے گلاس ڈور فریج میں اس کا چہرہ منعکس ہو رہا تھا۔ چھوٹے گھنگریالے بال، خوبصورت چہرہ، صاف رنگت، بھوری آنکھیں۔

''سعدی۔ تم نے میری امید پھر سے زندہ کر دی ہے۔ میں اس احسان کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکوں گی۔'' مسز مرجان آنسو رگڑتے ہوئے اسے ممنونیت سے دیکھتی کہہ رہی تھی۔ ''کیا میں تمہارے لئے کچھ کر سکتی ہوں؟''

''بالکل۔'' وہ ذرا جوش سے آگے کو ہوا۔ ''اگر کلاس میں کبھی کوئی ایسا مقابلہ ہو جس میں سب سے ہینڈسم لڑکے کو منتخب کیے جانا ہو' تو وعدہ کریں' آپ مجھے ووٹ دیں گی!'' اور وہ روتے روتے ہنس دی تھیں...

اور اب.. اتنے سال بعد آبدار عبید اداسی سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ ساتھ میز پہ اس کا سفری بیگ تیار رکھا تھا۔ وہ قیدی تھا یا صرف مہمان' یہ فیصلہ اسے اس سفر کے بعد ہی کرنا تھا۔ لیکن اس فیصلے کے بعد وہ کیا کرے گی؟ اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔ قسمت بھی کیسے عجیب انداز میں اسے اس سے ملانے جا رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

وہ اپنے زعم میں تھا، بے خبر رہا مجھ سے ..... اسے گماں بھی نہیں، میں نہیں رہا اس کا

اس صبح مطلع صاف تھا۔ سورج بھی مکمل روشن تھا۔ بڑے ابا کے آبائی قصبے میں ان کے چچیرے بھائی کی وفات کی اطلاع فجر کے قریب آئی تھی۔ ندرت فوراً سے چلنے کی تیاری پکڑنے لگیں۔ ابا بہت آزردہ تھے' مگر ان کا جانا بھی ضروری تھا۔ سو ناشتے کے بعد' ندرت' ابا اور صداقت سفر پہ نکل پڑے۔ اور دو تین دن کے لئے ریسٹورانٹ بند کرنے کا کہہ دیا۔

وہ گئے تو گھر میں خواہ مخواہ کا سناٹا چھا گیا۔ سیم اسکول جانے سے انکار کر کے سونے چلا گیا۔ فارس اور زمر کی اس رات سے بات چیت بند تھی (گو کہ فارس کے لئے یہ نئی بات نہیں تھی' سو وہ نارمل تھا' مگر زمر کا دل بری طرح ٹوٹا تھا کہ وہ اس کو دیکھ بھی نہیں رہی تھی)۔

صبح باسی ہو کر ایک روشن دوپہر میں ڈھلی تو ایک سرکاری دفاتر کی عمارت کے اندر ایک آفس میں فارس غازی بیٹھا تھا' اور مسلسل کان

ہنستے قیدی جن کے ہاتھ پیر زنجیروں میں تھے' وہ ایک دم سے سامنے آئے تھے' ان کے چہرے...اف...حنہ خوف سے جم گئی' مگر زمر نے کہنی سے کھینچ کر اسے سائیڈ پہ کیا۔ وہ دونوں ہنستے ہوئے انہیں دیکھتے آگے بڑھ گئے۔ حنین کے ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ بمشکل دو قدم مزید چل پائی۔

''مجھے گھر جانا ہے' واپس!'' وہ ہمت ہار چکی تھی۔ زمر نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''میں نے کہا تھا تم لوگوں کو نہیں آنا چاہیے۔''

''میں تو ٹھیک ہوں۔'' سیم واقعی ٹھیک نظر آ رہا تھا مگر وہ رو دینے کے قریب تھی۔

''آپ مجھے واپس چھوڑ کر آئیں۔ ابھی اسی وقت۔'' اس نے نم آنکھوں سے زمر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ گہری سانس لے کر واپس مڑ گئی۔

واپسی پہ کورٹ رومز کے کھلے دروازے ان کے بائیں ہاتھ تھے۔ حنہ نے وحشت اور خوف کے احساس کے باوجود گاہے بگاہے اندر جھانکا۔ ایک سو دس دفعہ لعنت ہو امریکی ڈراموں پہ۔ وہ کورٹ رومز بالکل بھی امریکی ڈراموں جیسے نہ تھے۔ ہاں بھارتی فلموں سے تھوڑی بہت مشابہت رکھتے تھے' مگر بھارتی فلموں والے کورٹ رومز گندے میلے اور لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوتے تھے۔ یہ صاف ستھرے تھے۔ لکڑی کا کام بھی سنہرا چمک دار تھا۔ مگر ڈراموں فلموں کے برعکس ان میں وہ کرسیوں کی لمبی لمبی دو قطاریں نہیں تھیں۔ بلکہ کرسیاں تو صرف دو تین پڑی تھیں۔ باقی اوپر جج کا بنچ اور دونوں طرف کٹہرے بنے تھے۔ شور ہی شور۔ وہ ڈراموں والی پرتقدس خاموشی ناپید تھی۔

کار میں واپس بیٹھتے ہوئے اس نے زمر سے کہا تھا۔ ''میں بالکل' بالکل' بالکل بھی وکیل نہیں بننا چاہتی۔'' اور خفگی سے اندر بیٹھ کر دروازے لاک کر دیے۔ سیم کو بھی اندر بٹھا لیا۔ وہ ناخوش تھا مگر اسے اپنی بہن کا خیال رکھنے کے لیے وہاں بیٹھنا تھا کیونکہ وہ گھر کا بڑا مرد تھا۔

زمر بار بار گھڑی دیکھتے جب واپس آئی تو مجسٹریٹ کے کمرے کے باہر اسے احمر کھڑا نظر آیا تھا۔ اس نے بھی زمر کو دیکھ لیا۔ سو تیزی سے قریب آیا۔ ''مسز زمر۔'' وہ فکرمند لگ رہا تھا۔ ''میں نے بہت کوشش کی مگر آئی ایم سوری میں پرچہ کٹنے سے نہیں روک سکا۔ ہوا کیا ہے؟''

''اس کو پھر سے فریم کیا گیا ہے۔ مرڈر کیس ہے' اور اس کے پاس alibi بھی نہیں ہے۔''

''اوہ ہو۔'' وہ ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ زمر کو معلوم تھا کہ اسے کس کا انتظار ہے۔

''احمر' آپ کے یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

''وہ میرا دوست ہے۔'' زمر نے گہری سانس لی۔

''فی الحال وہ ایسا نہیں سمجھتا۔'' احمر نے ابرو تعجب سے بھینچے۔ وہ جواباً جتنے مختصر الفاظ استعمال کر سکتی تھی' کر کے ساری کتھا سنا ڈالی۔ احمر کی فکرمندی' پریشانی میں بدل لی۔

''جی' میں نے یہی کہا تھا ہوٹل والوں سے کہ میں جسٹس ڈیپارٹمنٹ سے ہوں' اور کیا کہتا؟ اس روز وہ ہارون صاحب کی رہائش گاہ پہ آیا تھا تو اس نے مجھ سے سوال جواب کیے تھے' میں نے محتاط جواب دیے' جھوٹ نہیں بولا۔''

''اور ہاں آپ نے مجھے ٹیکسٹ بھیجا تھا کہ آپ کو کال کروں؟ گیس واٹ' وہ ٹیکسٹ میں نے صبح دیکھا' کیونکہ وہ مجھ سے پہلے فارس کھول چکا تھا۔'' اور اس کی ٹون نہ چاہتے ہوئے بھی ملامتی ہو گئی۔ ''ایسی کیا خاص بات تھی؟''

احمر ایک دم شرمندہ ہو گیا تھا۔ ''وہ تو...کچھ بھی نہیں تھا۔'' ذرا ٹھہر کر بتانے لگا۔ ''میں شادی کر رہا ہوں' فاطمہ سے' کیمپئن ٹیم میں میرے ساتھ کام کرتی ہے' میں اسے منگنی کا کیا تحفہ دوں یہی پوچھنا چاہتا تھا' پلیز برا مت منائیے گا' نہ میں آپ کا کوئی کولیگ ہوں نہ دوست' مگر آپ سے زیادہ میرے حلقہ احباب میں کوئی sophisticated نہیں ہے۔ صرف اس لئے۔ میں غازی کو وضاحت دے دوں گا۔''

زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ ''خیر' مبارک ہو آپ کو۔ مگر اس وقت' آپ کو دیکھ کر وہ کچھ الٹا سیدھا بول دے گا' آپ ابھی چلے جائیں' جب وہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو میں آپ کی ملاقات کروا دوں گی۔'' اور وہ متامل' متذبذب سا لوٹ گیا۔

زمر کافی دیر اس راہداری میں کھڑی رہی۔ لوگ اسی طرح آجا رہے تھے۔ وہ ویران' اداس نظروں سے سب دیکھتی رہی۔ ذہن بار بار اس کینڈل لائٹ ڈنر میں کی گئی اس کی سلگتی باتوں پہ بھٹک جاتا' مگر نہیں' ابھی یہ سب نہیں سوچنا تھا۔

دفعتاً وہ سیدھی ہوئی۔ پولیس اہلکار اسے لا رہے تھے۔ رات والی جینز اور گرے شرٹ میں ملبوس تھا۔ ایک رات میں ہی شیو بڑھی لگتی تھی۔ زمر کو دیکھ کر اس کی سنہری آنکھیں سکڑیں' ان میں چبھن اتری' مگر منہ میں کچھ چباتا آگے بڑھتا رہا۔ وہ ہلکا سا مسکرائی' مگر اگلے ہی پل مسکراہٹ غائب ہوئی۔ فارس کے قریب' سیاہ کوٹ اور ٹائی میں ملبوس' خلجی صاحب چلتے آ رہے تھے۔

''ڈونٹ یو ڈیئر!'' زمر کے سر پہ لگی' تلوؤں پہ بجھی۔ وہ قریب آئے تو وہ بظاہر مسکرا کر خلجی صاحب کی طرف گھومی۔

''آپ یہاں خیریت سے خلجی صاحب؟''

''یہ میرے وکیل ہیں۔'' وہ چبھتی آنکھیں زمر پہ جمائے بولا۔ زمر نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا مگر ہنوز مسکراتے ہوئے بولی۔

''آخری اطلاعات تک تمہاری وکیل میں تھی۔''

خلجی صاحب فون پہ بات کر رہے تھے' سر کے اشارے سے اسے سلام کیا۔ فارس چند قدم چل کر اس کے بالکل مقابل آ کھڑا ہوا' جتنی اجازت اس کی زنجیر اس کو دیتی تھی اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''زمر بی بی.... مجھے آپ سے کسی اچھائی کی امید نہیں ہے۔'' دبی سرگوشی میں بولا۔ وہ اس سے لمبا تھا' زمر کو چہرہ اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھنا پڑ رہا تھا۔

''ان سے ہے؟''

''وہ میرے ساتھ وفادار ہیں۔'' چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔

''اچھا!'' زمر دانت پہ دانت جما کر مسکرائی' پھر سر کو خم دیا اور وہاں سے ہٹ گئی۔ خلجی صاحب فون بند کر چکے تھے' اب اس سے حال احوال دریافت کرنے لگے۔ وہ جواب دیتی چند قدم آگے چلی آئی۔ پھر مزید چند قدم۔ یہاں تک کہ وہ دونوں فارس کی حدِ سماعت سے دور ہو گئے۔ وہ تیکھی نظروں سے ان دونوں کو بات کرتے دیکھنے لگا۔

چند منٹ بعد وہ واپس اس کی طرف آئے۔ خلجی صاحب نے خوشگوار انداز میں زمر کو دیکھتے فارس کو مخاطب کیا۔ ''تم فکر نہ کرنا' زمر اچھے سے سب ہینڈل کر لیں گی۔ میں پھر اپنے آفس کی طرف جاتا ہوں۔'' فارس کا شانہ تھپکا اور زمر کو گرم جوشی سے الوداع کہہ کر وہ آگے چلتے گئے۔ زمر نے مسکرا کر فارس کو دیکھا۔ ''وفادار' ہاں؟''

''کیا کہا ہے آپ نے ان سے؟'' وہ خشک انداز میں بولا تھا۔ ''بلکہ کس چیز سے بلیک میل کیا ہے ان کو؟ ایک یہی کام تو آتا ہے آپ کو!''

''جب تم چار سال جیل میں لوگوں سے جھگڑ جھگڑ کر اپنے لئے دشمن بنا رہے تھے نا' تو میں ایک سیاسی عہدے پہ کام کر رہی تھی۔ یہاں لوگ میری بات ٹالا نہیں کرتے۔'' وہ بھی اتنی ہی تلخی سے بولی تھی۔ ''ہاں میں نے تم سے چند جھوٹ بولے تھے' احمر کو بھی ہائر کیا تھا' لیکن تمہارے خلاف نہیں۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جو تم سمجھ رہے ہو۔ دیکھو' ابھی وقت کم ہے' تمہارا نام ابھی پکارا جائے گا۔ اس وقت کو لڑنے میں ضائع مت کرو۔ ویسے بھی زیادہ سے زیادہ تین ہفتے بعد ٹرائل شروع ہو جائے گا' تم ان تین ہفتوں میں جتنے وکیل ڈھونڈ سکتے ہو ڈھونڈ لو' میں کسی ایک کو بھی تمہاری طرف نہیں رہنے دوں گی' اس لئے ان تین ہفتوں کے لئے مجھے اپنا وکیل رہنے دو۔ جس دن ٹرائل شروع ہو' اس دن تم فیصلہ کر لینا۔ مجھے فائر کر دینا' میں چلی جاؤں گی' لیکن اس سے پہلے نہیں۔ او کے!'' غصے اور سمجھانے والے ملے جلے انداز میں وہ بول بول کر چپ ہوئی' تو وہ بھی چند لمحے سوچتا رہا۔ ''آپ کو اگر میرا وکیل رہنا ہے تو ایک کام کریں۔''

زمر گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ ''کہو!''

''شزا ملک... وہ لڑکی... اے ایس پی کی کزن اور سالی... وہ دو دن پہلے کوما سے نکل آئی ہے، سو آپ نے اس امر کو یقینی بنانا ہے کہ وہ نیاز بیگ کو جیل سے نکلنے نہ دے۔ کیسے! یہ میرا دردِ سر نہیں ہے!'' حکم صادر کر کے وہ پلٹ گیا۔ زمر اسے دیکھ کر رہ گئی۔ راہداری میں بھانت بھانت کی بولیاں ہنوز گونج رہی تھیں۔

.....❖❖❖.....

جسے گئے ہوئے خود سے ایک زمانہ ہوا ..... وہ اب بھی تم میں بھٹکتا ہے اب بھی آجاؤ

گالف کلب کے سبزہ زاروں پہ زمردی قالین سا چڑھا لگتا تھا۔ فضا میں آتے سرما کی مہک تھی، گھاس بھی گویا لمبا لیٹا یہ نرم گرم دھوپ سینک رہا تھا۔ وہ دونوں گھاس پہ آگے چلتے جا رہے تھے۔ ہارون نے ٹی شرٹ کے اوپر پی کیپ اوڑھ رکھی تھی' اور جواہرات نے گھٹنوں تک آتا سادہ کرتا پہن رکھا تھا' اور بال جوڑے میں بندھے تھے۔ اتنے casual حلیے میں بھی وہ نازک اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ پچھلے ماہ اس نے آنکھوں کی کاسمیٹک سرجری (آئی لڈلفٹ) کروائی تھی جس سے اس کی آنکھیں زیادہ بڑی اور گہری لگنے لگی تھیں۔

''میں تمہیں آج بھی پہلے کی طرح گالف میں ہرا سکتا ہوں۔'' مسکرا کر اس کی طرف چہرہ کر کے بولے۔

''برسوں پہلے میں ایک بے وقوف لڑکی تھی' جو تمہاری باتوں میں آ کر تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب دیکھنے لگی تھی۔'' وہ بھی تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ہارون ٹھہر گئے۔ اس کو قدرے افسوس سے دیکھا۔

''یہ رشتہ ختم کرنے میں تم نے پہل کی تھی۔''

''اتنے دن بعد تم نے بالآخر یہ ذکر چھیڑ ہی دیا ہے تو اپنی تصحیح کر لو ہارون۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے اس کے سامنے آئی اور سرد مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''ہمارے درمیان کبھی کوئی رشتہ نہیں تھا' تم اور میں اچھے دوست تھے' بلکہ دوستوں سے بڑھ کر تھے' پھر ہم نے شادی کا فیصلہ کیا تھا' اور ہمارے خاندان کو اس پہ اعتراض نہیں تھا۔''

''اور پھر تم نے مجھے ٹھکرا کر اورنگزیب سے شادی کی تھی۔''

''یہ وہ چوائس تھی جس پہ میں پچھلے اڑتیس سال سے پچھتا رہی ہوں ہارون' لیکن یہ مت بھولنا کبھی کہ میں نے تمہیں اس لئے ٹھکرایا تھا کیونکہ تم اپنی ایرانی کزن کے ساتھ انوالوڈ تھے۔ اور تم جانتے ہو کہ میں تمہاری بے وفائی سے واقف ہو گئی تھی' پھر بھی تم کتنے دھڑلے سے میری آنکھوں میں دیکھ کر مجھ سے شکوہ کر لیتے ہو کہ میں نے تمہیں ٹھکرایا تھا۔'' ملکہ کی اٹھی گردن' اور مسکراہٹ ہنوز برقرار تھی۔ ہارون نے گہری سانس لی۔

''تمہیں اتنی پرانی باتیں یاد ہیں' اورنگزیب کی موت کے بعد ان دو سالوں میں...''

''ایک سال دس ماہ میں...'' اس نے میکانکی انداز میں تصحیح کی مگر وہ کہہ رہے تھے۔ ''کتنی دفعہ میں نے چاہا کہ ہم کم از کم دوستی کے رشتے میں پھر سے منسلک ہو جائیں لیکن تم ہر دفعہ پرانی باتوں کو کیوں درمیان میں لے آتی ہو!''

''ہارون!'' وہ ایک قدم آگے ہوئی اور شیرنی جیسی آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈالیں۔

''تم میرے صرف دوست نہیں بننا چاہتے میں جانتی ہوں' تمہارے پاس ہم سے زیادہ دولت ہے لیکن ہمارے پاس تم سے زیادہ طاقت ہے' ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے' اس لئے ہم ساتھ کام کر رہے ہیں' لیکن میرا اعتماد تم کئی برس پہلے کھو چکے تھے۔ اگر تمہیں دوبارہ سے مجھ سے کوئی تعلق استوار کرنا ہے تو اس کے لئے تمہیں میرا اعتماد چاہیے' اور اعتماد میں بھیک میں بھی نہیں دیتی۔ اسے تمہیں کمانا ہوگا۔''

اور پھر دلکشی سے مسکرائی۔ ''سو محنت کرو' ہارون۔ شاید کہ تم کھویا ہوا اعتماد کما لو۔'' پھر سر کے خم سے اشارہ کیا۔ ملازم فوراً حاضر ہوا۔ تابعداری سے

کٹ لئے آگے آئے۔ ہارون صرف مسکرائے اور کھیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ دور دور تک پھیلے سبزے کا ہر تنکا دلچسپی سے یہ کھیل دیکھنے کا منتظر تھا۔

.....❖❖❖.....

وہ دل کہ اب ہے لہو تھوکنا ہنر جس کا ..... وہ کم سے کم ابھی زندہ ہے، اب بھی آجاؤ

انیکسی تک واپس جاتے ہوئے زمران دونوں کو بتا رہی تھی۔ ''پانچ دن کا جسمانی ریمانڈ مل گیا ہے پولیس کو۔ چودہ دن تک وہ اس میں توسیع کرواتے رہیں گے، پھر فارس کو جوڈیشل کر دیا جائے گا، یعنی کہ..'' ان کے پوچھنے سے پہلے بتانے لگی۔ ''اس کو جیل بھیج دیا جائے گا، اور باقاعدہ مقدمہ شروع ہوگا۔ پہلے پراسیکیوٹر اپنے دلائل دے گا، پھر ہم دیں گے، پھر پراسیکیوٹر اپنے گواہ پیش کرے گا، پھر ہم کریں گے۔ اس کارروائی میں عرصہ لگ جاتا ہے، لیکن سب سے اچھی بات یہ ہے کہ جج مقدمے کے دوران کسی بھی دن کسی بھی وجہ سے ملزم کو بری کر سکتا ہے۔ بے گناہ ثابت کرنا، گناہگار ثابت کرنے سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔'' دونوں جواب میں کچھ نہ بولے۔

مگر گھر کے دروازے پہ پہنچ کر حنہ کے منہ سے ''اوہ'' نکلا اور زمر کا ایک دم دل بیٹھ گیا۔ ندرت کی کار، جس میں صداقت ان کو ڈرائیو کر کے گاؤں لے گیا تھا، وہ وہاں کھڑی تھی۔ ایک دریا کے پار ایک اور دریا کا سامنا! زمر نے لاؤنج کا دروازہ کھولا تو سامنے بڑے ابا فکرمند بیٹھے تھے، اور ندرت پریشان سی نظر آرہی تھیں۔ زمر نے فون بند کر رکھا تھا اور حنہ اپنا فون گھر چھوڑ گئی تھی۔ یقیناً انہوں نے کئی کالز کی ہوں گی۔

''زمر!'' ندرت گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر پریشانی سے اٹھیں۔ ''فارس کو کیوں لے کر گئی ہے پولیس؟ جیسے ہی جواہرات نے بتایا، ہم فوراً آگئے۔''

''یا اللہ، یہ مسز جواہرات بھی نا!'' حنین غصے سے بڑبڑاتی آگے آئی اور ندرت کو شانوں سے تھام کر واپس بٹھایا۔

''زمر، بتاؤ کیا ہو رہا ہے یہ سب؟'' ابا بھی بے چین تھے۔ وہ تھکی تھکی سی سامنے بیٹھی اور تفصیل، تسلی اور امید سے سب بتانے لگی۔ ندرت بے ساختہ رونے لگی تھیں۔ ''اس ملک میں کوئی قانون، کوئی دستور نہیں ہے کیا؟ جب دیکھو میرے بھائی کو مقدمات میں پھنساتے رہتے ہیں۔

اللہ غارت کرے ان کو۔''

''آمین!'' حنہ بڑبڑائی تھی۔ اس آمین کہنے میں بھی دل ٹوٹ کر سو بار جڑا تھا۔

ندرت کو حنہ اوپر کمرے میں لے گئی۔ باقی سب بھی بکھر چکے اور وہ دونوں اکیلے رہ گئے، تو ابا نے آہستہ سے اس سے پوچھا تھا۔

''کیا وہ باہر آجائے گا؟''

'مجھے واقعی نہیں پتہ ابا!'' وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ ابا غمگین سے بیٹھے اس کے لہجے پہ غور کرتے رہ گئے۔

.....❖❖❖.....

دلیلوں سے دوا کا کام لینا سخت مشکل ہے ..... مگر اس غم کی خاطر یہ ہنر بھی سیکھنا ہو گا

کولمبو کی پُرنم فضاؤں میں لپٹے ہوٹل کی بیسمنٹ میں اٹھا پٹخ جاری تھی۔ پہریدار سعدی کے کمرے کی دیوار پہ ایل سی ڈی ٹی وی لگا رہے تھے۔ ڈی وی ڈیز کا ایک چھوٹا کارٹن، پھل، چاکلیٹس، خشک میوے، جوس کے ڈبے، نئے کپڑے، تازہ ریلیز ہوئے بیسٹ سیلرز۔ سعدی غیر دلچسپی سے ان چیزوں کو دیکھ رہا تھا جو وہ لوگ لا لا کر اس کے کمرے میں رکھ رہے تھے۔ وہ سیاہ حبشی صورت فصیح ان کی نگرانی کر رہا تھا۔ ''ان احسانات کی وجہ؟'' اس نے سنجیدگی سے حبشی صورت کو مخاطب کیا۔ اس نے ایک اچٹتی نگاہ سعدی پہ ڈالی۔

''یہ ہارون عبید کی طرف سے ہے، وہ سب جو تم نے مانگا تھا۔''

''جس سے مانگا تھا' وہی دیتا تو اچھا تھا۔'' وہ بے زار سا اٹھ کر لاؤنج نما کمرے میں آ گیا۔ کسی نے اسے نہیں روکا۔ وہ اس کمپاؤنڈ میں ملا پھر سکتا تھا' اجازت مل گئی تھی۔ وہ ابھی وہاں بیٹھا ہی تھا کہ یکدم فصیح اس کے کمرے سے باہر نکلا' اور کلنگ فلم میں لپٹی چیزیں میز پہ ڈالیں۔ سعدی منجمد ہو گیا۔ اندر اس کا لائٹر' کانٹا' چند کیل وغیرہ تھے۔ نگاہیں اٹھا کر فصیح کو دیکھا۔

''سنو مائیکل اسکوفیلڈ' زیادہ اوورا سمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔'' پھر گہری سانس لے کر لہجہ نرم کیا۔ ''یہاں سے نکلنا ہے تو ہارون صاحب کے لئے کام کرو۔ ایک ڈیڑھ سال کی بات ہے' پھر وہ تمہیں آزاد کر دیں گے۔''

''ارے واہ۔ یہ سن کر میری آنکھیں بھر آئیں!'' وہ طنز سے بولا تھا۔ فصیح اسے گھورتا ہوا پلٹ گیا۔ میری ساتھ آ کر بیٹھی اور جب وہ دونوں تنہا رہ گئے تو ان نوازشات کی بابت دھیمی سرگوشی میں بتانے لگی۔

''یہ سب مس آبدار نے بھجوایا ہے۔'' پہلے کی طرح وہ اب سخت نہیں رہی تھی، شاید لمبی قید سے تنگ آ گئی تھی۔ ''مگر اس لڑکی سے بچ کر رہنا۔''

''ایک اور گڈ کاپ!'' اس نے شانے اچکائے۔

''نہیں سعدی!'' وہ اس کو سمجھا نہیں پا رہی تھی۔ ''وہ بری نہیں ہے' مگر وہ بہت چالاک ہے۔ دراصل وہ خطرناک ہے۔ دیکھو' اس نے باپ کو مسز جواہرات نے شادی کے لئے ٹھکرایا تھا' مگر ان دونوں کے درمیان اب بھی بہت کچھ باقی ہے۔ دوستی' کاروبار' چنگاریاں۔'' ذرا سانس لینے کو رکی۔ سعدی بے دلی سے سن رہا تھا۔ ''اور آبدار ہے تو بہت اچھی' مگر میں اس کے ساتھ ہمیشہ غیر آرام دہ رہتی ہوں۔ اس نے اپنی ماں کو کم عمری میں کھویا تھا۔ پھر امریکہ چلی گئی۔ سنا ہے وہاں ایک دفعہ یہ ڈوبنے لگی تو ہاشم نے اس کی جان بچائی۔ تب ہاشم کی شادی کو شاید ایک سال ہوا تھا۔ اس دن کے بعد اس کا دل شہری سے اچاٹ ہو گیا۔ اسے شہری میں صرف خامیاں نظر آتی تھیں' مگر میں گواہ ہوں' ہاشم نے اس سے بے وفائی نہیں کی' نباہ کی بھی کوشش کی' مگر آبدار۔ وہ ہاشم کے دل میں رہتی ہے' اس لئے اس سے دور رہنا سعدی!''

''تو ہاشم نے اس سے شادی کیوں نہیں کی؟'' اسے پہلی دفعہ دلچسپی محسوس ہوئی۔

''ہاشم اپنی طلاق اور باپ کی موت کے بعد سے بہت مصروف رہا ہے' لیکن اب چونکہ وہ دونوں ایک شہر میں ہیں' وہ اسے اپنانے کا ضرور سوچے گا لکھ کر رکھ لو۔''

''رکھ لیا۔ لیکن اگر ہاشم اس کی اتنی پرواہ کرتا ہے تو اس کو میرے پاس بھیجنا نہیں چاہیے تھا۔'' اسے جانے کیوں افسوس ہوا۔

''یہی میں سمجھ نہیں پا رہی۔ ہاشم نے کیوں اسے آنے دیا؟'' میری نے سر جھٹکا۔ تبھی دروازے پہ آہٹ ہوئی۔ میری جلدی سے بالکن کی طرف چلی گئی۔ برقی دروازہ کھلا اور اسے سرخ اسکارف کی جھلک دکھائی دی تو اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسی سپاٹ اور معصوم چہرے کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔ سعدی پہ ایک نظر ڈالی، ساتھ موجود گارڈ سے مقامی زبان میں کچھ کہا اور آگے بڑھ گئی۔

چند لمحوں بعد وہ گارڈ کی معیت میں اسی دو کرسیوں والے کمرے میں داخل ہوا تو آبدار سینے پہ بازو لپیٹے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ ابرو سے گارڈ کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ دروازہ بند کر کے چلا گیا تو وہ اس کی طرف گھومی۔

''تم نے کہا اللہ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔ تم نے ٹھیک کہا تھا۔ آدمی کے پاس ایک ہی دل ہوتا ہے، مگر میں آدمی نہیں ہوں۔''

''مطلب؟'' وہ مشتبہ نظروں سے اس کو دیکھ رہا تھا جو دروازے کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔

''ڈور نمبر فور، مجھے کرنل خاور کی مدد کرنی ہے، سو مجھے تمہارے وکیل کا نام چاہیے، اگر تم مجھے بتا دو تو میں تمہاری مدد بھی کروں گی، کیونکہ میرے دو دل ہیں، میں.... غیر جانبدار ہوں!''

''اور تم میرے لیے کیا کرو گی؟'' وہ اب بھی مشکوک نظریں اس پہ جمائے ہوئے تھا۔

''یہ فارس غازی نے تمہارے لیے بھیجا ہے۔'' اس نے سینے پہ لپٹے بازو کھولے اور ایک ہاتھ میں پکڑا تہہ شدہ کاغذ دور سے دکھایا۔ وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پہ کھڑی تھی۔

''میں کیسے یقین کروں کہ تم جھوٹ نہیں بول رہی؟''

''میری شکل پہ لکھا ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہی، خیر تم اس کی لکھائی پہچان لینا، یہ اسی نے لکھا ہے۔ لیکن...'' کاغذ والا ہاتھ پہلو میں گرالیا۔ ''میں تمہیں یہ تب دوں گی جب تم مجھے وکیل کا نام بتاؤ گے۔'' سعدی آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے کتنے ہی لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''فارس غازی کو معلوم ہے میں کہاں ہوں؟ کس کے پاس ہوں؟''

''اس کو سب معلوم ہے۔ اب نام بتاؤ۔'' وہ جیسے فیصلہ کر کے آئی تھی۔

''تم سچ کہہ رہی ہو، ٹھیک ہے۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''لیکن میں وکیل کا نام صرف ہاشم کو بتاؤں گا۔''

''ہاشم درمیان میں کہاں سے آ گیا؟'' اس کے ابرو ناخوشی سے بھنچے۔

''درمیان میں نہیں۔'' سعدی نے غور سے اسے دیکھتے کہا۔ ''وہ اس وقت تمہارے پیچھے کھڑا ہے۔''

آبدار کرنٹ کھا کر دروازے کی طرف پلٹی۔ وہاں کوئی نہیں تھا... لیکن اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی، سعدی نے ایک دم جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے کاغذ کھینچ لیا تھا۔ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ اس نے اگلے ہی لمحے خود کو ششدر اور خالی ہاتھ کھڑے پایا۔

''قید خانہ انسان کو بہت کچھ سکھا دیتا ہے، مس!'' محظوظ سا مسکرا کر وہ چند قدم پیچھے ہٹا اور کاغذ کھول کر ایک نظر ان الفاظ پہ ڈالی۔ پھر نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ شاک سے نکل آئی تھی اور غصہ اس کی آنکھوں میں ابھر رہا تھا۔ ''واپس کرو۔''

''گارڈز کو بلا لو۔ وہی مجھ سے چھین سکتے ہیں اب یہ۔''

''او کے فائن، اب تمہیں یہ مل گیا، اب مجھے نام بتا دو۔'' ذرا بے بسی بھری خفگی سے سینے پہ بازو لپیٹے بولی۔

سعدی نے ایک دفعہ پھر ان حروف کو پڑھا، کچھ دیر سوچتا رہا، پھر کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ''میں نے کہا نا، ہاشم کو بتا دوں گا نام، تو اسی کو بتاؤں گا۔'' آبی نے آہستہ سے کاغذ تھاما۔ کچھ دیر لب کاٹتی رہی۔ غصہ قدرے کم ہوا۔

''تمہیں سمجھ آ گیا وہ تمہیں کیا کہنا چاہتا ہے؟ ہمن کا کیا مطلب ہوا؟'' اچھنبے سے استفسار کیا۔

''خودکشی!'' وہ جل کر بولا تھا۔ اس پیغام پہ جیسے اسے غصہ آیا تھا۔

''اس نے کہا تھا یہ تمہاری آزادی کا پروانہ ہے۔''

''ان کا دماغ خراب ہے۔''

آبدار چند قدم کا فاصلہ عبور کر کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''اس آدمی کا دماغ ہرگز خراب نہیں ہے!''

''تم نہیں جانتی فارس غازی کو۔'' وہ جھلایا تھا۔ ''وہ ہاتھوں سے سوچتے ہیں، ان کا غصہ ان کی تجسس کو دھندلا دیتا ہے۔ اسی لیے ہمیشہ مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ میں یہاں اتنے مہینے سے قید ہوں، ان کو معلوم ہے میں کہاں ہوں، پھر بھی مجھے بچانے نہیں آئے۔'' وہ شکوہ کر گیا تھا۔

''سعدی یوسف! مجھے نہیں پتہ تم انسانوں کو کتنا پہچانتے ہو، لیکن میں ایک عاملِ تنویم ہوں، مجھے انسانوں کو پڑھنا آتا ہے۔ اور جس فارس غازی سے میں ملی تھی، وہ ویسا نہیں ہے جیسا تم اس کو جانتے ہو۔ شاید وہ کبھی ویسا رہا ہو، لیکن اب نہیں ہے۔ مجھے نہیں پتہ ان حروف کا کیا

مطلب ہے، لیکن تمہیں ایک بات ذہن میں بٹھا لینی چاہیے۔'' اس کی بھوری آنکھوں کو دیکھتے ہمدردی سے آواز آہستہ کی۔ ''تمہیں یہاں سے نکالنے کوئی نہیں آئے گا۔ نہ میں، نہ فارس غازی، نہ تمہارے خاندان میں سے کوئی اور۔ تمہیں یہاں سے صرف ایک شخص نکال سکتا ہے، اور اس کا نام سعدی یوسف ہے۔ تمہیں اپنے آپ کو خود ریسکیو کرنا ہوگا!''

''آپ کے گارڈز کی مہربانی سے انہوں نے میری لاک پک بھی آج چھین لی ہے!''

''لاک پک؟'' اس کی آنکھیں تعجب سے پھیلیں۔ ''تمہیں لگتا ہے یہ لاک پک سے کھلنے والے دروازے ہیں؟ یہاں ریٹینا سینسرز لگے ہیں سعدی یوسف! ان کو یہ گارڈز بھی نہیں کھول سکتے۔ ویسے میں نے تمہاری پروفائل پڑھی تھی جو فصیح نے بنا کر دی تھی۔ تم سعدی، تم فارس غازی نہیں ہو جو ہر لاک کھول لو گے یا ان گارڈز سے ہاتھا پائی کر کے یہاں سے بھاگ جاؤ گے۔ نہ تمہیں لڑنا آتا ہے، نہ گن چلانی آتی ہے، نہ ان دروازوں کے لاکس کھولنا آتے ہیں۔ فصیح نے بتایا تم نے ہاشم کے ڈاکومنٹس بھی چرائے تھے مگر تم کمپیوٹرز میں بھی اتنے اچھے نہیں ہو، ان کی الٹر پیشن کو بھی نہیں کھول سکے۔ نہ تم اچھے بلیک میلر ہو۔ نہ ہی پڑھائی میں تم کوئی بہت ہی اعلیٰ وارفع تھے۔ وہ ٹیلنٹ جو تمہارے اردگرد کے لوگوں کے پاس ہیں، وہ تمہارے پاس نہیں ہیں!'' سعدی کی آنکھوں میں شدید ناگواری ابھری۔

''سو تمہارا مطلب ہے مجھے کچھ نہیں آتا۔ ایکچوئلی جب تمہارے باپ نے مجھے قید نہیں کیا تھا اور میں اپنی دنیا میں رہ رہا تھا، تب لوگ مجھے بہت پسند کرتے تھے۔''

''کبھی سوچا لوگ تمہیں کیوں پسند کرتے تھے؟ ہر شخص کے پاس ایک خاص ٹیلنٹ ہوتا ہے، تم لاک پکس جمع کرنا چھوڑ دو کیونکہ وہ تمہارا ٹیلنٹ نہیں ہیں۔ تمہیں ایک ہی چیز کرنی آتی ہے زندگی میں اور اسی چیز کی وجہ سے لوگ تمہیں پسند کرتے ہیں۔''

سعدی کے ابرو تعجب سے اٹھے۔ ''کیا؟''

''تمہاری باتیں!''

''واٹ؟'' اسے عجیب سا لگا۔

''سعدی، تمہاری قائل کر لینے والی زبان ہی تمہارا سب سے بڑا ٹیلنٹ ہے۔ تم لوگوں کو کنوینس کر سکتے ہو۔''

''میں نہیں کر سکتا!'' اسے خود بھی یقین نہیں آیا تھا۔

''کیوں کیا تم نے ابھی مجھے کنوینس نہیں کیا کہ ہاشم میرے پیچھے کھڑا ہے؟'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ آبی نے سر جھٹکا۔ ''آل رائیٹ۔ میرا کام ختم ہوا۔ تم جانو، اور ہاشم جانے!'' وہ ایک گہری نظر اس پہ ڈالتی باہر نکل گئی۔ سعدی ناخوشی سے کھڑا انہی الفاظ کو سوچتا رہا۔

.....❖❖❖.....

اپنوں کی مشکلوں سے بوجھل سا دل ہے رہتا

اکتوبر کے وسط سے موسم بدلنے لگا تھا۔ سرما کی پہلی دستک سنائی دے رہی تھی مگر تھانے کے اندر وہی خوف، وحشت اور تشدد کا موسم تھا۔ وہ ایک کمرے میں کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ (زمر کی وجہ سے اس کو چند سہولتیں مل جاتی تھیں جن میں یہ وقت بے وقت کی ملاقاتیں بھی تھیں۔) وہ خاموش سنجیدہ سا پلکیں سکوڑ کر احمر کو دیکھ رہا تھا' جبکہ وہ وضاحت دے رہا تھا۔

''دیکھو مسز زمر نے واقعی مجھے ہائر کیا تھا' لیکن تمہیں پھنسانے کے لئے نہیں۔ میں کلائنٹ پریولیج کے تحت تمہیں نہیں بتا سکتا تھا۔''

''کیوں ہائر کیا تھا اس نے تمہیں؟'' اس کی چبھتی نظریں احمر پہ جمی تھیں۔

''وہ تو میں تمہیں اب بھی نہیں بتا سکتا' کیونکہ یہ ورک اتھیکس کے خلاف ہے۔ اگر یہ تب غلط تھا' تو اب بھی غلط ہے۔ وہ بتا دیں تو الگ بات ہے۔ لیکن مجھے ہماری دوستی بہت عزیز ہے' اس لئے میری طرف سے اپنا دل صاف کر لو۔''

''کر لیا۔ اور کچھ؟'' اس کا لہجہ ٹھنڈا اور نگاہیں ہنوز پر تپش تھیں۔ احمر گہری سانس لے کر پیچھے ہوا۔ پھر سوچتے ہوئے کندھے اچکائے۔

''مطلب تم واقعی سوچ سکتے ہو کہ چڑے... مسز زمر تمہیں یوں جیل بھجوا سکتی ہیں؟''

''میں بہت کچھ سوچ سکتا ہوں۔''

''مگر انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا غازی۔''

''تو ثابت کرو!'' وہ سپاٹ لہجے میں کہہ کر پیچھے کو ہو بیٹھا۔ احمر کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ ''کیسے؟''

''مجھے ایک شخص سے ملنا ہے۔ صرف پندرہ منٹ کے لئے...'' وہ کہہ رہا تھا مگر احمر کی آنکھیں پھیلیں۔ فوراً ہاتھ اٹھا کر روکا۔

''دیکھو غازی' میں بے شک پرزن رائٹس پہ یقین رکھتا ہوں لیکن یہ رائٹس سے اوپر کی بات ہے۔'' پھر آواز بے چارگی سے نیچی کی۔ ''یار تم حوالات میں ہو' پندرہ منٹ کے لئے بھی ہم تمہیں یہاں سے نہیں نکال سکتے۔''

''تمہارے پاس میرے جوڈیشل ریمانڈ تک کا وقت ہے۔ دو ہفتے!'' انگلیوں کی وی بنا کر دکھائی۔ ''مجھے اس شخص کے پاس جانا ہے۔ یا تو تم اور تمہاری کلائنٹ یہ سب ارینج کر کے دو گے' یا میں خود جیل توڑ کر چلا جاؤں گا' کبھی واپس نہ آنے کے لئے۔ کون سا آپشن بہتر ہے' اپنی کلائنٹ سے پوچھ کر بتا دینا۔'' وہ جتنی سنگینی اور قطعیت سے کہہ رہا تھا' احمر بے بسی سے اسے دیکھے گیا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے سوچا تھا کہ پرزن رائٹس جائیں جہنم میں، ارے ان قیدیوں کو تو الٹا لٹکا کر درے مارے جانے چاہیے ہیں۔

''کون ہے وہ شخص؟''

.....❖❖❖.....

کئی بار دکھایا ہے ہمیں آئینہ وقت نے ..... ڈرتے جو ہار سے ہم، بے کار بن کر جیتے

انیکسی کے برآمدے میں نو وارد ہوئی سرما کی شام چھائی تھی۔ وہ نہیں تھا تو موسم کی گرمجوشی بھی ہر روز ناپید ہوتی جا رہی تھی اور خوف کا کہر فضا میں رچتا بستا جا رہا تھا۔ برآمدے میں آدھے بندھے گھنگریالے بالوں والی زمر' سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی' سنجیدگی سے سامنے کھڑے احمر کو سن رہی تھی جو بے چارگی سے کہہ رہا تھا۔

''پلیز مجھ پہ چلائیے گا مت' مجھے قانون بھی مت سمجھائیے گا' مجھے معلوم ہے یہ سب کتنا غلط ہے مگر وہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔''

بات ختم کر کے اس نے ڈرتے ڈرتے زمر کے تاثرات دیکھے۔ وہ خاموش کھڑی تھی' چہرہ نارمل تھا۔

''وہ اس سے اب کیوں ملنا چاہتا ہے؟ اتنا عرصہ جب وہ باہر تھا' تب کیوں نہیں ملا؟''

''میں نے بھی یہی پوچھا تھا' وہ کہتا ہے کہ پہلے وہ آہستہ آہستہ کام کر رہا تھا' مگر اب وقت نہیں ہے۔'' پیامبر نے ہچکچاتے ہوئے پیغام دیا۔

''ٹھیک ہے' وہ اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے' تو ہم کروا دیں گے ملاقات!'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔ احمر کا منہ کھل گیا۔

''واٹ؟ مطلب کہ...'' پھر منہ بند کیا' خفگی سے اسے دیکھا۔ ''آپ کو اس کا مطالبہ برا نہیں لگا؟''

''نہیں۔ وہ سچائی جاننا چاہتا ہے' تو سچائی جاننے کا بہترین وقت دورانِ قید ہے۔ اگر وہ آزاد ہوتا تو کچھ کر بیٹھتا' لیکن اب اسے برداشت کرنا ہوگا۔'' زمر نے شانے اچکائے۔ وہ ساری جمع تفریق کر چکی تھی۔

''یعنی آپ سچائی جانتی ہیں؟ آف کورس یہ میرا مسئلہ نہیں ہے'' جلدی سے اپنی حد میں واپس آیا۔ ''مگر ہم اس کو حوالات سے نکالیں اور واپس کیسے لائیں گے؟ یہ بہت خطرناک ہے!''

''میں کرلوں گی، تھوڑی سی آپ کی مدد چاہیے ہوگی۔ اور ہاں... ٹرائل کے لیے مجھے ایک انویسٹی گیٹر کی ضرورت ہے۔ پچیس ہزار فی گھنٹہ، رائٹ!'' ذرا نرمی سے پوچھا۔

احمر اداسی سے مسکرایا۔ ''مجھے آپ سے کوئی رقم نہیں چاہیے۔ میں صبح آؤں گا، ہم تب معاملات ڈسکس کر لیں گے۔'' ذرا رکا۔ ''ویسے میں وہی ہوں جس کو ایک زمانے میں آپ کورٹ میں کھڑی پراسیکیوٹ کر رہی تھیں اور...''

''احمر!!!'' اس کی ایک نظر کافی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھائے جلدی سے بولا ''آف کورس آپ کو یاد ہے۔ میں چلتا ہوں۔''

تبھی برآمدے کا دروازہ کھول کر حنین تیزی سے باہر نکلی، احمر کو دیکھ کر ٹھٹکی۔ پھر ذرا کی ذرا خفا نظر اس پہ ڈالی۔ احمر الوداعی کلمات کہہ کر برآمدے کے زینے اترنے لگا۔ مگر وہ دیکھنے خشمگیں کا انداز.... بار بار اس کو کھٹک رہا تھا۔

کیمپئن آفس میں بیٹھے وہ اسی سوچ میں گم تھا جب فاطمہ نے اس کے سامنے کافی کا مگ رکھا۔ اور مقابل کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ احمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ گلاسز لگانے والی گوری اور دلکش سی لڑکی تھی۔

''تمہارے خیال میں وہ مجھے ہر دفعہ اتنی ناگواری کیوں دکھاتی ہے؟'' سنجیدگی سے پوچھا۔ فاطمہ نے گھونٹ بھرتے شانے اچکائے۔

''شاید تمہاری کسی بات سے ہرٹ ہوئی ہو۔''

''نہیں، میں نے تو دونوں دفعہ مختلف باتیں کہی تھیں۔ مگر مجھے ہمیشہ یہ لگتا ہے کہ وہ لڑکی.... سعدی کی بہن.... وہ مجھ سے... ان سیکیور رہتی ہے، جیسے اسے مجھ سے کوئی خطرہ ہے۔'' نفی میں سر ہلاتے وہ جیسے الجھا ہوا تھا۔ ''اس لڑکی کے ساتھ کوئی مسئلہ ضرور ہے۔''

''احمر!'' فاطمہ آگے ہوئی اور دلچسپی سے بولی۔ ''اس کیمپئن میں ہم نے کتنے مسئلے حل کیے ہیں۔ کوئی پزل پہلے ہم سے بچ سکا ہے کیا؟''

''نہیں!'' وہ بھی دلچسپی سے آگے ہوا۔ ''ایسا کرو، اس لڑکی کے بارے میں ہر معلومات مجھے ڈھونڈ کر دو، تاکہ ہم کوئی لنک جوڑ سکیں۔''

''راجر باس، لیکن ہم یہ کر کیوں رہے ہیں؟ اس کی فیملی تو تمہاری دوست ہے نا۔''

''ہاں وہ میرے دوست ہیں، لیکن میں متجسس ہوں، اور جب تک میں اس کو حل نہیں کروں گا، مجھے چین نہیں ملے گا۔'' وہ بہت بے چینی سے کہہ رہا تھا۔ فاطمہ نے ٹیک لگاتے سر کو خم دیا اور کافی کے گھونٹ بھرنے لگی۔

.....❖❖❖.....

گر وقت کبھی آتا باطل کی خدائی کا ..... ہم موت سے نہ ڈرتے، تلوار بن کر جیتے

کمرے میں ٹی وی کا بے ہنگم شور گونج رہا تھا۔ سعدی بیڈ پہ لیٹا تھا، پیر قینچی صورت بنا رکھے تھے اور غیر دلچسپی سے دیوار پہ نصب اسکرین دیکھ رہا تھا۔ دی گوسٹ اینڈ دی ڈارک نیس جو وہ کتنی ہی دفعہ گزرے برسوں میں دیکھ چکا تھا، اس قید خانے میں سخت کبیدہ خاطر لگ رہی تھی۔ (ٹی وی پہ صرف ڈی وی ڈی چلتی تھی، کوئی چینل نہیں آتا تھا۔)

اکتا کر اس نے ٹی وی بند کیا۔ کمرے کی خاموشی عجیب لگنے لگی۔ اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا اور سوچنے کی کوشش کی کہ وہ اتنا بے سکون کیوں ہے؟ مگر اگلے ہی لمحے چونکا۔ ''اسکرین''! اسکرین میں سکون کب اور کس کو ملا تھا، جو اسے ملے گا؟ بھلے وہ ٹی وی اسکرین ہو، کمپیوٹر اسکرین ہو یا موبائل اسکرین۔ اسکرین سستی، بے سکونی اور بے زاری عنایت کرتی ہے اگر یہ اللہ کے ذکر سے خالی ہو! وہ اٹھا اور باتھ روم چلا گیا۔ کچھ دیر بعد گیلے ہاتھ پیر اور چہرے کے ساتھ باہر نکلا اور اپنا قرآن لے کر اسٹڈی ٹیبل پہ آ بیٹھا۔

''پتہ ہے کیا اللہ تعالیٰ، اس اسکرین کی نماز اور قرآن کے ساتھ ہمیشہ ایک جنگ چھڑی رہتی ہے۔ جتنی زیادہ ہمارے زندگیوں میں

''اسکرین'' آتی ہے' اتنی ہماری نماز کم ہوتی ہے۔ اور جتنی نماز آتی ہے' اتنی ہی اسکرین خود بخود جانے لگتی ہے۔ ہم بیک وقت دو دل نہیں رکھ سکتے۔ حیا سے عاری دل، اور مومن کا دل، یہ ایک سینے میں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ خیر' آج کون سی سورۃ پڑھوں؟'' اس نے صفحے پلٹتے سوچا۔ وہی بے ترتیب قرآن کی روٹین۔ وہ چند سورتیں آگے پیچھے سے پڑھتا تھا مگر تم کو صرف وہی قصہ سنایا جاتا ہے جب وہ چیونٹیوں کی سورۃ پڑھتا تھا۔ سو آج بھی اس نے النمل کھول کر تعوذ اور تسمیہ پڑھا۔

''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔'' اس نے آیات دیکھیں۔ ملکہ سبا کو سلیمان علیہ السلام کا خط مل چکا تھا اور اس کو پڑھنے کے بعد کا قصہ کچھ یوں تھا۔

''وہ کہنے لگی' اے سردارو! مجھے میرے کام میں مشورہ دو' تمہارے حاضر ہوتے ہوئے میں خود سے کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرنے والی۔ انہوں نے کہا۔ ہم قوت والے ہیں' اور سخت زور والے ہیں' اور معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے' تو دیکھ لو کہ تم کیا حکم دیتی ہو؟''

''سو کیا مطلب ہوا ان آیات کا؟'' سعدی دانت سے نچلا لب دبائے سوچنے لگا۔ ''سلیمان علیہ السلام کے مکتوبِ کریم جس میں لکھا تھا کہ میرے پاس مطیع و فرمانبردار بن کر چلی آؤ۔ اس کے بعد ملکہ اپنے لیڈرز سے مشورہ لیتی ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ مشورے کے لئے یہاں پر ''افتونی'' کا لفظ استعمال ہے' یعنی مجھے فتویٰ دو۔ اللہ تعالیٰ آپ نے ''مشورے'' کا لفظ نہیں استعمال کیا۔ فتوے کا کیا۔ فتویٰ کہتے ہیں کسی مشکل مسئلے کے جواب کو۔ مجھے اس سے یہ سمجھ آیا ہے اللہ تعالیٰ کہ فتویٰ ''جواب'' ہوتا ہے۔ جب مانگا جائے تب دیا جائے۔ یہ نہیں کہ جگہ جگہ اٹھتے بیٹھتے' ہم ہر کسی پہ فتوے لگاتے جائیں۔ اور ملکہ کا قصہ ایک طرف' ہمارے ہاں ہر گلی کا مولوی' اور ہر یونیورسٹی کا اسلامک پروفیسر بھی فتوے لگا دیتا ہے' جبکہ اسلام میں ہر کوئی فتوے دینے کا اہل نہیں ہوتا ہے۔ مفتی کا مقام حاصل کرنے کے لئے خاص تقاضے پورے کرنے ہوتے ہیں۔'' وہ کہہ رہا تھا اور کمرے کا وحشت ناک سناٹا اب آہستہ آہستہ سکینت بھری خاموشی میں بدل رہا تھا۔

''ویسے انسان کو ہمیشہ مشورہ کرنا چاہیے، مشورہ انسان کو رسوائی سے بچا لیتا ہے۔ بہترین مشورہ اللہ سے مشورہ ہوتا ہے' اور بہترین فتویٰ دل کا فتویٰ ہوتا ہے' آخری فتویٰ۔ خیر..'' اس نے صفحے کو دیکھا۔ ''ملکہ نے مشورہ مانگا تو سردارانِ قوم نے اپنی طاقت بھی واضح کر دی اور آخری فیصلہ بھی ملکہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ پھر آگے کیا ہوا؟'' وہ پڑھنے لگا۔

''وہ کہنے لگی کہ بے شک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں فساد کرتے ہیں' اور وہاں کے رہنے والے عزت دار لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ اور وہ اسی طرح کیا کرتے ہیں۔'' سعدی کو کچھ یاد آیا۔

''اللہ تعالیٰ' یہ آخری الفاظ ''اور وہ اسی طرح کیا کرتے ہیں'' ان کے بارے میں دو آراء ہیں نا۔ پہلی رائے یہ ہے، کہ یہ ملکہ کا ہی قول ہے' مگر مجھے دوسری رائے زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا تبصرہ ہے ملکہ کی بات پہ، کہ واقعی' طاقت کے نشے میں گم لوگ دوسروں کی عزتوں کی پرواہ کہاں کرتے ہیں۔''

کمرے کی وحشت کسی حد تک کم ہو چلی تھی۔ اس کا منتشر ذہن دھیرے دھیرے' کئی دن بعد' فوکس کر پا رہا تھا۔ وہ عربی میں اگلی آیات پڑھنے لگا۔ ''اور بے شک میں بھیجنے والی ہوں ان (سلیمانؑ) کی طرف ایک ہدیہ۔ پھر دیکھتی ہوں کہ ہمارے قاصد کس چیز کے ساتھ لوٹتے ہیں۔''

''واہ ملکہ.... مشورہ آپ نے ضرور مانگا سردارانِ قوم سے' لیکن آخر میں کی تو آپ نے اپنی ہی مرضی۔'' وہ مصنوعی سا خفا ہوا۔ ''مجھے ہمیشہ یہ آیات پڑھتے ہوئے لگتا ہے کہ ملکہ ایک تو اپنے لیڈرز کو چیک کر رہی تھی' دوسرا وہ جنگ کے بجائے امن کے پیغام کو جسٹی فائی بھی کر رہی تھی۔ چیونٹیوں کی ملکہ کی طرح وہ بھی اپنی قوم کے لئے مخلص تھی' اور سب کا سوچتی تھی۔ وہ قطعی فیصلہ کر سکتی تھی مگر تھی وہ ایک عورت ہی' اس کو ایک فیصلہ لینے سے پہلے بھی بہت سے لوگوں کو اس فیصلے کی وضاحتیں اور صفائیاں دینا تھیں۔ وہ ملکہ ہو کر بھی چیونٹی تھی' مگر وہ درست تھی۔ عورت اگر

بھی خاندان میں دب بھی جائے' جارحیت کا جواب بھی صلح صفائی سے دے' اور بظاہر چیونٹیوں کی طرح اندھی اور خاموش زندگی بھی گزار رہی ہو' تو وہ بھی کوئی بری بات نہیں ہوتی۔ بہت سے لوگوں کے سکون کے لئے اپنی انا کی قربانی دینا برا کیسے ہوسکتا ہے بھلا؟''

سعدی نے سر جھٹکا اور توجہ اگلی آیات کی طرف مرکوز کی۔

''تو جب وہ (قاصد) آئے سلیمان کے پاس (تحفے لے کر) تو وہ کہنے لگا۔ کیا تم مال کے ذریعے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ تو جو اللہ نے مجھے عطا کر رکھا ہے' وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تم کو عطا کر رکھا ہے۔ بلکہ اپنے تحفوں کے ساتھ تم خود ہی خوش ہوتے ہو۔ واپس جاؤ ان کے پاس' ورنہ البتہ ہم ضرور ان کے پاس ایسے لشکر لائیں گے جن کے مقابلے کی طاقت ان میں نہ ہوگی۔ اور ہم ان کو ان کی بستی سے ذلیل کر کے نکالیں گے اور وہ پست ہو کر رہیں گے۔''

''سبحان اللہ!'' سعدی نے گہری سانس لی۔ ''تحفے تحائف دینا پسندیدہ عمل ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیا بھی کرتے تھے' لیا بھی کرتے تھے۔ مگر سلیمان علیہ السلام نے کیوں یہ تحفہ قبول نہیں کیا؟ کیونکہ یہ رشوت تھی۔ رشوت اس شے کو کہا جاتا ہے جو جائز کو ناجائز یا ناجائز کو جائز بنانے کے لئے دی یا لی جائے۔ ملکہ کا تحفے بھیجنا اس امر کی نشاندہی تھا کہ وہ معاملہ خوشامد سے رفع دفع کرنا چاہتی تھی۔ مگر سلیمان علیہ السلام ایسے پھندوں میں نہیں آتے تھے۔'' وہ رکا۔ ''مگر وہ کیوں نہیں آتے تھے ایسے پھندوں میں؟ کیا اس لئے کہ وہ پیغمبر تھے؟ نہیں' بلکہ اس لئے کہ ....'' اس نے آیت میں ہی جواب ڈھونڈا۔ ''اس لئے کہ انہوں نے اپنی نعمتوں کے بارے میں اعتراف کیا کہ یہ مجھے عطا کی ہیں اللہ نے۔ اور یہاں ان کے لاؤ لشکر' جنات' پرواز کی سواریاں مراد نہیں ہیں۔ یہاں مراد ہے' پیغمبری۔ کتاب کا علم۔ اللہ کا قرب۔ تو جو اللہ کے آگے سجدے میں سر رکھتا ہو' اس کا سر ان پھندوں میں نہیں پھنستا۔ ان کی یہ ساری شان' یہ انکار' یہ طریقہ' یہ ان کے اصولوں کی وجہ سے تھا۔ اور اللہ' یہ تو مجھے کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ کوئی پیغمبر کسی کو ذلیل نہیں کر سکتا' یہاں ذلیل کرنے اور پست کرنے سے مراد جنگ کی خونریزی ہے۔ سلیمانؑ ملکہ کے پورے ملک کے عوام کی آخرت کی فکر کر رہے تھے۔ اگر ملکہ اور سردارانِ قوم نے اسی طرح پورے ملک کو سورج کی پرستش پہ لگائے رکھا تو اس قوم کو درست راہ دکھانے کے لئے حکمران طبقے کو جنگ کے ذریعے ملک سے نکالنا بھی برا سودا نہ تھا۔''

وہ آیات اتنی دلچسپ تھیں کہ سعدی کو وقت گزرنے کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ حالانکہ اسے سب یاد تھا کہ آگے کیا ہوگا' مگر قرآن ہر دفعہ انسان پہ نئے طریقے سے اترتا ہے۔ اب سلیمانؑ کے دربار کا منظر بتایا جا رہا تھا۔

''سلیمانؑ نے کہا' اے سردارو' کون ہے تم میں سے جو ان کے مطیع ہو کر آنے سے قبل اس (ملکہ) کا تخت اٹھا کر میرے پاس لائے۔'' وہ لحظے بھر کو ٹھہرا اور مسکرایا۔

''ملکہ نے بھی کہا یا ایھا الملو (اے سردارو) سلیمانؑ نے بھی کہا' یا ایھا الملو (اے سردارو) ملکہ نے بھی ان کی قوت چیک کی' سلیمانؑ نے بھی ان کی طاقت جانچنی چاہی' مگر دونوں کا انداز مختلف تھا۔ سلیمان علیہ السلام نے مشورہ نہیں مانگا' رائے نہیں مانگی' صرف جواب مانگا' کیونکہ جو وہ کرنے جا رہے تھے' وہ نبوت کا معجزہ تھا اور کچھ معاملے ایسے ہوتے ہیں جہاں آپ کو دوسروں کی آراء کے اثر سے نکل کر فیصلے کرنے ہوتے ہیں۔ سلیمانؑ نے بھی اپنی مرضی کی' ملکہ نے بھی اپنی مرضی کی' مگر مجھے ہمیشہ لگتا ہے کہ چونکہ وہ ایک عورت تھی' اسی لیے اس کو صفائی اور وضاحتیں دینا پڑ رہی تھیں۔'' پھر اگلے الفاظ پہ نظر دوڑائی۔

''کہا جنات میں سے ایک عفریت (دیو) نے' میں اس (تخت) کو لاؤں گا تیرے پاس تیرے اس جگہ سے اٹھنے سے قبل' اور بے شک میں اس پہ قوی اور امین ہوں۔''

''کس جگہ سے اٹھنے سے قبل؟'' سعدی نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنا چاہا۔ چونکہ وہ عربی کا قرآن تھا' تفسیر لکھی ہوئی نہ تھی' اور دو دن سے اسکرین دیکھ دیکھ کر فوکس کم ہوتا جا رہا تھا۔ سو بدقت یاد آیا۔ ''سلیمان علیہ السلام کا دربار صبح سے نصف النہار تک لگا کرتا تھا' جن کا مطلب

تھا کہ دربار ختم ہونے سے پہلے لے آؤں گا۔ فلسطین' جہاں سلیمان علیہ السلام تھے' سے قوم سبا کے ملک کا فاصلہ ہزاروں میل پہ محیط تھا۔ وہ جن اس کو چند گھنٹے میں عبور کر سکتا تھا' مگر بے چارے کو بھی اس ہدہد کی طرح اپنی امانت کی صفائی دینی پڑ رہی ہے کہ میں اس تخت کے ہیرے موتیوں سے کچھ چراؤں گا نہیں۔ سلیمان علیہ السلام کا کتنا رعب تھا اپنی رعیت پہ۔ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے تھے کہ جو زیادہ ہنستا ہے اس کا رعب کم ہو جاتا ہے۔ مگر اپنے بڑوں کی ساری باتیں ہمیں عین موقعے پہ کیوں بھول جاتی ہیں؟''

گردن جھکائے رکھنے سے اس کی گردن دکھنے لگی تھی مگر یہ طے تھا کہ پڑھتے وقت' اس کو آگے پیچھے کا ہوش نہیں ہو سکتا تھا۔

''کہا اس شخص نے' جس کے پاس کتاب کا علم تھا' میں لاؤں گا اس (تخت) کو تیرے پاس تیرے پلک جھپکنے سے بھی پہلے۔'' (سعدی کو محسوس ہوا' اس کے بازوؤں کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے)۔ ''پھر جب دیکھا سلیمانؑ نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا' تو کہا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے' تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ کیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔ اور جو شکر کرتا ہے' تو یقیناً وہ شکر کرتا ہے اپنی ہی ذات کے لئے اور جو کفر (یعنی کفرانِ نعمت یا ناشکری) کرتا ہے' تو میرا رب تو بہت بے نیاز' بہت عزت والا ہے۔''

سعدی نے ہلکی سی جھرجھری لی۔ ہونٹ سکیڑ کر سانس خارج کی۔

''یہ شخص کون تھا' اور اس کے پاس کون سی کتاب کا علم تھا؟ آپ نے ہمیں یہ سب نہیں بتایا اللہ' بعض کہتے ہیں یہ خود سلیمانؑ ہی تھے مگر یہ قول کمزور ہے۔ زیادہ بہتر وہ رائے ہے کہ یہ ایک انسان تھا' اسرائیلیات اس کا نام آصف بتاتی ہیں' اس کے پاس کسی خاص کتاب کا علم تھا جو جادو نہیں تھا' اور وہ پلک جھپکتے میں تخت کو سلیمانؑ کے پاس لے آیا تھا۔ لوگوں کو عموماً یہ آیت بہت ہی fascinate کرتی ہے۔ مجھے اس سے اگلے الفاظ زیادہ fascinate کرتے ہیں۔ پلک جھپکتے میں ہزاروں میل کا فاصلہ عبور کر کے تخت آ جاتا ہے سلیمانؑ کے پاس' اور وہ کہتے ہیں یہ میرے رب کا فضل ہے۔ ہمارے پاس جب پلک جھپکتے میں ہزاروں میل دور سے کوئی ای میل' کوئی فیکس' کوئی ویڈیو کال آ جاتی ہے' تو ہم کہتے ہیں' یہ سائنس کا فضل ہے' اسکائپ کا فضل ہے۔ وائی فائی کا فضل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ سلیمانؑ نے اس ذی علم شخص کی تعریف نہیں کی ہوگی' یقیناً کی ہوگی مگر پہلی تعریف اللہ کی بیان کی۔ یہ سب سائنس کے کرشمے ہیں' اسکائپ' وائی فائی' سب' لیکن ہم' پہلی تعریف اللہ کی بیان نہیں کرتے۔ اللہ ہمیں نعمتوں سے اس لئے نہیں نوازتا کہ ہم بہت نیک ہوتے ہیں' بلکہ اس لئے نوازتا ہے کہ ہم ان کے بعد بھی نیک رہتے ہیں یا نہیں۔ ذکر نعمتوں کی حفاظت کرتا ہے' اور شکر نعمتوں کو بڑھاتا ہے۔ اور اگر کوئی ناشکری کرے' اور اللہ آپ نے ناشکری کے لئے ''کفر'' کا لفظ استعمال کیا' تو اللہ ناشکروں سے بے نیاز ہے' اور ان کی تعریف کے بغیر بھی اتنا ہی باعزت ہے۔''

وہ عموماً اتنی زیادہ آیات پہ اکٹھے غور و فکر نہیں کیا کرتا تھا' مگر فی الحال اس قصے کو بیچ میں ادھورا چھوڑنا اس کے لئے ناممکن تھا۔ وقت' کمرے میں چھائی ٹی وی کی نحوست' قید کا احساس' سب ختم ہو کر رہ گیا تھا۔

''سلیمانؑ نے فرمایا' بدل ڈالو اس کے لئے اس کا تخت' ہم دیکھتے ہیں کہ وہ (ملکہ) ہدایت پاتی ہے یا بے ہدایت لوگوں میں سے ہو جاتی ہے؟ تو جب وہ آ گئی' اس سے پوچھا گیا' کیا اسی طرح ہے تیرا تخت؟ بولی ''گویا کہ یہ وہی ہے۔ اور ہم دیے گئے علم اس سے پہلے ہی اور ہم تھے اطاعت گزار۔''

''ان الفاظ میں کتنی وسعت ہے نا اللہ۔ ان کے بارے میں بھی دو آراء ہیں' ایک یہ کہ یہ پوری سطر ملکہ کا کلام ہے' دوسری یہ کہ ملکہ نے صرف تذبذب سے صرف اتنا کہا ''گویا کہ یہ وہی ہے'' صاف پہچانا بھی نہیں' صاف انکار بھی نہیں کیا' اور آگے کے الفاظ سلیمانؑ کے ہیں۔ یہ مجھے زیادہ بہتر رائے لگتی ہے۔ کاش قرآن پڑھنے والوں میں بھی اتنی ہی وسعت آ جائے جتنی قرآن کی آیات میں ہے۔''

اس نے توجہ اگلے الفاظ کی طرف مبذول کی جہاں اللہ فرما رہا تھا۔

''اور روکا تھا اس (ملکہ) کو اس (سورج) نے جس کی وہ عبادت کرتی تھی اللہ کے سوا۔ بے شک وہ کافروں میں سے تھی۔''

''روکا تھا؟'' وہ ایک دم چونکا۔''اللہ کی عبادت کرنے سے آپ کو کیا چیز روکتی ہے؟ فجر پہ آپ کی آنکھوں پہ کیا چیز بوجھ ڈالتی ہے اور اٹھنے نہیں دیتی؟ صرف نیند میں اتنی طاقت نہیں ہوتی۔ یہ وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کی آپ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں۔ عبادت کہتے ہیں عاجزی وانکساری سے کسی کے سامنے جھک جانے کو۔ مجھے یاد آرہا اللہ' آپ نے ایک جگہ قرآن میں بتوں کی عبادت کرنے والوں کے لئے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ'' کیوں ہو تم ان کے آگے جم کر بیٹھنے والے۔'' تو جس بری چیز کے آگے ہم جم کر بیٹھتے ہیں' مبہوت' مسحور سے' وہ ہمارے ''۔۔۔ ہوتے ہیں۔'' پلٹ کر ایک خفا نگاہ ٹی وی کی تاریک اسکرین پہ ڈالی۔''اور جتنی زیادہ ان معبودوں کی مداخلت زندگی میں بڑھے گی' اتنی نماز کم ہوگی' یہ تو طے ہے۔'' پھر اس نے دھیان آج کے سبق کی آخری آیت پہ لگایا۔

''کہا گیا' ملکہ سے' داخل ہو جا محل میں (جو شیشوں کا بنا تھا) تو جب اس نے دیکھا اس (شیشے کے فرش کو)' سمجھی اس کو حوض' اور پنڈلیوں سے (لباس) اوپر اٹھا لیا' تو فرمایا سلیمانؑ نے' بے شک وہ ایک محل ہے چکنا شیشے کا بنا۔ تو کہنے لگی' اے میرے رب' بے شک میں نے ظلم کیا اپنی جان پر' اور میں اسلام لاتی ہوں سلیمانؑ کے ساتھ' اللہ رب العلمین کے لئے!''

''شیشے کا محل!'' سعدی نے ٹھنڈی سانس بھرتے مقدس کتاب بند کی۔'' کہتے ہیں اس محل کا کرسٹل کلیئر گلاس فلور تھا اور اس کے نیچے پانی بہتا تھا۔ ملکہ جو پہلے ہی اتنی متاثر ہو چکی تھی' اس اعجاز کو دیکھ کر تسلیم کرنے پہ مجبور ہو گئی کہ سلیمانؑ' اللہ کے رسول ہیں' اور جس شے پہ وہ ہیں' وہ صحیح ہے' اور اس کی ساری زندگی کی عبادت اور ریاضت غلط تھی۔ میں نے اللہ تعالیٰ اس آیت سے ہمیشہ ایک بات محسوس کی ہے۔ دین کی تبلیغ کرنے کے لئے صرف تقریر نہیں کرنی ہوتی' دوسروں کو متاثر بھی کرنا ہوتا ہے۔ سلیمانؑ نے پرندے کے ذریعے خط' تخت کو لے آنے' اور ممرد شیشے کے محل سے ملکہ کو متاثر کیا' کیونکہ سلیمانؑ کا معجزہ جنات' چرند پرند' اور ایسی مخلوقات اور علوم کا مسخر کرنا تھا۔ انہوں نے اپنے معجزے سے ملکہ کو متاثر کیا۔ یہ قصہ پڑھ کر میرے جیسا عام انسان تھوڑا احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ بھئی ہمارے پاس تو نہیں ہیں شیشے کے محل' اور جنات کے لشکر' اڑنے والے تخت' دربار اور بادشاہی۔ مگر.... ہمارا معجزہ یہ شان وشوکت ہے بھی نہیں۔ ہماری امت کا معجزہ ہے'' قرآن'' اور ہمیں قرآن سے لوگوں کو متاثر اور مسحور کرنا ہوگا۔ کبھی قرآن سنا کر اور کبھی خود چلتا پھرتا قرآن بن کر۔ تب ہماری تبلیغ دھیان سے سنی جائے گی۔'' اس نے کو ہاتھوں میں گرا کر وہ اب دعا مانگنے لگا۔ چونکہ تلاوت ختم ہو چکی تھی تو کمرے کی وحشت ویسی ہی محسوس ہونے لگی۔ گویا کہ وہ پہلے سے موجود تھی۔ مگر وہ وہاں موجود تھی' یہ چیزیں تیزی سے ختم نہیں ہوا کرتیں۔

سعدی نے نوٹ بک اٹھائی اور اس پہ وہی الفاظ لکھے جو فارس نے لکھے تھے۔ Haman۔

سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کے ملک کے لوگوں کی دنیا وآخرت بچائی اپنی ''نعمت'' استعمال کر کے۔ اس کو اپنی جان بچانی تھی اپنا ٹیلنٹ استعمال کر کے۔ اور وہ سرخ اسکارف والی لڑکی ٹھیک کہتی تھی۔ اس کو صرف ایک چیز یہاں سے نکال سکتی تھی۔ اس کی زبان۔

ایک عزم کے ساتھ اس نے ان حروف پہ کانٹا لگایا۔ مگر یہ صرف کانٹا نہیں تھا۔

یہ صلیب تھی!

.....❖❖❖.....

یہ اداسیوں کے موسم یونہی رائیگاں نہ جائیں ..... کسی یاد کو پکارو ، کسی درد کو جگاؤ

سرما دھیرے دھیرے شہر کو لپیٹ میں لے رہا تھا۔ انیکسی میں عجیب ہو کا عالم تھا۔ اسامہ ٹی وی سے بے زار کونے میں اسکول کا کام لے بیٹھا تھا۔ ابا کمرے میں لیٹے تھے۔ ندرت نے ریسٹورانٹ جانا چھوڑ رکھا تھا' وہیں کچن کی گول میز پہ بے خیال' کھوئی کھوئی سی بیٹھی رہتیں۔ حنین زمر سے کہتیں ان کو فارس سے ملنا ہے' پھر خود ہی ارادہ بدل دیتیں۔ ان کی نمازیں لمبی ہو گئی تھیں۔ باتیں گھٹ گئی تھیں۔ سب کے کمروں کی ترتیب بھی بدل گئی تھی۔ صداقت اب ابا کے ساتھ سوتا تھا' سیم اور پرندرت کے ساتھ' اور حنین زمر کے ساتھ۔ کون کس سے خوفزدہ تھا' یا کون کس کا

خیال رکھنا چاہ رہا تھا' یہ سوچنے کے دن نہیں رہے تھے۔

حنہ اس وقت نیچے بیسمنٹ میں تھی۔ اوپر زمر کے کمرے کی بتی مدھم تھی اور اندر وہ چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے بیٹھی نماز پڑھ رہی تھی۔ سلام پھیر کر اس نے خالی خالی نظروں سے ویران کمرے کو دیکھا۔ خالی صوفے کو دیکھا۔ اس کی اَن چھوئی الماری کو دیکھا۔ وہ ہوتا تھا تو اس کی موجودگی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ وہ نہیں تھا تو ہر شے گواہی دے رہی تھی کہ وہ نہیں ہے۔ کیسے اس کے خاندان نے چار سال گزارے ہوں گے اس کے بغیر؟ زمر کا چہرہ جھک گیا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ہاتھ پیالہ صورت اٹھائے۔

''میں نے بہت غلط کیا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ۔ وہ بے گناہ تھا مگر میں نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ میں نے اس کو اس جہنم سے نہیں نکالا۔ میں کیسے اس گلٹ سے نکلوں؟ وہ اچھا انسان ہے مگر مجھے اس سے کوئی محبت، کوئی نفرت کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں، دل میں، میں اب بھی اسے پسند نہیں کرتی۔ مگر مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ پلیز میری مدد کریں۔ کوئی راستہ نکالیں۔ مجھ سے بات کریں۔'' آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے گر رہے تھے۔ دل بھی دکھی تھا۔ تبھی سیڑھیاں چڑھنے کی آواز آئی' اور وہ اپنے خاندان کے ہر بندے کی مختلف چاپ پہچانتی تھی۔ فوراً آنکھیں رگڑ دیں۔

دروازہ کھلا اور حنین اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ پھر بیڈ پہ گرنے کے سے انداز میں لیٹ گئی۔ دفعتاً گردن اونچی کر کے اسے دیکھا۔ وہ جائے نماز تہہ کر کے کھڑی ہو رہی تھی۔

''میں کتنی دیر پہلے آئی تھی' آپ تب بھی نماز پڑھ رہی تھیں۔''

''اتنا وقت تو لگ ہی جاتا ہے۔'' وہ رسان سے کہتی میز پہ جائے نماز رکھتی دوپٹے کو کھولنے لگی۔ حنہ کہنی کے بل اونچی ہوئی' اور ہتھیلی تلے گال رکھ کر اسے دیکھا۔

''آپ اتنی لمبی نماز میں کیا پڑھتی ہیں؟''

''ساری مسنون دعائیں!'' وہ رخ موڑے کھڑی اب دوپٹے سے بال آزاد کر رہی تھی۔

''کون سی ساری دعائیں؟ میں تو سبحٰنک اللّٰھم پڑھتی ہوں' پھر سورۃ فاتحہ' پھر قل ھواللہ' پھر رکوع' سجدہ' التحیات' درود' رب اجعلنی اور پھر سلام۔'' چٹکی میں حنہ کی نماز ختم ہو گئی تھی۔

''تم ہر اسٹیپ کی صرف ایک دعا پڑھتی ہو؟'' رخ ابھی تک موڑے وہ بال برش کرنے لگی۔

''ہاں' تو ہر اسٹیپ کی ایک ہی دعا ہوتی ہے' ہمیں مولوی صاحب نے ایسے ہی سکھائی تھی بچپن میں۔'' زمر اس کی طرف گھومی۔ آنکھوں کا گلابی پن اب کم تھا۔ ''اور مولوی صاحب نے کہاں سے سیکھی تھی نماز؟''

''اپنے مولوی صاحب سے۔ سوری.... مطلب حدیث کی کتابوں سے۔'' گڑبڑا کر تصحیح کی۔

''ہم سب کو نماز سکھائی ہے رسول اللہ ﷺ نے۔ انہوں نے ہر اسٹیپ کی کئی دعائیں سکھائی تھیں۔ یہ بھی فرمایا کہ جو تین دفعہ سبحان ربی العلی سجدے میں پڑھتا ہے تو اس کا سجدہ تو ہو جاتا ہے' مگر وہ ادنیٰ درجے کا ہوتا ہے۔''

''کیا مطلب؟ ہم سبحان ربی العلی نہ پڑھا کریں؟''

''اف میں نے یہ کب کہا کہ نہ پڑھا کریں۔ یہ تو لازمی ہے پڑھنا۔ مگر رکوع و سجود کو ''اعلیٰ'' یعنی بہترین بنانے کے لئے دوسری دعائیں بھی پڑھنی ہوتی ہیں۔ نماز ان کے بغیر بھی ہو جاتی ہے' مگر ان کے ساتھ زیادہ اچھی ہوتی ہے۔''

''دوسری دعائیں؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ایک دم پریشان۔ ''ہاں بھائی بھی شاید پڑھتا تھا' مگر مولوی صاحبان کیوں پوری نماز نہیں سکھاتے!''

''کیونکہ وہ ایک چھے سال کے بچے کو ایک دم بوجھل نہیں کرنا چاہتے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ بڑا ہو کر خود ہی سیکھ لے گا۔ یہ ساری دعائیں احادیث کی صحیح کتب میں درج ہیں جن میں کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ مگر بڑے ہو کر کوئی نہیں سیکھتا کیونکہ نوے فیصد مسلمانوں کو علم ہی نہیں ہوتا کہ نماز کی اور دعائیں بھی ہیں۔ یا یہ کہ قل ھواللہ کی جگہ قرآن کی دوسری سورتیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔'' وہ وہیں ڈریسر کے اسٹول پہ الٹی ہال برش کرتے کہہ رہی تھی۔

حنین الجھ گئی تھی۔ ''تو وہ جو ہم سنتے ہیں کہ ہمارے بزرگ لمبی لمبی نمازیں پڑھتے تھے' وہ اس لئے کہ وہ ان میں تمام دعائیں پڑھتے تھے؟''

''بالکل۔''

''میں سمجھی الفاظ لٹکا لٹکا کر پڑھتے ہوں گے۔ سوری۔'' ذرا شرمندہ ہوئی۔ ''اچھا' مجھے بھی بتائیں' کون سی دعائیں پڑھنی ہیں۔''

''حنہ۔'' وہ حنہ کی طرف گھومتے اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی۔ ''تم ایک باشعور پڑھی لکھی لڑکی ہو۔ تمہیں نصیحت کرنا میرا کام ہے' نہیں منہ میں نوالے دینا میرا کام نہیں ہے۔ میں ناصح ہوں' استاد نہیں۔ تم اگر ناولز پڑھ سکتی ہو' کمپیوٹر استعمال کر سکتی ہو' تو تم احادیث کی کتابیں بھی خود کھول کر ساری دعائیں یاد کر سکتی ہو۔ تمہیں اپنی نماز کو اعلیٰ بنانے کے لئے خود محنت کرنی ہوگی۔''

''اچھا!'' اس کا چہرہ اتر گیا۔ (ایک دو دعائیں بتا دیتیں تو کیا ہوتا؟)

''اور تم بالکل بھی نماز نہیں پڑھتی ہو حنہ۔'' اس نے نرمی سے کہا تھا۔ حنین لب کاٹتے بستر پہ لکیریں کھینچنے لگی۔

''دیکھیں میں فجر پہ نہیں اٹھ پاتی۔ فجر نہ پڑھوں تو باقی پڑھنے کا کیا فائدہ؟''

''فائدے نقصان کے لئے نماز نہیں پڑھی جاتی' ایکسرسائز اور صحت کے لئے بھی نہیں پڑھی جاتی' نماز اللہ کو خود سے راضی رکھنے کے لئے پڑھی جاتی ہے۔ دیکھو حجاب کرنا یا نہ کرنا ایک اچھی مسلمان اور ایک کم اچھی مسلمان لڑکی میں فرق کرتا ہے، سچ اور جھوٹ مومن اور منافق میں فرق کرتا ہے، مگر نماز مسلمان اور کافر میں فرق کرتی ہے۔ جو نماز نہیں پڑھتا وہ مسلمان نہیں ہوتا۔''

''یار اب ایک دم سے مجھے کافر تو نہ بنا دیں۔''

''سوری حنہ، مگر یہ بات میں نہیں کہہ رہی۔ یہ حدیث کی کتابوں میں لکھی ہے۔ نماز کے بغیر ہم مسلمان کیسے ہو سکتے ہیں؟''

''مگر زمر مجھ سے فجر پہ نہیں اٹھا جاتا۔ آپ کو لگتا ہے میں کوشش نہیں کرتی؟ کرتی ہوں۔ الارم بجتا ہے' امی بھائی سب اٹھاتے ہیں۔ میں نہیں نہیں نہیں اٹھ سکتی۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''الارم کلاک باتھ روم میں رکھ کر سویا کرو۔ اٹھ جاؤ گی۔'' ایک وقت کے لئے اتنی نصیحت کافی تھی' وہ بال لپیٹتے اٹھی۔ ''اب بتاؤ' جو کام میں نے تمہیں دیا تھا' وہ کر لو گی؟ اچھا اب یوں دل مسوس کر نہ بیٹھو' تمہیں تو اتنی ساری قرآنی سورتیں حفظ ہیں' جب تک نماز کی دعائیں نہیں ملتیں' انہی کو سورۃ اخلاص کی جگہ پڑھ لیا کرو۔ یاد تو ہیں نا وہ؟''

''وہ؟'' وہ چونکی۔ ''جی جی یاد ہیں۔'' جلدی سے نگاہیں جھکائیں اور ٹیبلیٹ سامنے کر لیا۔

ایک حافظِ قرآن کے لئے کسی دوسرے کو یہ بتانا یا سمجھانا کہ وہ قرآن بھول چکا ہے' بہت مشکل' بہت تکلیف دہ تھا۔

.....❖❖❖.....

خود کو سنتے ہیں اس طرح جیسے ..... وقت کی آخری صدا ہیں ہم

اس رات سعدی اپنے کمرے میں آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹا، نیند میں تھا جب ایک دم اس کے وجود میں بے چینی سی پھیلی۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ اف۔ دی گوسٹ اینڈ دی ڈارکنیس اتنی دفعہ دیکھنے کے باعث خواب بھی جنگلوں اور شیروں والے آ رہے

تھے۔وہ فلم کا منظر مسلسل پوری رات خواب میں دیکھتا رہا تھا۔کیا زندگی میں یہ غارت گر کم تھے جواب خواب میں بھی انہی کو دیکھنا ہوگا؟ وہ دائیں جانب کروٹ لیتے، گال تلے دونوں ہاتھ رکھے، اسی فلم کی کہانی سوچنے لگا۔وہ نیشنل جیوگرافک ٹائپ کے چینل نہیں دیکھتا تھا، اس کا خیال تھا کہ انسانوں کے مسائل زیادہ توجہ طلب ہیں۔مسز کاردار دیکھتی تھیں ایسے شوز۔اکثر اس کو بتایا کرتیں۔وہ سونے کی کوشش کرتے ہوئے، آنکھیں موندے گھوم پھر کر اسی نہج پہ سوچنے لگا...جواہرات...وہ مادہ غارت گر کی کہانی...اور اگلی ملاقات میں اس کی اتنی بے عزتی کرنا...وہ میری سے بات کر رہا تھا...ان کو اچھا نہیں لگا تھا...اس کا ذہن نیند میں ڈوب رہا تھا...میری کے الفاظ کی بازگشت ہر سو سنائی دے رہی تھی...وہ مجھ سے خائف رہتی تھیں سعدی...جیسے ان کو مجھ سے کوئی ڈر ہو...ان کی ایما پہ فیونا نے مجھے نوکری سے نکلوایا...آخری دفعہ میں نے ان کو دیکھا تھا...اورنگزیب کے باتھ روم کے پچھلے دروازے سے نکلتے...پچھلے دروازے.....بیک ڈور...پچھلا دروازہ...

وہ ایک دم بجلی کی سی تیزی سے اٹھ بیٹھا۔اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا اور چہرے پہ پسینہ تھا۔گھبرا کر وہ بستر سے اترا اور ساری بتیاں جلا دیں۔پیشانی پہ ہاتھ پھیرا۔جسم کانپ رہا تھا۔

پھر جلدی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔چست گارڈ نے فوراً کھولا۔

''میری کو بلاؤ۔'' وہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔گارڈ نے آواز دی۔میری نیند سے بھری آنکھوں سے بھاگتی آئی۔''کیا ہوا؟'' وہ پریشان ہوگئی تھی۔سعدی نے اسے اندر آنے دیا اور پھر دروازہ بند کر دیا۔

''اس کمرے میں کوئی سننے کا آلہ، کوئی ریکارڈر تو نہیں ہے نا؟''

''نہیں۔یہ لوگ اتنے فارغ نہیں ہیں کہ تمہاری باتیں سنیں۔کیا ہوا ہے؟''

''تم نے مسز کاردار کو اورنگزیب کاردار کے باتھ روم سے نکلتے دیکھا تھا نا؟'' وہ سانس روکے اس کو دیکھتے پوچھ رہا تھا۔میری کے چہرے کا رنگ بدلا۔آہستہ سے صوفے پہ بیٹھی۔''ہاں۔'' وہ تیزی سے اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا۔

''اگر مسز کاردار کے وہاں سے نکلتے وقت اورنگزیب زندہ تھے تو انہوں نے وہ دروازہ ضرور لاک کیا ہوگا۔میں نے سنا تھا ہاشم نے باتھ روم کا دروازہ توڑ کر مردہ باپ کو وہاں سے نکالا تھا۔یاد کرو میری.....یاد کرو۔دروازہ توڑنے سے پہلے پچھلا دروازہ چیک کیا تھا کسی نے؟''

''وہ لاکڈ تھا۔'' میری خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔

''کس نے چیک کیا تھا؟ تم نے؟''

''میں کرنے لگی تھی، مگر....مسز کاردار نے مجھے نوشیرواں کو بلانے بھیجا، انہوں نے ہی چیک کیا تھا۔''

سعدی نے تھکی تھکی سانس اندر کھینچی۔''اور جب دروازہ ٹوٹا تو...؟''

''تو میں نے دیکھا، پچھلے دروازے کی کنڈی کھلی تھی۔سعدی میں فلپینو میڈ ہوں، میں گھر کے چپے چپے پہ نظر رکھتی ہوں، مجھے اچھی طرح یاد ہے کنڈی کھلی تھی، مگر جب میں ڈاکٹر کو کال کر کے آئی تو کنڈی بند تھی۔'' وہ اب بھی گویا نیند میں بول رہی تھی۔

''اور تمہیں ڈاکٹر کو کال کرنے مسز کاردار نے بھیجا ہوگا؟'' میری نے اثبات میں سر ہلایا۔سعدی اٹھا اور اسٹڈی ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھا۔وہ گہری سوچ میں گم لگتا تھا۔میری جیسے نیند سے جاگی۔''تم بھی وہی سوچ رہے ہو جو میں سوچ رہی ہوں سعدی؟''

''شش!'' اس نے ہونٹوں پہ انگلی رکھی۔''دیواروں کے کان ہوتے ہیں میری، اور یہ بات کسی اور کو نہیں معلوم ہونی چاہیے۔'' پھر انگلیاں بالوں میں پھنساتے سر نیچے گرا لیا۔میری اب بھی بے یقین تھی، مگر وہ حیران نہیں تھی۔

''میں پچھلے ڈیڑھ دو سال سے یہی سوچتی آئی ہوں سعدی۔مگر میں اتنا بڑا نتیجہ نکالنے سے ڈرتی تھی۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''تم یہاں سے نکلنا چاہتی ہو میری؟'' اس نے ایک دم سر اٹھا کر پوچھا تو میری کو اس کی آنکھوں میں چمک دکھی تھی۔

ہتھ قیدی جن کے ہاتھ پیر زنجیروں میں تھے' وہ ایک دم سے سامنے آئے تھے' ان کے چہرے ...اف...حنہ خوف سے جم گئی' مگر زمر نے کہنی سے کھینچ کر اسے سائیڈ پہ کیا۔ وہ دونوں ہنستے ہوئے انہیں دیکھتے آگے بڑھ گئے۔ حنین کے ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ بمشکل دو قدم مزید چل پائی۔

''مجھے گھر جانا ہے' واپس!'' وہ ہمت ہار چکی تھی۔ زمر نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''میں نے کہا تھا تم لوگوں کو نہیں آنا چاہیے۔''

''میں تو ٹھیک ہوں۔'' سیم واقعی ٹھیک نظر آ رہا تھا مگر وہ رو دینے کے قریب تھی۔

''آپ مجھے واپس چھوڑ کر آئیں۔ ابھی اسی وقت۔'' اس نے نم آنکھوں سے زمر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ گہری سانس لے کر واپس مڑ گئی۔

واپسی پہ کورٹ رومز کے کھلے دروازے ان کے بائیں ہاتھ تھے۔ حنہ نے وحشت اور خوف کے احساس کے باوجود گاہے بگاہے اندر جھانکا۔ ایک سو دس دفعہ لعنت ہو امریکی ڈراموں پہ۔ وہ کورٹ رومز بالکل بھی امریکی ڈراموں جیسے نہ تھے۔ ہاں بھارتی فلموں سے تھوڑی بہت مشابہت رکھتے تھے' مگر بھارتی فلموں والے کورٹ رومز گندے میلے اور لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوتے تھے۔ یہ صاف ستھرے تھے۔ لکڑی کا کام بھی سنہرا چمک دار تھا۔ مگر ڈراموں فلموں کے برعکس ان میں وہ کرسیوں کی لمبی لمبی دو قطاریں نہیں تھیں۔ بلکہ کرسیاں تو صرف دو تین پڑی تھیں۔ باقی اوپر جج کا بنچ اور دونوں طرف کٹہرے بنے تھے۔ شور ہی شور۔ وہ ڈراموں والی پر تقدس خاموشی ناپید تھی۔

کار میں واپس بیٹھتے ہوئے اس نے زمر سے کہا تھا۔ ''میں بالکل' بالکل' بالکل بھی وکیل نہیں بننا چاہتی۔'' اور خفگی سے اندر بیٹھ کر دروازے لاک کر دیے۔ سیم کو بھی اندر بٹھا لیا۔ وہ ناخوش تھا مگر اسے اپنی بہن کا خیال رکھنے کے لیے وہاں بیٹھنا تھا کیونکہ وہ گھر کا بڑا مرد تھا۔

زمر بار بار گھڑی دیکھتے جب واپس آئی تو مجسٹریٹ کے کمرے کے باہر اسے احمر کھڑا نظر آیا تھا۔ اس نے بھی زمر کو دیکھ لیا۔ سو تیزی سے قریب آیا۔ ''مسز زمر۔'' وہ فکرمند لگ رہا تھا۔ ''میں نے بہت کوشش کی مگر آئی ایم سوری میں پرچہ کٹنے سے نہیں روک سکا۔ ہوا کیا ہے؟''

''اس کو پھر سے فریم کیا گیا ہے۔ مرڈر کیس ہے' اور اس کے پاس alibi بھی نہیں ہے۔''

''اوہ ہو۔'' وہ ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ زمر کو معلوم تھا کہ اسے کس کا انتظار ہے۔

''احمر' آپ کے یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

''وہ میرا دوست ہے۔'' زمر نے گہری سانس لی۔

''فی الحال وہ ایسا نہیں سمجھتا۔'' احمر نے ابرو تعجب سے بھینچے۔ وہ جواباً جتنے مختصر الفاظ استعمال کر سکتی تھی' کر کے ساری کتھا سنا ڈالی۔ احمر کی فکرمندی، پریشانی میں بدل لی۔

''جی، میں نے یہی کہا تھا ہوٹل والوں سے کہ میں جسٹس ڈیپارٹمنٹ سے ہوں' اور کیا کہتا؟ اس روز وہ ہارون صاحب کی رہائش گاہ پہ آیا تھا تو اس نے مجھ سے سوال جواب کیے تھے' میں نے محتاط جواب دیے' جھوٹ نہیں بولا۔''

''اور ہاں آپ نے مجھے ٹیکسٹ بھیجا تھا کہ آپ کو کال کروں؟ گیس واٹ' وہ ٹیکسٹ میں نے صبح دیکھا' کیونکہ وہ مجھ سے پہلے فارس کھول چکا تھا۔'' اور اس کی ٹون نہ چاہتے ہوئے بھی ملامتی ہو گئی۔ ''ایسی کیا خاص بات تھی؟''

احمر ایک دم شرمندہ ہو گیا تھا۔ ''وہ تو...کچھ بھی نہیں تھا۔'' ذرا ٹھہر کر بتانے لگا۔ ''میں شادی کر رہا ہوں' فاطمہ سے' کیمپئن ٹیم میں میرے ساتھ کام کرتی ہے' میں اسے منگنی کا کیا تحفہ دوں یہی پوچھنا چاہتا تھا' پلیز برا مت منائیے گا' نہ میں آپ کا کوئی کولیگ ہوں نہ دوست' مگر آپ سے زیادہ میرے حلقہ احباب میں کوئی sophisticated نہیں ہے۔ صرف اس لئے۔ میں غازی کو وضاحت دے دوں گا۔''

زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ ''خیر' مبارک ہو آپ کو۔ مگر اس وقت' آپ کو دیکھ کر وہ کچھ الٹا سیدھا بول دے گا' آپ ابھی چلے جائیں' جب وہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو میں آپ کی ملاقات کروا دوں گی۔'' اور وہ متامل' متذبذب سا لوٹ گیا۔

''اپنا خیال رکھنا فارس!'' وہ اب جانے کے لئے اٹھ رہی تھی۔ فارس بھی کھڑا ہو گیا۔

''عجیب بات ہے سارہ، سعدی کے بارے میں سوشل میڈیا، پولیس، رپورٹرز سب نے کہا تھا کہ اسے ''پہلے'' مارا پیٹا گیا، گولی ''بعد'' میں ماری گئی، کیونکہ گولیاں عموماً آخر میں ہی ماری جاتی ہیں، مگر اس کے ڈاکٹر نے ایک دن یونہی مجھے بتایا کہ ایسا لگتا ہے جیسے اسے ''پہلے'' گولیاں ماری گئیں، پھر مار پیٹ کی گئی۔''

''اس میں عجیب کیا ہے؟'' وہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔ فارس اس کی آنکھوں کا رنگ دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا۔

''صرف یہی کہ آپ کو بھی درست ترتیب معلوم ہے۔'' سارہ کا سانس ایک دم تھم گیا۔

''نہیں، میں تو بنا سوچے بول رہی تھی۔ اب تو اپنی باتیں خود بھی نہیں یاد رہتیں۔'' بدقت مسکرائی۔

''آف کورس، میں تو یونہی کہہ رہا تھا۔'' فارس نے سر کو خم دے کر احترام سے اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

سارہ کے جانے کے قریباً آدھے گھنٹے بعد وہ زمر کے ساتھ اسی کمرے میں بیٹھا تھا۔ سارہ کے برعکس وہ جو اس ماحول کی عادی تھی' سامنے بیٹھی سنجیدگی سے نوٹ پیڈ پہ قلم گھسیٹتی اسے کل کا لائحہ عمل لکھ کر بتا رہی تھی۔ (دیواروں کے کانوں کی کیا خبر) ساتھ ہی بار بار شیشے کی چھوٹی بوتل سے پانی کا گھونٹ بھی بھرتی اور رکھ دیتی۔

''چونکہ بدقسمتی سے میں تمہاری وکیل ہوں' اس لیے اپنے اور قمرالدین صاحب کے تعلقات کی تفصیل بتاؤ مجھے۔''

''مجھے یاد نہیں۔'' وہ بے زاری سے سر جھٹک کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''فارس ایسے نہیں چلے گا۔ میں تمہارا کیس کیسے لڑوں گی جب تم مجھے کچھ بتاؤ گے ہی نہیں؟''

''تو مت لڑیں۔ میں نے نہیں کہا لڑنے کو۔'' اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے شانے اچکائے۔ زمر نے بمشکل ضبط کیا۔

''میری بھی مجبوری ہے فارس غازی۔ کیونکہ میں نہیں بھولی کہ ہم ایک ٹیم ہیں! اس لیے مجھے کچھ تو بتاؤ تاکہ میں ٹرائل کی تیاری کر سکوں۔''

وہ ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' اسے دیکھتا رہا۔ ''مجھے یاد نہیں۔''

''پھر سڑو حوالات میں!'' وہ کھول کر اٹھی' شیشے کی بوتل' اور فائلز اٹھائیں اور دروازے کی طرف بڑھی۔

''جیسے اس ملک میں واقعی قانون نام کی کوئی چیز ہے۔'' وہ سر جھٹک کر بڑبڑایا تھا۔

زمر دروازے پہ رکی۔ مڑی نہیں۔ ''کیا کہا تم نے؟''

''جائیں زمر بی بی۔ میرے پاس آپ سے بحث کرنے کا وقت نہیں ہے۔'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

زمر دو قدم آگے آئی' فائلز میز پہ دھریں' اور غرائی۔ ''میں نے پوچھا... کیا... کہا تم نے۔''

''میں نے کہا' جیسے اس ملک میں واقعی قانون نام کی کوئی چیز ہے۔''

زمر کے کان سرخ پڑے' چہرہ دہکنے لگا۔ خالی ہاتھ اور بوتل والا ہاتھ میز پہ رکھ کر آگے کو جھکی۔ ''کیسے کہہ سکتے ہو تم کہ اس ملک میں قانون نہیں ہے؟ اس ملک میں کوئی قانون پہ چلنے والا نہیں ہے؟ اگر اس ملک میں کوئی ایماندار نہ ہوتا تو تمہارا بھائی کیسے ایماندار تھا؟ یہ ملک زندہ کیسے ہے اگر اس میں قانون نہ ہو؟ اور پلیز مت شروع کرنا میرے سامنے اپنے ٹرائل کا ذکر۔ ہاں ٹھیک ہے' نہیں ہوا تمہارا فیئر ٹرائل' تم بری بھی بلیک میلنگ کے ذریعے ہوئے تھے۔ تمہیں ''انصاف'' نہیں ملا عدالت سے' لیکن اپنے اس بددماغ سے دماغ میں یہ بات بٹھا لو فارس غازی کہ اس ملک' بلکہ دنیا کے ہر ملک کی عدالتیں ''انصاف کی عدالتیں'' نہیں ہوتیں' وہ ''قانون کی عدالتیں'' ہوتی ہیں۔ اگر اس ملک میں قانون نہ ہوتا تو مجرموں کو ملک سے راتوں رات بھاگنا نہ پڑتا' لوگ گواہوں کو نہ خریدتے' پاسپورٹ پہ بیک ڈیٹ میں ایگزٹ اسٹیمپ نہ

لگاتے۔ اگر اس ملک میں قانون نہ ہوتا تو مجرم دھڑلے سے جرم کر کے عدالت میں تسلیم بھی کر لیتے مگر کوئی.... کوئی نہیں تسلیم کرتا عدالت میں کیونکہ اسے پتہ ہے اگر تسلیم کر لیا تو فیصلہ قانون کے مطابق ہوگا۔ اسی ملک میں عدالتوں نے کئی دفعہ ہر خطرے' اور ہر دھمکی سے بے خوف ہو کر بڑے بڑے نڈر فیصلے بھی کیے ہیں۔ اسی ملک میں بڑے بڑے لوگوں کو ان چھوٹے چھوٹے ججز نے جیل بھیجا ہے۔ اگر اس ملک میں قانون نہ ہوتا تو کوئی ایک شخص بھی رات کو سو نہ سکتا' مگر ہم سب سوتے ہیں' کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ ابھی اتنی بھی اندھیر نگری نہیں مچی۔ قانون کمزور ہے، بے بس ہے، مگر وہ ''ہے''۔ وہ ہے تب ہی تو اس سے گلہ ہے۔ اس ملک میں... فارس غازی... قانون... ہے.... اور چاہے تم اسے مانو یا نہ مانو... وہ قانون مجھ سے' تم سے' ہم سب سے اوپر ہے۔ اس لئے آئندہ میرے سامنے یہ کہنے کی ہمت نہ کرنا کہ اس ملک میں قانون نہیں ہے۔ سنا تم نے؟ سنا تم نے؟'' بے ربط سانسوں کے درمیان غصے اور برہمی سے غراتے وہ کہہ رہی تھی اور وہ خاموشی سے اسے دیکھتا سن رہا تھا، جب زور کا چھناکہ ہوا۔ زمر نے جو کانچ کی نازک بوتل بے حد سختی سے بھینچ رکھی تھی' وہ اس کے ہاتھ میں ٹوٹ گئی تھی۔ ''آہ۔'' وہ ایک دم پیچھے کو ہٹی۔ چھن چھن' ٹکڑے نیچے گرے۔

وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا اور اس کا ہاتھ پکڑا۔ کانچ اندر بھی لگا تھا اور خون بھل بھل گر رہا تھا۔ تیز تیز سانس لیتی زمر نے ناراضی سے ہاتھ نکالنے کی کوشش کی' مگر اس نے دوسرے ہاتھ سے اس کی کلائی بھی پکڑ لی' پھر ایک خفا نظر زمر کے دہکتے گلابی چہرے پہ ڈال کر آہستہ سے کانچ نکالنے لگا۔ درد کی شدت سے اس نے آنکھیں بند کر لیں پھر فوراً کھول لیں کہ ان میں پانی در آیا تھا۔

''یہی چاہتے تھے نا تم' کہ میں تمہارے سامنے ٹوٹوں؟ روؤں؟'' آنسو اندر اتارتی وہ اسی برہمی سے بولی تو آواز بھیگی ہوئی تھی۔ فارس نے کانچ نکالتے چونک کر اسے دیکھا' اور جیسے کچھ کہنے لگا تھا.... جیسے انکار کرنے لگا تھا' مگر پھر خاموشی سے سر جھکائے کانچ نکالا۔ خون ایک دم تیزی سے بہنے لگا تھا۔ ہتھیلی کے عین وسط میں کٹ لگا تھا۔ اس نے ادھر ادھر کسی چیز کی تلاش میں دیکھا' مگر کچھ بھی نہ تھا' تو ایک ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑے' دوسرا ہاتھ ہتھیلی پہ رکھ کر دبایا۔ اپنے ہاتھ بھی خون آلود ہونے لگے۔ چند بوندیں نیچے بھی گری تھیں۔ دونوں اسی طرح چند لمحے کھڑے رہے' پھر اس نے نظر اٹھا کر دیکھا وہ انہی گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ایک طرف میرے زخموں پہ مرہم لگاتے ہو کہتے ہو کہ میں روڈ' bossy' غصہ ور اچھی لگتی ہوں' روتے ہوئے نہیں' اور دوسری طرف کہتے ہو مجھے گرا ہوا' ٹوٹا ہوا، رسوا اور ذلیل ہوا دیکھنا چاہتے ہو؟ ان میں سچ کون سا ہے؟'' وہ اسی طرح زخم پہ ہاتھ رکھے کھڑا تھا اور وہ پوچھ رہی تھی۔ ''اگر وہ ریسٹورانٹ والی باتیں سچ تھیں' تو پچھلی ہر بات جھوٹ تھی' یہ بھی جھوٹ ہے۔'' اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ نکالنا چاہا' مگر اس نے مزید مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ''اونہوں' ایک منٹ۔ خون رکنے دیں۔''

''پتہ ہے کیا فارس!'' وہ اسی شاکی انداز میں بولی تھی۔ ''تم دو دلوں کے ساتھ جی رہے ہو۔ ایک میں زرتاشہ سے محبت نہ کرنے کا گلٹ ہے' ایک میں مجھ سے بہت زیادہ محبت کر لینے کا گلٹ ہے۔ تمہارے یہ دونوں دل جھوٹ بولتے ہیں۔ زرتاشہ سے محبت تھی تمہیں' اور تمہاری سوچ سے زیادہ ہی تھی۔ یہ صرف گلٹ نہیں ہے جس کی وجہ سے لڑ رہے ہو اس کے لئے۔ اور رہی میں!'' اس نے بھیگی پلکیں بند کر کے آنسو اندر اتارے اور جب آنکھیں کھولیں تو وہ خشک تھیں۔ ''تو مجھ سے تمہیں زرتاشہ سے کئی گنا زیادہ محبت ہے' مگر وہ اتنی اونچی اور عظیم نہیں ہے کہ تم اس میں ہر چیز معاف کر دو۔ نہ وہ اتنی کمزور اور کھوکھلی ہے کہ تم اس میں مجھے گرا ہوا دیکھنے کی خواہش کرو۔ اللہ نے نہیں بنائے کسی آدمی کے سینے میں دو دل۔ تمہیں اپنے دل کو ایک جگہ' ایک طرف رکھنا ہوگا' اور خود سے سچ بولنا پڑے گا۔''

فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا' دیکھتا رہا۔ پھر چہرہ جھکائے اپنا ہاتھ ہٹا کر دیکھا' ہتھیلی کے کٹ سے بہتا خون رک چکا تھا۔ اسی طرح اس نے زمر کا ہاتھ اوپر کیا' اور لبوں سے لگایا۔ آنکھیں بند کیے۔ چند لمحے۔ چند سانسیں۔ پھر چھوڑ دیا۔ اور دو قدم پیچھے ہٹا۔ ''اپنا خیال رکھا کریں۔''

''یہ بھی جھوٹ ہے۔'' زمر نے دکھ سے اسے دیکھا' اور اپنی چیزیں اٹھائے' باہر نکل گئی۔ پھر الٹے قدموں واپس آئی، اور ادھ کھلا دروازہ زور سے دے مارنے کے انداز میں بند کیا۔ اس کی دھمک اب کتنی ہی دیر دونوں کے کانوں میں گونجتی تھیں۔

.....❖❖❖.....

وہ کہانیاں ادھوری، جو نہ ہو سکیں گی پوری ..... انہیں میں بھی کیوں سناؤں، انہیں تم بھی کیوں سناؤ؟

ہاسپٹل کے پرائیوٹ رومز کی راہداری میں سفید بتیاں روشن تھیں۔ چمکتے فرش پہ ان تینوں کا عکس نظر آ رہا تھا۔ سفید اوور آل پہنے، موٹا چشمہ لگائے' اور بال جوڑے میں باندھے حنین ایک فربہی مائل نرس سے بات کر رہی تھی۔ تبھی سیم نے اسے فکرمندی سے دیکھا۔ ''حنہ تم ویسے کر لوگی جیسے پھپھو نے کہا ہے۔''

''ہاں' مسئلہ ہی نہیں ہے۔'' حنہ نے شانے اچکائے' فولڈر سنبھالا' عینک ناک پہ پیچھے دھکیلی اور سیم کو وہیں چھوڑ کر نرس کے ساتھ آگے چلی گئی۔

ہسپتال کی وباء اور شفاء سے رچی بسی فضا میں لمحے خاموشی سے پھسلتے رہے۔ ایک کمرے میں بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھی حنین' اب گلاسز اتارے سامنے نیم دراز سنہرے بالوں والی لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ ساری تفصیل سن چکی ہیں' شزا۔ میں ڈاکٹر نہیں ہوں' آپ سے ملنے کے لئے یہ کرنا پڑا کیونکہ باہر سیکیورٹی بہت ہے۔ یہ میرے بھائی کے کیس کی تفصیلات ہیں۔'' اس نے فائل کھول کر شزا ملک کے سامنے کی۔ وہ پیچھے کو ہوئی' بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے' نقاہت زدہ مگر سپاٹ نظروں سے حنہ کو دیکھ رہی تھی۔ ''وہ بھی اغوا ہوا تھا آپ کی طرح۔ آپ مل گئیں' وہ نہیں ملا۔ اس کو اغوا کرنے والا نیاز بیگ... میری فیملی کو اسے جیل میں منتقل رکھنے کے لئے آپ کے کیس کو وجہ بنانا پڑا۔ تب آپ کو ماما میں تھیں۔ شکر ہے کہ اب آپ ٹھیک ہیں۔'' اس نے گہری سانس لی۔ شزا اب بھی خاموش تھی۔ نرس دروازے پہ بے چین سی کھڑی تھی۔

''ایک ہفتہ آپ کو ہوش میں آئے ہو گیا ہے' لیکن آپ اپنے مجرموں کے بارے میں کوئی بیان نہیں دے رہیں۔ میں جانتی ہوں کہ آپ خوفزدہ ہیں۔ آپ بہت ٹارچر سے گزری ہیں۔ ہم بھی گزر رہے ہیں۔ اسی لئے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ اپنے مجرموں کا نام آپ لیں یا نہ لیں' لیکن اس شخص نیاز بیگ کو جیل سے نہ نکلنے دیں' تاکہ کل کو کوئی اور شزا یا سعدی نہ اغوا کیا جا سکے۔ اور ہاں...'' اس نے اضافہ کیا۔ ''آپ کو اپنے مجرموں کے خلاف کوئی مدد چاہیے ہو تو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔'' گویا دیوار سے بولتے بولتے وہ چپ ہو گئی۔ اب مزید کیا کہے۔

''تمہیں پتہ ہے دنیا میں کتنی آوازیں ہوتی ہیں؟'' وہ حنہ کے چہرے پہ نظریں جمائے تلخی سے گویا ہوئی۔ حنین کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ ''سوری' میں...''

''اَن گنت۔ دنیا میں ان گنت آوازیں ہوتی ہیں۔ جسم کے پتھریلی زمین پہ گھسٹنے کی آواز' کمر سے پتھر رگڑنے کی خراشوں کی آواز... سوکھے پتوں اور جھاڑیوں پہ کھینچے جانے کی آواز... بیچ جنگل کے آپ کو لاپٹخنے کی آواز... پھر گڑھا کھودنے کی... مٹی باہر پھینکنے کی آواز... بالوں سے کھینچ کر گڑھے میں ڈالنے کی آواز... ہاتھوں سے مٹی اوپر ڈالنے کی آواز... بے ترتیب سانسوں کی آواز... مٹی کے اوپر پتے ڈالنے کی... پھر سوکھے چرمر پتوں پہ دور جاتے بھاری بوٹس کی آواز... پھر جنگل کی خاموشی کی آواز... زندہ قبر کے اوپر سانپ رینگنے کی آواز... پرندوں کے ایک دم سے درختوں سے اڑ جانے کی... جنگلی سوروں کی آواز... ان کے آپ کے اوپر پتوں کو سونگھتے پھرنے کی آواز... کتوں کی بھونک... کیڑوں کے جسم پہ رینگنے کی آواز... خنزیروں کے بدبودار سانسوں کی آواز... رات کی تاریکی کی ہولناک آواز... گدھوں کے اوپر منڈلانے کی آواز... پھر دور کہیں انسانوں کی آواز... خنزیروں کے بھاگ جانے کی آواز... آتے قدموں کی آواز... تمہیں پتہ ہے دنیا میں کتنی آوازیں ہوتی ہیں؟'' وہ پتھریلے چہرے اور سرخ آنکھوں کے ساتھ کہہ رہی تھی اور حنین بالکل ساکت' لب کھولے سن رہی تھی۔

''میں نے بہت سی آوازیں سنی ہیں' اس جنگل میں نیم مردہ حالت میں پڑے۔ میں اس لئے خاموش نہیں ہوں کہ میں خوفزدہ ہوں یا میرے ذہن پہ اثر ہو گیا ہے۔ مجھے تمہاری' یا تمہارے بھائی کی مدد کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے' کیونکہ کوئی بھی حتیٰ کہ بھائی بھی اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کے لئے کچھ کیا جائے۔ تم جا سکتی ہو۔''

ہکا بکا بیٹھی حنہ ایک دم اٹھی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ بے ترتیب سانسوں اور سفید چہرے کے ساتھ وہ تیز تیز چلتی راہداری کا موڑ مڑی تو سیم انتظار کر رہا تھا۔ ''تم نے کر لیا' حنہ ؟'' وہ آگے چلتی گئی۔ سیم پیچھے لپکا۔ حنین نفی میں سر ہلاتی تیز تیز چلتی جا رہی تھی۔ سیم دیکھ سکتا تھا کہ وہ جس چہرے کے ساتھ گئی تھی' اس کے ساتھ واپس نہیں لوٹی تھی۔

.....❖❖❖.....

عداوت ہی عداوت ہے، محبت بھول بیٹھا ہوں ..... چلو کوئی تو رشتہ ہے اسے پھر یاد کرنے کو

زمر کے جانے کے بعد سے وہ لاک اَپ میں قید تھا۔ دیوار کے ساتھ اکڑوں بیٹھے' گہری سوچ میں گم۔ بار بار اس کی زرد رنگت نگاہوں میں گھومتی تھی۔ (تم مجھے ٹوٹا ہوا دیکھنا چاہتے ہو نا!) فارس نے سر جھٹکا۔ ''ہاں' میں ایسا ہی دیکھنا چاہتا ہوں آپ کو۔'' اس نے آنکھیں بند کیں۔ ذہن کے پردے پہ ایک منظر سا سوچنا چاہا۔ اس کی فرضی خواہش کا منظر.... مگر پھر تکلیف سے آنکھیں کھول دیں۔

یہ تصور وہی تھا جو وہ چاہتا تھا' پھر اس کو سوچ کر دکھ کیوں ہوتا تھا؟ خوشی تو زمر کے الزام اور ان تمام طنز و طعنے بھری باتوں سے بھی نہیں ہوتی تھی' اصولاً تو اس ٹوٹی پھوٹی شرمندہ لڑکی کو تصور میں دیکھ کر خوشی ہونی چاہیے تھی' مگر نہیں ہوتی تھی۔ اسی لئے تو کی تھی اس سے شادی' وہ اس کو خود اذیتی کا شکار کرے گا' ضمیر کی ملامت سے گھیر لے گا' پھر یہ سوچ کر خوشی یا تسکین کیوں نہیں ملتی تھی؟ کیا وجوہات وہی تھیں جو وہ سوچتا تھا؟ یا جو وہ سوچتا تھا وہ صرف توجیہات تھیں؟

حوالات کی سیاہ سلاخوں کے پار مدھم روشنی تھی۔ اس روشنی کو بے خیالی سے دیکھتے فارس غازی کا ذہن ایک دفعہ پھر پیچھے چلا گیا....

ولایت بیگم کا گھر اس نے کیوں چھوڑا تھا؟ وہ کیوں ایک رات گھر سے نکلا تھا؟ وہ چاہتا بھی تو نہ بھلا سکتا تھا۔

لڑائی ہوئی تھی گھر میں۔ ہوتی پہلے بھی تھی' مگر اس رات کچن میں کسی بات پہ اونچا اونچا بولتے' جھگڑتے ولایت بیگم نے ہاتھ مار کر سالن کا ڈونگا گرایا تھا' اور گرم گرم سالن سیدھا اس کی ماں کے پیروں پہ گرا تھا۔ سانحہ یہ نہیں تھا۔ سانحہ یہ تھا کہ اس کا باپ تب بھی کمزوروں کی طرح ولایت بیگم کو منانے اور ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غصہ فارس کے اندر ابل ابل رہا تھا۔ وہ کمرے میں بیٹھی' پیر کے آبلوں پہ مرہم لگاتی علیمہ کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ وہ اب ادھر نہیں رہیں گے' وہ اس کے ساتھ واپس چلے' مگر علیمہ اس کو صبر' تحمل اور برداشت کا درس دیتی رہی۔ وہ بھی ایک کمزور عورت تھی۔ ٹوٹی' پسی ہوئی عورت جو کبھی ظلم کے خلاف نہیں کھڑی ہو گی۔ اس وقت اس کے نزدیک یہ سب ظلم ہی تھا۔ اور اپنی ماں سے پہلی دفعہ وہ دل برداشتہ ہوا تھا۔ پیر میں جوتی تھی یا نہیں' وہ وہاں سے نکل بھاگا۔ طویل سرد سڑکوں پہ وہ چلتا رہا' چلتا رہا۔ کیسے قصرِ کاردار پہنچا، کچھ یاد نہیں۔ جواہرات نے اس کو اپنے گھر میں پناہ دی' پیر کے مرہم لگائے' اور پھر اس کے ماں باپ کو بلا لیا۔ جانے کس نے طے کیا' مگر اس کے بعد علیمہ ادھر ہی انیکسی میں رہنے لگی۔ وہ ماں سے خفا تھا۔ وقت کے ساتھ خفگی ڈھل گئی' مگر دل کا کانٹا ساری زندگی نہیں نکلا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اسے بھی دل میں باتیں رکھ کر نہ نکالنے کی بیماری ہے۔

ولایت بیگم کی وفات کے بعد ندرت اور وارث کو ابو انیکسی میں لے آئے۔ علیمہ کا رویہ ان کے ساتھ عجیب سا تھا۔ ولایت بیگم کے گھر میں وہ بے بس ہوتی تھی' یہاں وہ مالکن تھی۔ ظلم نہیں کرتی تھی' ہر شے مہیا کرتی تھی' ہر سہولت' ہر آسائش' مگر ان سے بات نہیں کرتی تھی۔ ندرت کے اپنے غم بہت تھے۔ شادی کے بعد شوہر سے ناراضی اور شیر خوار بچے کو سسرال والوں کے رحم و کرم پہ چھوڑ آنے کا غم' وہ بہت دکھی رہتی تھی۔ وارث خاموش رہتا تھا۔ جیسے نہ کسی سے محبت ہو' نہ کسی سے گلہ۔ پھر آہستہ آہستہ وقت بدلا۔ ندرت اسکے کام کرنے لگ گئی۔ اس کا خیال

رکھنے لگ گئی۔ وہ چھوٹا تھا' وارث سے بھی کافی چھوٹا' ندرت کو اس میں سعدی نظر آنے لگا تھا۔ وہ کبھی کبھی بے خیالی میں اسے سعدی بھی پکار دیتی' وہ براما نے بغیر چپ چاپ آجاتا تھا۔ اس کی تصحیح نہیں کرتا تھا۔

وارث گلاسز لگاتا تھا۔ پڑھتے وقت بھی' ٹی وی دیکھتے وقت بھی۔ سرما کی ایک شام وہ انیکسی کے لاؤنج میں بیٹھے تھے' جب ابو نے وارث سے کوئی شے ڈھونڈنے کو کہا' تو وہ جو بغیر عینک کے بیٹھا تھا' سادگی سے بولا کہ اس کی عینک ٹوٹ گئی ہے' وہ نہیں ڈھونڈ سکتا۔ ابو نے وہی کام فارس سے کہہ دیا۔ فارس خاموشی سے اٹھا' اور اندر گیا۔ واپس آیا تو ہاتھ میں وارث کی عینک تھی' جس کے شیشے نکلے ہوئے تھے۔ عینک اس نے وارث کے سامنے رکھی۔ ''اس کے شیشے ہوتے' تب بھی وہ زیرو نمبر کے تھے۔ ان سے تمہاری نظر پہ کوئی فرق نہ پڑتا۔ جاؤ' اور جو ابو نے کہا ہے وہ ڈھونڈ کر لاؤ۔''

اس نے یہ الفاظ بہت آہستہ سے کہے تھے۔ ٹی وی کا شور تھا' اور ابو دور تھے' سن نہ سکے۔ وارث کا رنگ سفید پڑا۔ اس کی چوری پکڑی گئی تھی۔ اس وقت تو وہ چپ چاپ اٹھ گیا' لیکن رات کو اس کے ساتھ والے سنگل بیڈ پہ لیٹتے اس نے پوچھا تھا۔ ''تمہیں کیسے پتہ کہ میری نظر کمزور نہیں ہے؟''

''مجھے پتہ ہے۔'' وہ چت لیٹے چھت کو دیکھتے بولا تھا۔

''میں اس لئے لگاتا ہوں کیونکہ مجھے عینک اچھی لگتی ہے۔'' کچھ دیر بعد اس نے خود ہی وضاحت دی۔ فارس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا' وہ کہنا چاہتا تھا کہ یہ تم پہ اچھی نہیں لگتی' اس سے تمہاری آنکھیں اندر کو دھنس جائیں گی' مگر اس نے وارث کا چہرہ دیکھا' اور اس کا دل نہیں چاہا کہ وہ اس کی خوشی چھین لے۔

''ہاں' یہ تم پہ اچھی لگتی ہے۔'' اس دن کے بعد ان دونوں کے پاس ایک دوسرے سے کرنے کے لئے بہت سی باتیں ہوتی تھیں۔ وارث اس کا دوست بن گیا' وہ کبھی کبھی اس کو ڈانٹ بھی دیتا تھا' جب اسکول میں فارس کسی سے لڑ کر' کسی کا دانت توڑ کر آتا' تو وارث غصے سے اس کو کالر سے پکڑ کر جھنجھوڑتا۔ ''یوں لڑتے رہو گے لوگوں سے تو جیل میں پڑے ہو گے کسی دن۔'' اور اب فارس سوچتا تھا' کہ وہ جیل اس لیے گیا تھا کیونکہ اس دفعہ وارث لڑا تھا!

امی کی وفات کے بعد اس کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ سارا سارا دن سڑکوں پہ آوارہ پھرتا رہتا تھا۔ بے مقصد، بے رونق زندگی کو ایک دم وہ صرف گزارنے لگا تھا۔ کبھی دوستوں کے ساتھ کسی طرف نکل گیا۔ تو کبھی اکیلا کسی ٹرین میں بیٹھ گیا۔ وارث لاہور تھا' ندرت اپنے گھر میں خوش' اور ابو کو وفات پائے تو عرصہ بیت چکا تھا۔ فارس کی زندگی میں اکتاہٹ' بے گانگی بڑھ گئی تھی۔ اس کا دل پڑھائی میں نہیں لگتا تھا۔ کچھ دوستوں کے ساتھ وہ شکار پہ جانے لگا تھا۔ ماں باپ کا چھوڑا ہوا پیسہ وہ جھونکتا جا رہا تھا۔ وہ گنز' وہ خوبصورت گنز جن کو ہاتھ میں پکڑ کر تاک کر کسی پرندے کی طرف نشانہ باندھنے کی کیفیت اور سرور ہی کچھ اور ہوتا تھا۔ وہ گنز اس کا جنون بنتی گئیں۔ ندرت اس کی حالت' اور یہ آوارگی' دیکھ کر اسے اپنے ساتھ لے آئیں۔ عام حالات میں وہ بہن کے گھر جا کر نہ رہتا' مگر اپنے گھر میں ذہن ایسے پراگندہ رہتا تھا کہ وحشت ہونے لگتی۔ حنہ تب تین سال کی تھی۔ سعدی اسکول جاتا تھا' ایک وہی ہوتی تھی جو دن رات اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی تھی۔ اتنا بولتی کہ الامان۔ یہ کیوں ہے؟ یہ کیا ہے؟ وہ کبھی زچ ہو جاتا' کبھی ہنس دیتا۔ زندگی انہی دو انتہاؤں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔

وہ پڑھائی میں ہر گزرتے دن نکما ہوتا جا رہا تھا۔ دور کے شہروں' جنگل' بیابانوں میں جانا' کئی کئی دن گھر نہ لوٹنا' عجیب تھی اس کی زندگی بھی۔ وارث فون پہ غصہ کرتا رہتا' وہ فون بند کر دیتا۔ ندرت پیار سے سمجھاتیں' وہ دوسرے کان سے نکال دیتا۔

پھر ایک دن ندرت کے سسر آئے۔ پتہ نہیں ندرت نے ان سے کیا کہا تھا کہ جب وہ ان کے پاس اکیلا' چپ اور بے زار سا بیٹھا تھا' تو وہ اس سے باتوں باتوں میں پوچھنے لگے۔ ''تم کیا کرو گے آگے؟ کیریئر کے حوالے سے؟''

''جس چیز کا موڈ بنا۔'' اسے لگا ابھی لیکچر شروع ہوگا' سو مزید اکتا گیا۔

''تمہاری زندگی میں ترجیحات کیا ہیں؟''

''کیا؟'' وہ واقعی الجھا تھا۔

''تمہاری ترجیحات؟ کس کو سب سے اوپر رکھتے ہو؟ کس کے لئے سب کچھ کر سکتے ہو؟''

فارس لمحے بھر کو چپ ہوا۔ ''اپنے خاندان کے لیے۔''

''وہ تو ابھی ہے نہیں۔''

''ہے تو سہی۔''

''خاندان بیوی اور بچوں کا نام ہوتا ہے۔ میں جو اتنے استحقاق سے اس گھر میں آتا ہوں' اس لئے کہ یہ میرے بیٹے کا گھر ہے۔ کیا میں اپنے بھائی یا بہن کے گھر اتنے استحقاق سے جا سکتا ہوں؟ حکم چلا سکتا ہوں؟ نہیں۔ وہ بھی میرا خاندان ہیں' لیکن اس عمر میں آ کر بیوی بچے سب سے پہلے آتے ہیں۔ تم کیا چاہتے ہو زندگی میں؟''

وہ متذبذب رہا۔ زیادہ بات نہیں کر سکا' مگر چند دن وہ سوچتا رہا۔ پھر ایک دن وہ ان کے گھر گیا۔ معلوم ہوا تھا کہ ان کی بیٹی کا جہیز جل گیا ہے' بہت نقصان ہوا ہے۔ وہ افسوس کے لئے گیا تھا' مگر ان کے پاس بیٹھے' اس نے ان سے کہا تھا۔

''میری ترجیحات ایک سادہ زندگی کی ہیں۔ میری بیوی' میرے بچے' ایک چھوٹا سا گھر' جس میں کوئی پیچیدگیاں نہ ہوں۔ کوئی سازشیں' کوئی منافقت' کوئی دوسری بیوی کے جھگڑے نہ ہوں۔ ایک سادہ زندگی گزاروں میں۔ نائن ٹو فائیو کی جاب' اور گھر کا سکون۔ یہی چاہتا ہوں میں۔''

''پھر محنت کرو۔ اپنی بیوی اور بچوں کا سوچ کر محنت کرو' کہ تم ان کو کیا دے سکتے ہو۔'' اور اس گفتگو نے فارس کی سوچ بدل دی تھی۔ وہ جیسے کسی لمبے خواب سے جاگا تھا۔

آنے والے سالوں میں خود پہ خوامخواہ کے چڑھے قرضے' پڑھائی کی تکمیل' نوکری' ہر فرض کی ادائیگی میں ندرت کے سسر نے اس کی مدد کی تھی۔ ان سے اس کا کوئی رشتہ نہ تھا' (سوائے دور پار کی رشتے داری کے) مگر احسانات بڑھتے جا رہے تھے۔ وہ ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ ان کی بات جیسے سنتا کسی اور کی نہیں سنتا تھا۔

وہ نوکری میں اچھا جا رہا تھا' سادہ زندگی سادہ ہی چل رہی تھی' لیکن پھر اسے اندرونِ سندھ بھیج دیا گیا۔ وارث اگلے ماہ اس سے ملنے آیا تو سخت برہم تھا۔ ''تم نے مجھے کہا کہ تمہاری سندھ میں پوسٹنگ ہوئی ہے!''

''اور نہیں تو کیا؟''

''تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہیں یہاں سزا کے طور پہ بھیجا گیا ہے۔'' وہ بے حد سیخ پا ہو رہا تھا۔ فارس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''میں نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔''

''یہی بات تم نے کہی تھی اپنے ڈائیریکٹر سے۔ فارس تم نے غلط کیا ہے۔ اس بینک آفیسر کے اریسٹ وارنٹ نکل رہے تھے اور تم نے اسے اطلاع دے دی تاکہ وہ ضمانت قبل از گرفتاری کروا لے!''

''پہلی بات' میں نے کوئی ثبوت چھوڑا نہیں' دوسری بات' وہ بینک آفیسر تین چھوٹی چھوٹی بیٹیوں کی ماں ہے اور بے گناہ ہے۔''

''تو وہ اس کے ٹرائل میں ثابت ہو جائے گا کہ وہ بے گناہ ہے۔ تمہیں بیچ میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''وارث وہ ایک جوان' مڈل کلاس عورت ہے' اگر وہ بے گناہ نہ ہوتی تب بھی میں اس کو خبردار کرتا' ضمانت اس کی چوبیس گھنٹوں

میں ہو ہی جاتی لیکن اگر وہ ایک رات بھی حوالات میں گزار دیتی، تو وارث اس کی زندگی برباد ہو جاتی۔ مرد کئی سال بھی جیل میں رہے تو کچھ نہیں ہوتا، عورت کو کون قبول کرے گا بعد میں؟ ہاں ٹھیک ہے میں نے جرم کیا ہے۔'' وہ بھی برہمی سے بول رہا تھا۔ ''لیکن مجھے دس بار ایسا موقع ملے میں تب بھی یہی کروں گا۔ کیونکہ میں اسی معاشرے میں رہتا ہوں جہاں جیل میں ایک رات بھی رہی عورت کی بیٹیوں کی شادیاں نہیں ہو پاتیں۔ میرا ضمیر مطمئن ہے، کیونکہ جو قانون روٹی نہیں دے سکتا، وہ ہاتھ نہیں کاٹ سکتا۔ بھلے اس کی پاداش میں مجھے کتنے ہی سال اس چھوٹے شہر میں پوسٹڈ رہنا پڑے۔''

''فارس!'' وہ تھک کر ساتھ بیٹھا اور سمجھانے لگا۔ ''دیکھو' صحیح'' کام کرنے کے لیے قانون توڑنا ضروری نہیں ہے۔ میں بائی دی بک کام کرنے والا آدمی ہوں، ویجیلانٹ رویہ ڈراتا ہے۔ اگر ان کو کوئی ثبوت مل جاتا تو تم جیل بھی جا سکتے تھے، اور اگر تمہاری یہی حرکتیں رہیں نا، تو میں اگلے پانچ سال بعد تمہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھ رہا ہوں۔'' سمجھاتے سمجھاتے وہ خفا ہو گیا تھا۔

''اور پتہ ہے میں تمہیں اگلے پانچ سال بعد کہاں دیکھ رہا ہوں؟'' وہ آگے ہو کر سنجیدگی سے وارث کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا۔ ''اسی نقلی عینک کے پیچھے!'' اور ایک دم وہ دونوں ہنس پڑے تھے....

آہنی سلاخوں کو دیکھتے ہوئے وہ زخمی سا مسکرایا تھا۔ اسے جیل میں سب سے زیادہ وارث یاد آتا تھا۔

.....❖❖❖.....

ہو نہ سکا کبھی ہمیں اپنا خیال تک نصیب ..... نقش کسی خیال کا لوحِ خیال پر رہا

اس مصروف شاہراہ پہ رات نو بجے اچھی خاصی سردی ہونے کے باوجود ٹریفک کی گہما گہمی لگی تھی۔ ساتھ ہی قطار میں ڈیزائنر شاپس تھیں جن کے سامنے زمر' کندھے پہ لگا پرس مضبوطی سے پکڑے' متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی چلی آ رہی تھی۔ وہ تب رکی جب اسے وہ نظر آیا۔ کنارے پہ کار کھڑی کیے، ہڈ والا سوئیٹر پہنے اور جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا۔

''احمر۔ مجھے دیر ہو گئی نا؟'' معذرت خواہانہ انداز میں جلدی جلدی کہتی قریب آئی۔ ''کیا وہ لڑکا آ گیا؟'' احمر چونک کر مڑا پھر فخر سے سر کو خم دیا۔

''جی' اور کام بھی ہونے والا ہے۔'' مسکرا کر سامنے اشارہ کیا۔ زمر نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہاں پولیس کا ناکہ تھا اور ایک نوجوان اپنی کار سے نکلا کھڑا حیرت اور تعجب سے سیکورٹی افسران سے بات کر رہا تھا جو ایک دم سے اس کو گھیر کر اس سے باز پرس کر رہے تھے۔ وہ صرف پولیس اہلکار نہیں تھے۔ بلکہ کسی دوسرے محکمے کے افسران بھی تھے۔

''وہ چیزیں اس کی کار میں ڈلوا دی تھیں نا احمر؟ پولیس اس کو اریسٹ کر لے گی نا؟'' فکرمندی سے وہ بولی تھی۔

''جی۔ جب یہ گیس بھروانے پمپ پہ رکا تھا تو میرے لڑکے نے ایک بیگ اس کی ڈگی میں رکھ دیا تھا۔ بیگ میں اس لڑکے کے آئی ڈی کارڈ کی کاپی' اور اس کے ڈرائیونگ لائسنس کی کاپی بھی ہے' وہ انکار بھی کرے تب بھی وہ لوگ اس بیگ کو اسی کی ملکیت سمجھیں گے۔''

''او کے۔ تھینک یو۔'' ہر چیز پلان کے مطابق جا رہی تھی' اسے ذرا سکون ملا۔ ''کافی ساری ڈرگز ڈالی ہیں نا؟''

''ڈرگز؟'' احمر نے نگاہوں کا رخ موڑا۔ ''کون سی ڈرگز؟''

زمر کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ ''احمر' اس کے بیگ میں ڈرگز ڈالنے کو کہا تھا میں نے آپ کو تاکہ پولیس اسے گرفتار کرے۔''

''میں آپ کو شکل سے کوئی ہیروئن اسمگلر لگتا ہوں' یا بذاتِ خود کوئی نشئی لگتا ہوں جو میرے پاس ڈرگز ہوں گی؟ نہیں آج آپ مجھے بتا ہی دیں کہ میں آپ کو کیا لگتا ہوں۔'' وہ بہت ہی خفا ہوا تھا۔ زمر کا دماغ ویسے ہی آج کل گھوما رہتا تھا' اب تو مزید کھول گیا۔

''احمر' آپ نے کیا ڈالا ہے اس کے بیگ میں؟'' پریشانی سے ان لوگوں کو بھی دیکھا۔ آفیسرز کے پاس کتے بھی تھے اور وہ گھوم گھوم

کر اس کے سامان کو سونگھ رہے تھے۔ لڑکا ابھی تک بحث کر رہا تھا۔

''دیکھیں' یہ ڈرگز' یہ اسلحہ' یہ کرنسی اسمگلنگ.... یہ میوزیم کے نوادرات سارے انگریزی فلموں والے گھسے پٹے آئیڈیاز تھے۔ میں نابڑا اور یجنل بندہ ہوں۔ میں نے سوچا کوئی پاکستانی چیز ٹرائی کروں۔ وہ دیکھیں۔'' فخر سے مسکرا کر اس طرف اشارہ کیا۔ زمر پریشانی سے ادھر دیکھنے لگی۔ وہ لوگ اب ڈگی کھولے کھڑے تھے۔ دفعتاً ایک آفیسر نے بھورا بیگ کھولا اور پھر گویا شور مچا دیا۔ باقی اہلکار بھی ادھر ہی لپکے۔ لڑکا حیران پریشان وضاحتیں دے رہا تھا۔ زمر نے ایڑیاں اونچی کر کے دیکھنا چاہا۔ بمشکل ایک آفسر سامنے سے ہٹا تو کھلے بیگ کا دہانہ نظر آیا۔ اور اس کے اندر۔

''کچھوے!'' وہ بے یقینی سے احمر کی طرف گھومی تھی۔ ''استغراللہ' احمر' آپ نے کچھوے ڈال دیے؟'' دل چاہا، اس کو زمین میں گاڑ دے۔

''پورے پچاس کچھوے۔'' اس نے اسی تفاخر سے اس طرف اشارہ کیا۔ دور سے اتنا پتہ چلتا تھا کہ اس بیگ میں چھوٹے چھوٹے' شامی کباب کے سائز کے کچھوے چل رہے تھے۔ زمر نے ماتھے کو چھوا۔

''اف احمر.... آپ کو مذاق لگتا ہے یہ سب؟''

''دیکھیں مسز زمر!'' وہ سنجیدہ ہوا۔ ''اگر ڈرگز ڈالتا' یا اسلحہ تو وہ گرفتار ہو جاتا' لیکن صبح سے پہلے تک باہر ہوتا۔ سوائے وائلڈ لائف والوں کے' کوئی بھی محکمہ اس کو کل دوپہر تک نہ رکھتا۔''

''کچھوے' احمر!'' وہ اب بھی شدید نالاں تھی۔

''یہ وائلڈ لائف والوں کے خاص spotted کچھوے ہیں، صبح ہی چوری ہوئے ہیں۔'' مسکرا کر آنکھ دبائی۔ ''یہ لڑکا کل سنگاپور جا رہا ہے، سنگاپور میں ایک کچھوہ کئی ہزار کا بکتا ہے۔ وہ لوگ کچھوے کھانے کے شوقین ہیں مگر وہاں پابندی ہے اس کے شکار پہ کیونکہ اس معصوم کی نسل ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ سو ہمارے ہاں سے لوگ اسمگل کرتے ہیں۔ بی پاکستانی۔ بائی پاکستانی۔''

زمر نے صرف گھور کر اسے دیکھا' اور سامنے دیکھنے لگی جہاں وائلڈ لائف کے اہلکار اس لڑکے کو ہتھکڑی لگا رہے تھے۔ اور وہ مسلسل چلا رہا تھا۔ زمر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔ آئیڈیا کچھ اتنا برا بھی نہ تھا۔ لیکن احمر شفیع کو شکریہ کہنا.... ناممکن!

وہ گھر آئی تو حنین اس کے کمرے میں چت لیٹی' چھت کو دیکھتی مایوس نظر آ رہی تھی۔ بیگ اور موبائل رکھتے ہوئے اس نے حنہ کو مخاطب کیا۔ ''شزا کا کیا بنا؟''

''میں نہیں کر سکی۔'' وہ شرمندہ تھی۔

''او کے! میں خود اس سے بات کر لوں گی۔'' حنین سیدھی اٹھ بیٹھی' بے چینی سے اسے دیکھا۔ ''وہ تکلیف میں ہے' اس کو اکیلا چھوڑ دیں۔''

''حنین' اس کی صحت اب بہت بہتر ہے۔ اور ہم اس کی مدد بھی کریں گے اس کے مجرموں کو پکڑنے کے لیے۔'' وہ بال برش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی۔ حنہ کو نہیں نظر آئی۔ وہ کہیں اور تھی۔

''وہ اب بھی وہی آوازیں سنتی ہے۔ جنگل کی' جانوروں کی' خنزیروں کی' اور....'' حنین ایک دم ساکت ہوئی۔ چونک کر زمر کو دیکھا۔ پھر یکا یک بستر سے اتری اور ننگے پیر بھاگتی باہر نکل گئی۔ زمر سر جھٹک کر رہ گئی۔ حنہ اب تیز تیز زینے پھلانگتی تہہ خانے کی طرف جا رہی تھی۔ اسے ابھی ابھی کچھ یاد آیا تھا۔

.....❖❖❖.....

بے وفائی کی گھڑی، ترکِ مدارات کا وقت ..... اس گھڑی اپنے سوا نہ یاد آئے گا کوئی

عالیشان' بلند و بالا سا بنگلہ تھا جس میں صبح کی ٹھنڈ اور سرما کی دھوپ مل جل کر آٹھہریں تھیں۔ ملازم حنین کو ڈرائینگ روم میں بٹھا کر چلے گئے تھے۔ وہ شزا کی دوست تھی' اس نے یہی کہا تھا۔ اس روز کے برعکس' وہ کھلے بالوں پہ ہیئر بینڈ لگائے' ہاتھ میں فائل فولڈر پکڑے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی کافی پراعتماد نظر آرہی تھی۔ کھڑکی سے باہر لان میں منتظر بیٹھا اسامہ نظر آرہا تھا۔

چوکھٹ پہ شزا کھڑی دکھائی دی تو حنین جگہ سے اٹھی۔

''میں نے کہا تھا، مجھے تمہاری مدد نہیں کرنی۔'' وہ بے نیازی سے پلٹنے لگی تھی۔

''تم نے کہا تھا' تمہیں بھاری بوٹس کی دھمک سنائی دی تھی' تم نے کہا تھا' کوئی بھائی اس قابل نہیں ہوتا کہ اسکے لئے کچھ کیا جائے۔'' شزا چونک کر اس کی طرف گھومی۔ حنہ فولڈر سے کاغذ نکال کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ''تمہارا تو کوئی بھائی نہیں ہے شزا۔ مگر تم عادتاً اپنے بہنوئی سرمد شاہ کو بھائی کہہ کر پکارتی ہو نا۔'' کاغذ اس کے چہرے کے آگے لہرایا۔ شزا کے اِن باکس میں سرمد کی میلز کے پرنٹ آؤٹ۔ شزا کی رنگت سفید پڑی۔ ''اس نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری بہن کو چھوڑ دے گا، تمہیں اپنا لے گا، اور جس دن تم اغوا ہوئی، اس روز اسی نے آنا تھا تمہیں پک کرنے۔ اسی نے کیا ہے یہ سب! مگر کتنا اداکار ہے وہ۔ جب میری فیملی نے نیاز بیگ کو اس کیس میں پھنسانا چاہا' تو اس نے ایسی اچھی اداکاری کی' کہ ہم سب بھی کنوینس ہو گئے کہ وہ اپنی ''بہن'' کا مجرم نیاز بیگ کو ہی سمجھ رہا ہے۔''

شزا اسٹک کے سہارے چلتی چپ چاپ سامنے آ کر بیٹھی۔ بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں کسی کو نہیں بتا سکتی کیونکہ سب کو میں قصوروار لگوں گی۔ کوئی نہیں مانے گا کہ میرا اس سے تعلق صرف پسندیدگی کا تھا۔'' وہ ایک دم شکست خوردہ لگنے لگی تھی۔ کچھ دیر لگی اسے کھلنے میں۔

''میں یہ تعلق ختم کرنا چاہتی تھی، میں چھپ چھپ کر فون پہ بات کرنے والے گلٹ سے تنگ آ گئی تھی، اسی لیے اس نے بلایا تو میں ملنے چلی گئی۔ مجھے نہیں پتہ تھا وہ یہ سب..'' آواز رندھ گئی۔ ''تم نہیں سمجھ سکتی میں کیسا محسوس کر رہی ہوں!''

حنین اس کے سامنے دھیرے سے بیٹھی۔ ''میں سمجھ سکتی ہوں شزا۔ تم نے ایک غلط آدمی سے محبت کی، جو تمہارا رشتے دار تھا، تم سے عمر میں بڑا تھا، تم اسے بھائی کہتی تھیں۔ اور اس نے... اس نے تمہاری حوصلہ افزائی کی۔'' اس کے اندر بہت کچھ اٹکا۔ ''اس کے لیے تو یہ محض وقت گزاری تھی۔ تمہارے لیے یہ روگ تھا۔ تم بیک وقت اس سے بات کر کے خوش بھی ہوتی تھیں اور گلٹی بھی۔ تم دو دلوں کے ساتھ جی رہی تھی۔ پھر ایک دن اس نے تمہیں بلایا۔ تم چلی گئیں۔'' بہت کچھ یاد آیا تھا۔ ''تمہیں نہیں پتہ تھا کہ وہ ایک کرمنل بھی ہے، تم جاتی یا نہ جاتی، تمہیں کبھی نہ کبھی پتہ چل ہی جاتا۔ اور تب بھی تم دو حصوں میں بٹ جاتیں جیسے اب بٹی ہوئی ہو۔ تمہارا ایک دل اس سے شدید محبت کرتا ہے، دوسرا دل اس سے نفرت کرتا ہے۔ ایک طرف تم اس سے انتقام لینا چاہتی ہو۔ مگر انتقام خوشی نہیں دیتا۔ دوسری طرف تم اب بھی، اس سب کے بعد بھی، دور اندر اس کو پانا چاہتی ہو، مگر اب خوشی پانے سے بھی نہیں ملے گی۔''

''پھر میں کیا کروں؟''

''تم ساری آوازیں بھول جاؤ' اور اپنی آواز اٹھاؤ' تمہاری آواز کے پسِ منظر میں ہر شے غائب ہو جائے گی۔''

''نہیں کر سکتی! وہ سارا الزام مجھ پہ ڈال دے گا۔ بابا اور عائزہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔'' بے بسی سے اس کی آواز بلند ہوئی۔

''کتنے لوگوں کو پتہ ہے کہ تم اس سے یوں میسجز پہ بات کرتی تھی؟''

''صرف مجھے اور سرمد کو!'' آواز کپکپائی۔ آنکھوں میں بیک وقت دونوں جذبے ابھرے۔

''تو پھر تم یہ والی بات چھپا لو۔'' شزا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''تو میں کیا کہوں گی؟ کیوں ملنے گئی تھی سرمد سے؟ اور میری کسی جھوٹی وجہ پہ بابا کیسے یقین کریں گے؟''

''اس پہ کر لیں گے!'' مسکرا کر اس نے ایک پھولا ہوا پیکٹ شزا کی طرف بڑھایا تھا۔ ''تمہیں سرمد شاہ کی الماری سے یہ ملا تھا۔ تم اسی کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی، اور اس نے جو بھی کیا تمہیں خاموش کرانے کے لیے کیا۔'' شزا حیرت سے اسے دیکھتی پیکٹ کھولنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ لان میں آئی تو سیم نے بے اختیار پوچھا تھا۔

''کیا تم نے کر لیا پھپھو کا کام؟''

''ہاں کر لیا!'' اس نے مزے سے سیم کی کہنی میں بازو ڈالا اور آگے چلنے لگی۔

''ویسے یہ سب تھا کیا؟'' وہ متجسس ہوا۔ حنہ نے اسے گھورا۔

''چپ کر کے چلو۔ زیادہ جہان سکندر بننے کی ضرورت نہیں ہے۔'' سیم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا مگر چپ رہا۔

.....❖❖❖.....

خزاں کے پھول کی مانند بکھر گیا کوئی ..... تجھے خبر نہ ہوئی اور مر گیا کوئی

کورٹ کی راہداریوں میں ہنوز ویسا ہی رش تھا۔ بھانت بھانت کی بولیاں اور آتے جاتے قدموں کی دھمک۔ ایسے میں ایک راہداری کے باہر وہی لڑکا جو گزشتہ رات کچھوے اسمگل کرتے پکڑا گیا تھا' وہ ہتھکڑیوں میں کھڑا تھا' ساتھ پولیس اہلکار موجود تھے۔ چند وکلاء اور ایک سوٹ میں ملبوس صاحب جو چہرے مہرے سے اس لڑکے کے والد لگتے تھے' آپس میں بحث کر رہے تھے۔

''میں کراچی میں نہ ہوتا تو دیکھتا میرا بیٹا کس طرح حوالات میں رات گزارتا ہے۔'' والد برہمی سے کہہ رہا تھا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ ''کتنی دیر مزید لگے گی؟'' وکیل جواب میں جلدی جلدی کچھ بتانے لگا۔ تبھی دور راہداری سے زمر چلتی آتی دکھائی دی۔ بال جوڑے میں' چہرے پہ مسکراہٹ' اور چال میں اعتماد۔ ان صاحب کے پاس وہ رکی۔

''کیا میں آپ سے علیحدگی میں بات کر سکتی ہوں؟'' شائستگی سے ان کو مخاطب کیا۔ لڑکے کا والد چونک کر مڑا' اسے دیکھا' پھر ساتھ چلا آیا۔

''کسٹم کے یہ آفیسر آپ سے ملنا چاہتے ہیں' مگر علیحدگی میں' انہوں نے یقین دلایا ہے کہ آپ کے بیٹے کا ریکارڈ بھی کلیئر رہے گا۔ ان کو معلوم ہے کہ وہ سی ایس ایس کی تیاری کر رہا ہے۔'' مسکرا کر ایک کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔ پھر اس کی پیشانی کو دیکھا جہاں ہلکا ہلکا پسینہ تھا۔ مگر خود بھی اس پسینے سے بے خبر' اس آدمی نے کارڈ لیا' اور پھر اثبات میں سر ہلایا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس کے ساتھ چلتی اس کو مختلف راہداریوں سے گزارتی چلتی جا رہی تھی۔ ساتھ ہی بار بار گھڑی بھی دیکھتی۔ کنکھیوں سے اس نے دیکھا کہ وہ شخص ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا۔ جیسے اسے گھٹن ہو رہی ہو۔

زمر ایک دروازے کے سامنے رکی۔ وہاں دو پولیس اہلکار کھڑے تھے۔ ایک نے دروازہ کھول دیا۔

''آپ اندر چلے جائیں' الیاس فاطمی صاحب!'' وہ مسکرا کر بولی تو اس نے اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وہ خالی کورٹ روم تھا۔ الیاس فاطمی دو قدم اندر گیا ہی تھا کہ زمر نے دروازہ بند کیا اور بولٹ چڑھا کر لاک کلک سے بند کیا' پھر چابی نکال کر پولیس اہلکار کی مٹھی میں دبائی۔

''اگر وہ مقررہ وقت سے پہلے باہر نکلا' تو تمہارے آدھے پیسے کاٹ لوں گی۔'' گھور کر تنبیہہ کی۔ سپاہی نے سینے پہ ہاتھ رکھا۔

''آپ فکر ہی نہ کریں میڈم صاحب۔'' زمر سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ (آئی ایم سوری اللہ تعالیٰ' ان تمام قوانین کے لئے جو آج میں نے توڑے! اور فارس اور احمر جیسے کرمنلز کے ساتھ کام کرنے کے لیے!) جھرجھری لے کر وہ بڑبڑاتی جا رہی تھی۔ کوئی عادت سی تھی

جو واپس آ رہی تھی۔

خالی کورٹ روم میں آگے چلتے یکدم الیاس فاطمی مڑا۔ اسے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ چونک کر وہ دروازے تک آیا اور ا کھولنے کو ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ....

''اپنی توانائی بچا کر رکھو۔ دروازہ لاکڈ ہے' اسے توڑنے میں پندرہ منٹ لگیں گے' جبکہ تمہارے پاس صرف بارہ منٹ ہیں۔''

آواز پہ وہ ایک دم گھوما۔

جج کے خالی چیمبر کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل رہا تھا۔ کورٹ روم کی کوئی بتی نہیں جلی تھی۔ دن کی روشنی کافی تھی' پھر بھی جج کا چہرہ اندھیرے میں لگ رہا تھا۔ الیاس فاطمی نے آنکھیں سکیڑ کر تعجب سے دیکھنا چاہا۔

نیلی جینز کے اوپر اس نے بھورا سوئیٹر پہن رکھا تھا۔ پوری آستین والا سوئیٹر۔ چھوٹے کٹے بال اور بڑھی شیو۔ سنہری آنکھوں میں چبھن لئے وہ جج کی کرسی کے پیچھے آ کھڑا ہوا' اور کرسی کی پشت پہ اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔ ہتھکڑی میں بندھے ہاتھ۔

''ڈرو نہیں۔ میں ہتھکڑی میں ہوں۔ قید میں ہوں۔ پہچانا تم نے مجھے؟ میں فارس غازی ہوں۔ وارث غازی کا بھائی!'' الیاس فاطمی کی گردن کے بال تک کھڑے ہو گئے۔ لب کھل گئے۔ آنکھوں میں شاک ابھرا۔ پھر ایک دم وہ گھوما۔

''کچہری میں جہنم کی طرح کا شور ہے' دروازہ پیٹنے کی آواز سن بھی لی جائے تو فائدہ نہیں۔ تمہارے پاس صرف گیارہ منٹ ہیں' کیونکہ تمہاری طبیعت خراب ہونا شروع ہو چکی ہے۔'' فاطمی نے دروازے پہ ایک دفعہ ہی ہاتھ مارا تھا کہ اس کا آخری فقرہ سن کر چونکا' پلٹ ا اسے دیکھا۔ وہ اسی سکون سے کرسی کے اوپر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

''تمہارے سر میں سر درد ہو رہا ہے نا؟ ہر گزرتے پل کے ساتھ یہ تیز ہو جائے گا۔ کیونکہ جو چائے تم نے پراسیکیوٹر کے آفس میں پی تھی' وہ چائے نہیں تھی۔''

فاطمی نے بے اختیار اپنی پیشانی کو چھوا۔ وہ ٹھنڈی پڑ رہی تھی۔ اس نے دوسرا ہاتھ گلے پہ رکھا۔ وہ گھٹ رہا تھا۔ آنکھیں وحشت سے پھیلیں۔

''کیا... کیا مطلب؟'' وہ مڑ کر پھر سے دروازہ بجانے لگا مگر ہاتھوں سے جان نکل رہی تھی۔

''وکیل سے شادی کرنے کا ایک فائدہ ہوتا ہے۔ آپ کورٹ کا ہر ملازم خرید سکتے ہیں۔ اس ملازم نے زیادہ کچھ نہیں ملایا۔ صرف ایک چھوٹی شیشی تھی۔ زہر کی۔'' ہلکا سا مسکرایا۔ ''میرا ایک دوست ہے' لاہور کے مضافات میں اس کا اپنا فارم ہاؤس ہے' اور لیب بھی۔ وہاں ایسے وائرس اور زہریلے محلول کلچر کیے جاتے ہیں۔ ابھی تو تمہارا دم گھٹ رہا ہے' لیکن اگلے آٹھ منٹ میں سانس بھی رکنے لگے گا' پھر ناک اور کانوں سے خون آئے گا' پھر دل کی دھڑکن بے قابو ہو گی....'' وہ کہتے ہوئے چلتا ہوا کرسی کے پیچھے سے نکلا۔ ''پھر سینے میں شدید درد اٹھے گا۔'' وہ چبوترے کے دہانے پہ آ کھڑا ہوا اور نیچے وہیں بیٹھ گیا۔ ''اور گیارہویں منٹ تمہارے دماغ کی شریان پھٹ جائے گی اگر....'' بند مٹھی کھول کر دکھائی۔ اس میں شفاف شیشی تھی جس میں شفاف محلول تھا۔ ''اگر تم نے اس پوائزن کا antidote نہ لیا۔'' الیاس فاطمی نے قدم بڑھائے' مگر لڑکھڑا کر زمین پہ گرا اور بے اختیار دیوار کا سہارا لیا۔ پھر سفید چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''تم جھوٹ بول رہے ہو!'' اس کا سانس رکنے لگا تھا۔

''ٹھیک ہے، پھر گیارہ منٹ بعد پتہ چل جائے گا۔''

الیاس فاطمی بے اختیار پلٹا اور خود کو زمین پہ گھسیٹتے دروازے کو نیم جاں ہاتھوں سے بجایا۔ باہر دونوں پولیس اہلکار کھڑے اونچی آواز میں فون پہ بات کر رہے تھے۔

''اگر تم نے دوبارہ دروازہ پیٹا تو میں اس شیشی کو توڑ دوں گا۔ قریبی ہسپتال جانے میں رش آور کے باعث تمہیں پون گھنٹہ لگے گا۔''

گہرے گہرے سانس لیتے فاطمی نے ہاتھ کی پشت سے ناگ رگڑا تو...اس پہ خون لگا تھا۔اس نے خوف اور وحشت سے سامنے ترے پہ بیٹھے فارس کو دیکھا۔''تم...کیا چاہتے ہو تم؟ میں نے تمہارے بھائی کو نہیں مارا۔''

''مجھے معلوم ہے' تم نے صرف اسے بیچا تھا۔'' وہ شیشی کی کو ہاتھ میں گھماتے' نگاہیں اس پہ جمائے بولا تھا۔''مجھے دو سوالوں کے اب دو' تو' میں یہ antidote (تریاق) تمہیں دے دوں گا۔اگر تمہارے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ میرے سوال کے جواب کے علاوہ ئے' تو میں اسے توڑ دوں گا۔''

''بولو...بتاؤ...کیا پوچھنا ہے۔'' وہ نیم جاں زمین پہ دوہرا ہوا بمشکل بول پایا۔

''وارث نے تمہیں کچھ فائلز دی تھیں' یقیناً وہ ثبوت تم نے کسی تک پہنچا دیے تھے' اور انہوں نے وارث کو مار دیا۔'' نگاہ اٹھا کر چھت سے لٹکتے پنکھے کو دیکھا۔''ان فائلز میں کیا تھا؟''

''وہ...منی لانڈرنگ کر رہے تھے....وہ ان کی کرپشن کا پتہ لگاتے لگاتے غلط سمت آ نکلا تھا۔'' بے ربط پھولی سانسوں کے درمیان وہ ل رہا تھا۔''وہ دہشت گردوں کے لئے منی لانڈرنگ کر رہے تھے۔پشاور میں میٹنگز کا ریکارڈ تھا' کوئی گواہ بھی تھے۔وہ میرے پاس نہیں ں۔وارث کے لیپ ٹاپ میں تھیں۔''

''آئی سی!'' اس نے گہری سانس لی۔''تو وہ دہشت گرد ہیں۔گڈ!'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔''دوسرا سوال' ان لوگوں کا ماسٹر مائنڈ کون ہے؟ ہر تنظیم کا ایک برین ہوتا ہے' جو احکامات دیتا ہے۔ان کا برین کون ہے؟ میرے بھائی کے قتل کا حکم کس نے دیا تھا؟''

فاطمی کے کانوں سے خون رسنے لگا تھا۔آنکھوں سے پانی ٹپک رہا تھا' اس نے نفی میں سر ہلایا۔''وہ مجھے جان سے مار دے گا۔''

رس نے شیشی کو اونچا اٹھایا' گویا گرانے لگا ہو۔فاطمی دہل کر رہ گیا۔''ہاشم....ہاشم کاردار۔تمہارے بھائی کے قتل کا حکم ہاشم نے دیا تھا.....''

کمرے میں ایک دم موت کا سناٹا چھا گیا۔

اپنے تئیں دھماکہ کر کے فاطمی نے اسی خوف اور وحشت سے فارس کا چہرہ دیکھا۔وہ سپاٹ تھا۔سخت اور سرد۔''ہاشم کاردار؟'' وہ راتے ہوئے اٹھا اور قدم قدم چلتا فاطمی کے قریب آ کھڑا ہوا۔گردن جھکا کر اسے دیکھا۔

''میں نے پوچھا تھا' ان کا برین کون ہے؟ ہاشم کاردار یا اس کی ماں؟''

فاطمی کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔''تم جانتے ہو؟'' فضا ایک دم ساکت ہو گئی تھی۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔''میں ساڑھے چار سال سے جانتا ہوں۔یہ بھی کہ میرے بھائی اور بیوی کو کس نے قتل کروایا' یہ بھی کہ میرا بھانجا ں انہی کے پاس ہے۔''

فاطمی نے تعجب اور بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔''مگر ہاشم نے کہا تھا' تم نہیں جانتے کہ اس سب کے پیچھے کون ہے۔''

''میں واقعی نہیں جانتا کہ ان سب کے پیچھے کون ہے۔ہاشم اپنی ماں کے پیچھے ہے' یا جواہرات اپنے بیٹے کے پیچھے ہے۔یہ جاننا رے لیے ضروری ہے' تاکہ مجھے معلوم ہو سکے کہ مجھے کس کی جان اپنے ہاتھوں سے لینی ہے۔''

''مگر ہاشم نے کہا تھا....تم اداکار نہیں ہو۔'' وہ اب بھی بے یقین' خوفزدہ تھا۔

''جس غازی کو وہ جانتا تھا' وہ اداکار نہیں تھا۔'' اس نے اذیت سے آنکھیں موندیں۔''جیل نے میرے ساتھ کیا کیا' میں نے جیل ں کیا کیا ہے...'' آنکھیں کھولیں۔ان میں سرد آگ تھی۔''ہاشم نہیں جانتا۔کوئی نہیں جانتا۔اور اب تم لوگ مجھے دوبارہ وہیں بھیجنا چاہتے ہو!''

''مگر...ہاشم نے کہا تم سمجھتے ہو تمہاری بیوی نے تمہیں اس میں پھنسایا ہے۔''

''پانچ منٹ کے لیے میں نے یہی سمجھا تھا۔''

''تمہیں.... تمہیں معلوم ہے تمہارا بھانجا....'' اسے شدید کھانسی آنے لگی تھی۔ وہ بول نہیں پا رہا تھا مگر حیرت اور بے یقینی اسے اس حالت بھی بھلائے دے رہی تھی۔

''مجھے اس کے اغوا سے اگلے دن معلوم ہو گیا تھا کہ یہ سب ہاشم نے کروایا ہے۔ مگر میں....'' پنجے کے بل اس کے قریب زمین پہ بیٹھا۔ ''میں وہ ساڑھے چار سال پہلے والا آدمی نہیں ہوں جس نے جیل جاتے ہی ہاشم کا کردار کا نام لیا تھا۔ جیل نے مجھے بدل دیا ہے الیاس فاطمی! مجھے اداکاری آ گئی ہے۔ مجھے لوگوں کے سامنے کیسا نظر آنا ہے، یہ میں خود طے کرتا ہوں اب۔'' ذرا سا اس پہ جھکا۔

''تم لوگ.... ہمیشہ ایک بات بھول جاتے ہو.... کہ فارس غازی.... بھی ایک کردار کی ہی اولاد ہے!'' پھر شیشی والی مٹھی بلند کی۔ الیاس فاطمی دہرے ہوئے' بے اختیار ہاتھ اٹھانے لگا مگر اتنی سکت ہی نہیں رہی تھی۔

''تم میرا راز جان چکے ہو۔ تمہیں زندہ نہیں رہنا چاہیے۔''

''نہیں.... پلیز.... دیکھو میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ دیکھو وقت ختم ہو رہا ہے.... یہ مجھے دے دو خدا کے لئے....'' وہ شاید رو بھی رہا تھا۔

''اگر تم نے....'' شیشی اوپر اٹھائے' اس کی آنکھوں میں دیکھتے چبا چبا کر وہ بولا۔ ''کسی کو ایک لفظ بھی بتایا تو یاد رکھنا۔ میں تمہیں مار دوں گا۔ مگر تمہاری بیٹی.... جو شادی کے آٹھویں سال بالآخر اپنی اولاد کی منتظر ہے.... صرف ڈھائی ماہ بعد.... میں اس کا بچہ غائب کر دوں گا' اور تم اور تمہارا سارا خاندان زندہ درگور ہو جاؤ گے۔ بری خبر یہ ہے کہ تمہاری بیٹی سفر نہیں کر سکتی' تم اس کو کہیں بھیج بھی نہیں سکتے....''

وہ جلدی جلدی نفی میں سر ہلانے لگا' اس کا گویا سانس بند ہو رہا تھا۔ ''میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ پلیز یہ مجھے دے دو۔''

فارس اٹھا' سیدھا کھڑا ہوا۔ گردن جھکا کر اسے دیکھا۔ ''میرا بھائی تمہارے پاس آیا تھا فائلز لے کر.... اس نے تم پہ اعتماد کیا تھا' اور تم نے معلوم ہے اس کے ساتھ کیا کیا؟'' شیشی فضا میں بلند کی۔ ''تم نے اسے چھوڑ دیا۔'' اور اس نے شیشی چھوڑ دی۔ الیاس فاطمی کے منہ سے چیخ نکلی۔ شیشی اس کے قریب گر کر چکنا چور ہو گئی۔ محلول بہہ گیا۔ وہ جھک کر انگلیوں سے محلول اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''یہ تم نے کیا کیا.... تم نے مجھے مار دیا....''

فارس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ساتھ میں کچھ کہا بھی۔ اہلکار نے جلدی سے اسے کھولا' اور اندر آیا۔ اس کی ہتھکڑی کو اپنی زنجیر کے ساتھ نتھی کیا۔ پھر نیچے گرے' پاگلوں کی طرح اس محلول کو چاٹتے' روتے بلکتے فاطمی کو دیکھا۔ ''یہ مرتو نہیں جائے گا؟''

''اس جیسے لوگ آسانی سے نہیں مرتے۔ فکر نہ کرو' زہر نہیں دیا۔ ٹارچر ڈرگ تھی' آدھے گھنٹے میں ٹھیک ہو جائے گا۔'' بے نیازی سے کہہ کر وہ ان کے ساتھ باہر نکل گیا۔ ادھر الیاس فاطمی ابھی تک کراہتے' روتے اس محلول کو چاٹنے کی سعی کر رہا تھا جو صرف... سادہ پانی تھا۔

راہداری میں چلتے ہوئے زمر مخالف سمت سے آئی اور اس کو روکا۔

''کچھ معلوم ہوا؟'' دھڑکتے دل سے پوچھا۔ فارس نے نفی میں سر ہلایا۔

''اسے کچھ بھی نہیں معلوم۔ ابھی تک اس شخص کا پتہ نہیں چل سکا جو فاطمی کو اس جج سے جوڑ سکے۔'' وہ بے زار اور خفا لگ رہا تھا۔ زمر کے چہرے پہ مایوسی پھیلی۔ ''کیا واقعی؟'' وہ ''جی'' کہہ کر اہلکاروں کی معیت میں آگے بڑھ گیا۔ اس کا نام پکارے جانے کا وقت قریب تھا۔

آج اس کا چودہ روزہ جسمانی ریمانڈ ختم ہو رہا تھا۔ عدالت نے ضمانت کی درخواست مسترد کرتے ہوئے اسے جوڈیشل ریمانڈ پہ جیل بھیجنے کا حکم صادر کر دیا۔ اپنی گرفتاری کے چودہ دن بعد بالآخر وہ اسی جیل دوبارہ جا رہا تھا جو چار سال تک اس کا ''گھر'' بنی رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ چلتی باہر تک آئی تھی جہاں ''حوالات'' (جیل لے جانے کے لیے وین نما خوفناک سواری) تیار کھڑی تھی۔ لمحے بھر کے لیے اس نے فارس کو روکا تھا۔

''آج عدالت نے تمام کاغذات، تفتیش کی تفصیلات، چالان وغیرہ کی کاپی ہمارے حوالے کر دی ہے۔ اب ہمارے پاس ایک

ہفتہ ہے اگلی سماعت تک۔ سو اب تم جس کو چاہو اپنا وکیل مقرر کرو!'' وہ کچھ کہنے لگا تھا مگر زمر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکتے بات جاری رکھی۔

''لیکن اگر تم مجھے ہائر کرنا چاہتے ہو تو.. فارس... تمہیں مجھ سے ... ریکویسٹ کرنی ہوگی!''

اس کا ابرو بے اختیار اٹھا۔ برہمی سے کچھ کہنے لگا۔ پھر گردن گھما کر دیکھا۔ اس کے انتظار میں اہلکار کھڑے تھے۔ بہت ضبط سے زمر کی طرف گھوما۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

''میں..... ریکویسٹ کروں؟'' اپنی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ زمر نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ ''بالکل۔ ورنہ کوئی اور وکیل ڈھونڈ لو۔''

''مسز زمر۔'' ایک نظر اس کے پٹی میں بندھے ہاتھ پہ ڈالی، دوسری ناک کی نتھ پہ۔ ''کیا آپ کمرہ عدالت میں میری نمائندگی کرنا پسند کریں گی؟''

''پہلے کہو، پلیز!'' (اور یہ الفاظ کہتے اسے کچھ اور نہیں صرف کچھوے یاد آئے تھے۔)

فارس نے صبر کا گھونٹ بھرا۔ ''پلیز!''

''شیور!'' وہ مسکرا کر شانے اچکاتی پرس کنگھالنے لگی۔ ''اگر تم یہ سائن کر دو۔'' ایک چیک اور پین نکال کر اس کے سامنے کیا۔ فارس کے اب کی بار دونوں ابرو اٹھے۔ ''یہ تو میری چیک بک کا چیک ہے!''

''اور اس پہ جو رقم لکھی ہے وہ میری ابتدائی فیس ہے! سائن کر دو، یا کوئی اور وکیل ڈھونڈ لو!''

''یہ صرف ابتدائی فیس ہے؟''

''ہاں فارس۔ تم نے کیا بے مول سمجھ رکھا تھا مجھے؟'' مسکراتے ہوئے بھی اس کی آواز میں شکوہ در آیا تھا۔ فارس نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی، ہتھکڑی لگے ہاتھوں سے قلم تھاما اور سائن کر دیا۔ پھر اسے انہی نظروں سے گھورتا جانے کے لیے پلٹ گیا۔

وہ اس ٹھنڈی سی سہ پہر میں ان اہلکاروں کو اسے حوالات میں ڈال کر لے جاتے دیکھتی رہی۔

.....❖❖❖.....

انمول پتھروں کی قیمت لگائی ہے سب نے ..... دیوار جو نہ بنتے، بازار بن کر جیتے

سمندر کنارے وہ اونچی ہوٹل کی عمارت رات کے اس پہر روشن تھی۔ نیچے تاریک تہہ خانے میں میری اینجیو فون لیے سعدی کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ جو اضطرابی انداز میں مسلسل ٹہل رہا تھا' تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ آنکھوں میں شدید بے چینی تھی۔ ''کال کرو ہاشم کو!''

''تم ٹھیک نہیں کر رہے سعدی، تم پچھتاؤ گے!'' وہ شدید متفکر تھی۔ ''تمہیں فارس کے مشورے پہ بھروسہ ہے؟''

''دیکھو' وہ غصے کے تیز ہیں' جلد باز ہیں' ہاتھوں سے سوچتے ہیں' میں سب جانتا ہوں' مگر میرا دل کہتا ہے وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں! اور میں دل کی سننا چاہتا ہوں۔'' میری نے سر جھٹکا' اور فون ملا کر' ہاشم سے بات کروانے کا کہہ کر ریسیور اسے دیا۔

''بولو سعدی!'' ہاشم کا لہجہ خشک تھا۔

''میں اپنے وکیل کا نام بتانے کو تیار ہوں۔ مگر...''

''مگر تمہیں بدلے میں کچھ چاہیے۔ بتاؤ۔'' وہ آفس میں بیٹھا' فون کان اور کندھے کے درمیان رکھے' کاغذات کھنگال رہا تھا۔

''میں صرف آپ کو بتاؤں گا۔ آپ اور آپ کی والدہ دونوں میرے پاس آئیں گے' اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ سچ سچ بتا دوں گا۔ میں آپ کے لئے کام بھی کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن بدلے میں' میں پیسے لوں گا' بہت پیسے۔ وہ پیسے میرے خاندان کو دیے جائیں گے۔ اور میرا پیکج آپ اور مسز کاردار میرے ساتھ بیٹھ کر مجھ سے ڈسکس کر کے طے کریں گے۔''

''اس تبدیلی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟''

''میں تھک چکا ہوں ہاشم بھائی۔ میں تنگ آ گیا ہوں۔'' وہ روانی میں کہہ گیا تھا' پھر رک کر مسکرایا۔ اور بظاہر تصحیح کی۔ ''ہاشم!'' میری کو دیکھتے آنکھ دبائی۔ اگر وہ ندرت ہوتی تو جوتا اٹھا لیتی۔

''اگلے ہفتے ہم نے آنا ہے ادھر' ٹھیک ہے تمہارے پاس بھی آ جائیں گے' لیکن تم اپنا وعدہ پورا کرو گے۔'' اس کی آواز میں ہلکی سی نرمی تھی۔

''اور پلیز... اس ہپنوتھراپسٹ سے کہیں' یہاں سے چلی جائے' میں نے نہیں کروانا اس سے علاج۔ کیوں میرے پیچھے پڑی ہے؟''

وہ کاغذ فائل سے نکالتا رکا۔ ایک دم چونک کر چہرہ اٹھایا۔ فون کندھے سے نکال کر ہاتھ میں لیا۔ ''کون تھراپسٹ؟''

''وہی سرخ اسکارف والی' آپ کے بزنس پارٹنر کی بیٹی۔ جس کو کرنل خاور میرے پاس لایا ہے۔'' لمحے بھر کو رکا۔ ''کیا آپ کو نہیں پتہ؟''

دوسری طرف فون منقطع ہو چکا تھا۔ ہاشم موبائل رکھتے ہی آندھی طوفان کی طرح کمرے سے نکلا تھا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلے کرتے' سرخ چہرے کے ساتھ وہ تیز تیز قدم بڑھاتا ہال عبور کر کے سامنے آیا۔ ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔

خاور فون پہ بات کر رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر اٹھا۔ ہاشم آگے بڑھا' فون کا کریڈل کھینچ کر زمین پہ دے مارا۔ خاور ایک دم ششدر رہ گیا۔ اس نے گریبان سے پکڑ کر خاور کو جھٹکا دیا۔

''کس کی اجازت سے تم آبی کو وہاں لے کر گئے؟ تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟'' سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا وہ دھاڑا تھا۔

''سر... میں نے ہپنوتھراپسٹ کی بات کی تھی آپ سے... میں نے ہارون صاحب سے...'' وہ ہکلاتے ہوئے وضاحت دینے لگا۔

''بکواس بند کرو۔ تم میرے لئے کام کرتے ہو' ہارون عبید کے لئے نہیں۔'' غصے سے اس کا کالر جھٹک کر اسے پرے دھکیلا۔ ''تم مجھ سے پوچھے بغیر اتنا بڑا اقدم کیسے اٹھا سکتے ہو؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔''

''سر' میں تو....''

''بکواس بند کرو۔'' اس نے زور سے بوٹ کی ٹھوکر ماری اور نازک سی ٹی ٹرالی الٹ کر پیچھے جا گری۔ ''ابھی.... ابھی اس کو واپس لا گے تم وہاں سے۔ خاور اگر وہ دوبارہ اس سے ملی تو میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔ سنا تم نے!''

خاور کا اہانت اور شاک سے بھرا چہرہ چھوڑ کر وہ اسی طرح باہر نکل گیا۔ اسے کہیں پہنچنا تھا جلدی' ورنہ شاید وہ واقعی خاور کو شوٹ کر دیتا۔ خاور ابھی تک دنگ تھا۔ پسِ منظر میں ایک آواز ابھری تھی۔ ''تم کبھی کاردار نہیں بن سکتے۔ وہ تمہیں کبھی اپنے ساتھ نہیں بٹھاتے۔''

.....❖❖❖.....

رہا مبتلا میں عمر بھر آگے کی دوڑ میں ..... جو آج مڑ کر دیکھا تو تنہا کھڑا تھا میں

سرمد شاہ ان دنوں ایک ورکشاپ کے سلسلے میں ملک سے باہر تھا۔ فارس غازی جو ڈیشل ریمانڈ پہ جس دن جیل بھیجا گیا' اس روز سرمد شاہ واپس آیا تھا۔ ائیر پورٹ سے گھر کے راستے میں اس نے ڈرائیور سے پوچھا تھا۔

''عائزہ بی بی کہاں ہیں؟ دو دن سے فون نہیں اٹھا رہیں۔ لینڈ لائن بھی نہیں مل رہا۔'' ڈرائیور لاتعلقی کا اظہار کر کے خاموش رہا تھا' البتہ بار بار بیک ویو مرر میں صاحب کو دیکھتا ضرور تھا۔

کار گیٹ کے اندر داخل ہوئی اور وہ دروازہ کھولتا باہر نکلا تو دیکھا' لان میں عائزہ اور شزا کے والد کھڑے تھے۔ وہ دراز قد' سیاہ سرمئی قلموں والے' بھرے بھرے جسم کے تنومند انسان تھے' سفید شلوار سوٹ میں ملبوس' اور چہرے کا رنگ سرخ' گلابی سا۔ ساتھ موجود چار افراد بھی

اسے دیکھ کر کھڑے ہوئے تھے۔ سرمد شاہ کو انہونی کا احساس ہوا تھا۔

''السلام وعلیکم انکل۔'' وہ بظاہر مسکرا کر کہتا' گلاسز گریبان میں اٹکاتا ان کی طرف آ رہا تھا۔ آئی جی صاحب آگے بڑھے اور ایک دم اسے گریبان سے پکڑ لیا۔

''ساری دنیا کہتی تھی' جیسا باپ ہے ویسا بیٹا نکلے گا' پھر بھی میں نے تمہارا اعتبار کیا۔'' انہوں نے بھاری بھرکم ہاتھ اس کے منہ پہ جڑا تھا۔ غصے سے وہ بہت سے مغلظات بھی کہہ رہے تھے۔ سرمد شاہ پیچھے کو لڑکھڑایا۔ ''تم نے میری دونوں بیٹیاں برباد کر دیں۔''

''انکل' کیا ہو گیا ہے؟'' اس کا چہرہ سرخ ہوا' وہ ان کا ہاتھ روکنے کی کوشش کرنے لگا' دو نوجوان آگے بڑھے اور آئی جی صاحب کو تھام کر بمشکل ہٹایا۔ ایک نے سرعت سے سرمد شاہ کے ہاتھ پیچھے باندھے اور اس سے پہلے کہ وہ مزاحمت کر پاتا' اس نے ہتھکڑی بند کر دی۔

''کیا کر رہے ہو' چھوڑو مجھے... انکل... میری بات سنیں۔'' وہ بھی غصے سے چلایا تھا۔ ''وہ جھوٹ بول رہی ہے' وہ بکواس کر رہی ہے' میں...''

''وہ تمہاری دوسری شادی کے بارے میں جان گئی تھی اس لئے تم نے اسے اغوا کر لیا۔ تم نے میری بیٹی کو برباد کر دیا۔'' وہ غصے اور دکھ سے پھر اس کی طرف بڑھے تھے مگر دونوں جوانوں نے انہیں پھر سے تھام کر پیچھے کیے رکھا۔

''سر' آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' آپ اندر جائیں' یہ ہمارے حوالے ہے۔'' ایک آفیسر ان کو تسلی دے رہا تھا۔

''عائزہ کہاں ہے؟ عائزہ کو بلاؤ۔ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔'' وہ ان دو اہلکاروں کے نرغے میں پھنسا' سرخ چہرے کے ساتھ چلا چلا کر ملازموں کو کہہ رہا تھا۔ مگر کوئی نہیں سن رہا تھا۔

''نام مت لو میری بیٹی کا۔'' وہ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کرتے گرجے تھے۔ ''عائزہ' ارسم' اور شزا کو ملک سے باہر بھیج دیا ہے میں نے' ساری زندگی تم اپنے بیٹے کی شکل کو ترسو گے۔ تم بھی تو جانو اولاد کو کھونے کا درد کیا ہوتا ہے سرمد۔''

''آپ میرے ساتھ ایسے نہیں کر سکتے۔ چھوڑو مجھے۔ میرا بیٹا کہاں ہے؟'' وہ چلایا تھا۔

''اسے دور لے جاؤ میری نظروں سے۔ اس سے طلاق نامے پہ دستخط کرواؤ' اور پراپرٹی کے کاغذوں پہ بھی' اس کو.... اس کو اتنا مارو ولید کہ اس کی شکل بدل جائے۔'' وہ تیز تیز بولتے ہانپنے لگے تھے۔ دو اہلکار اس کو زبردستی کھینچتے' گھسیٹتے کار کی طرف لے جا رہے تھے۔

''دیکھ لوں گا میں تم سب کو۔ کوئی بھی عدالت میں مجھ پہ کچھ ثابت نہیں کر سکتا۔'' وہ ہذیانی انداز میں چلایا تھا۔ آفیسر نے اسے کار میں دھکا دیا' پھر جھک کر سختی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''کون سی عدالت؟ ہم تمہیں تمہارے جیسے کسی تھانے نہیں لے جا رہے۔ ہم تمہیں بیورو کی زیرِ زمین جیل میں لے جا رہے ہیں۔ کرمنل پروسیجر کورٹ ہم پہ اپلائی نہیں ہوتا' نہ ہم تمہیں کسی عدالت میں پیش کریں گے۔ آج سے تم ایک مسنگ پرسن ہو۔'' اور کھٹاک سے دروازہ اس کے منہ پہ بند کیا۔ آئی جی صاحب ابھی تک غصے سے ہانپتے اس کو گالیاں نکال رہے تھے۔ پھر وہ تھک کر کرسی پہ نڈھال سے بیٹھے۔ انہیں معلوم تھا وہ طاقتور لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا ہے، وہ ناجائز پیسا بناتا ہے، فیورز دیتا ہے، مگر انہوں نے اسے کچھ نہیں کہا۔

وہ غیر جانبدار رہنا چاہتے تھے۔ اور انسان کو جہنم میں اس کی غیر جانبداری ضرور پہنچاتی ہے۔

انیکسی کے تہہ خانے میں دیوار پہ لگے کاغذوں کے سامنے حنین کھڑی تھی۔ ہاتھ اونچا کر کے اس نے سرمد شاہ کی تصویر اتاری اور اس کے دو ٹکڑے کر کے قریب جلتے ہیٹر پہ رکھ دیے۔ آگ کے شعلے تصویر کو اپنی لپیٹ میں لے کر سیاہ کرنے لگے۔

.....❖❖❖.....

کبھی جو مدتوں بعد اس کا سامنا ہو گا ..... سوائے پاس آدابِ تکلف کے اور کیا ہو گا

حنہ نے اطمینان سے مڑ کر زمر کو دیکھا جو میز پہ فائلز اور کتابیں رکھے نوٹس بنا رہی تھی۔ سر اٹھائے بغیر بولی۔

''اس کو انجوائے مت کرو۔'' حنہ چونکی۔ پھر خفیف سا سر جھٹکا۔ ''میں تو انجوائے نہیں کر رہی۔''

زمر کے موبائل کی ٹون بجی تو وہ فون اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اس کے ڈاکٹر پیغام تھا۔

''خوش قسمتی سے ایک ڈونر کا بندوبست ہو گیا ہے۔ اس کا نمبر بھیج رہا ہوں، آپ اس سے بات کر لیں اور تمام معاملات طے کر لیں۔ غریب آدمی ہے، پیسوں کی سخت ضرورت ہے اسے!'' ساتھ ہی ایک نمبر موصول ہوا۔ زمر نے گہری سانس لی اور ''ڈونر'' کے نام سے اسے محفوظ کر دیا۔ دل سے ایک بوجھ سا ہٹا تھا۔

''وہ فائلز کہاں تک پہنچیں حنین؟''

''بتایا تھا نا، اپنی ایک فلپینو خاور کے پاس لے کر گئی تھی، اس پہ تجربہ کر کے اس سے انکرپٹ کرنے کا طریقہ سیکھا ہے۔ اب ان فائلز پہ احتیاط سے اپلائی کر رہی ہوں وہ طریقہ۔ بہت سی چیزیں اب بھی نہیں معلوم سو کچھ دن لگیں گے۔ شاید مہینے۔ مگر ہو جائے گا!'' وہ پرامید تھی۔

ان سے چند کوس دور، قصرِ کاردار کا لاؤنج پورا روشن تھا اور اوپر سے نوشیرواں چہرے پہ ڈھیروں بے زاری سجائے، سستی سے زینے اتر رہا تھا۔ جمائی روکتے وہ نیچے آیا اور صوفے پہ ڈھیر ہو گیا۔ آنکھوں کے گلابی پن سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ڈرگز استعمال کر رہا تھا۔

''ممی کہاں ہیں فیبونا؟'' فیبونا سامنے آئی تو اس نے پکارتے ہوئے میز پہ پیر رکھے اور موبائل چہرے کے سامنے کیے فیس بک کھولنے لگا۔

''مسز کاردار اور ہاشم صاحب صبح سری لنکا کے لئے نکلے تھے۔ ان کی کوئی میٹنگ تھی۔ اور ایک سیمینار بھی تھا۔''

''ہوں۔'' وہ خاموشی سے بیٹھا موبائل دیکھتا رہا۔ شہرین کی ساری ٹائم لائن چیک کی۔ ایک ایک پوسٹ پڑھی مگر پھر بے زار ہو گیا۔ سر جھٹک کر چہرہ اٹھایا تو مرکزی دیوار پہ بڑا سا وکٹورین ڈیزائن کا فریم آویزاں دیکھا جس میں وہ چاروں کھڑے مسکرا رہے تھے۔ اورنگزیب، ہاشم، جواہرات اور وہ خود۔ شیرواسے تکے گیا۔ مکمل فیملی گروپ فوٹو۔

ایک خیال نے ذہن پہ ہلکی سی دستک دی۔ کیا یہ مکمل گروپ فوٹو تھا؟ مگر فیملی تو مکمل نہ تھی۔ کسی معمول کی طرح اس نے موبائل اسکرین کو چھوا۔ سرچ کے خانے میں لکھا ''علیشا کاردار'' اور کچھ بھی سوچے بنا کلک کر دیا۔

فہرست میں پہلے نام کی بریکٹس میں لکھا تھا (Ants EverAfter)۔ جس زمانے میں گھر میں اس لڑکی کے نام پہ جواہرات اور اورنگزیب میں لڑائی ہوتی تھی، تب اس نے سرچ کیا تھا اس کو۔ شاید اسی لئے اس کا نام اب بھی نکل آیا تھا۔ سرِ فہرست۔ نوشیرواں نے پروفائل کھولی۔ کور فوٹو پہ کلک کیا۔ وہ دو ہفتے قبل لگائی گئی تھی۔ پہلے سے ذرا بڑی بڑی اور مسکراتی ہوئی علیشا، کتابیں لئے، کسی یونیورسٹی کے باہر کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں... شیرو نے اسکرین کو زوم اِن کیا.... بالکل اورنگزیب جیسی تھیں۔ نوشیرواں جیسی۔ فارس جیسی۔

کتنے ہی پل بیت گئے۔ وہ یونہی گردن ترچھی کیے اس کی تصویر دیکھتا رہا۔ وہ rehab سے صحت یاب ہو کر آ گئی تھی اور اب تعلیم حاصل کر رہی تھی، یہ تصویر سے واضح تھا۔ بغیر کسی دوسرے خیال کو ذہن میں لائے، شیرو نے فرینڈ ریکویسٹ کے آپشن کو کلک کر دیا۔

''دوستی کی درخواست بھیج دی گئی ہے۔'' فیس بک نے ادب سے اطلاع دی۔ وہ عجیب سا محسوس کرنے لگا تھا۔

.....❖❖❖.....

نہ شاہ پہ مرے ہم، نہ شاہ سے ڈرے ہم ! ..... کچھ عجیب گر نہ ہوتے، شاہکار بن کے جیتے

کولمبو کی پرنم' بھیگی ہواؤں میں اس شام عجیب سا جوش تھا۔ جو مایوسی کی انتہا پہ پہنچنے والوں کو نئے دن کے سورج کی امید دلایا کرتا ہے۔ ایسے میں اس طویل قامت ہوٹل کی عمارت کی ایک کھڑکی سے اندر جھانکو تو بیڈ پہ نیم دراز آبدار کتاب پڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔ بال اسکارف سے آزاد' لمبے اور سرخ رنگ کے تھے۔ چمکتا ہوا سرخ بھورا رنگ۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ دھرا موبائل خاموش تھا۔ اس پہ ہاشم کی پچھلے سات دنوں میں سات کالز آئی تھیں جو اس نے نہیں اٹھائی تھیں۔ خاور کی ایک ہی تھی جو اس نے سن کر بے رخی سے صرف اتنا کہا تھا۔

''ابھی وہ دن نہیں آیا جب ہاشم کاردار مجھ پہ حکم چلا سکے' جب مرضی ہوگی چلی جاؤں گی۔'' اور کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا۔

اب بھی پڑھتے پڑھتے اس نے اچانک دراز کھولا اور وہ مڑا تڑا سا کاغذ نکالا۔ ہمن۔ اس کا کیا مطلب تھا؟ وہ الجھ کر اس تصویر پہ ہاتھ پھیرنے لگی....

زیرِ زمین جاؤ تو سعدی کے کمرے کے باہر بنے لاؤنج میں ہاشم، گرے سوٹ، ٹائی اور مسحور کن پرفیوم میں لپٹا، ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ جبکہ جواہرات درزدیدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی' پرس نیچے رکھتی' دوسری کرسی پہ بیٹھ رہی تھی۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ مگر آنکھوں میں شدید کوفت تھی۔

سعدی سامنے آ کھڑا ہوا تو وہ بدقت مسکرائی۔ نزاکت سے ماتھے پہ آئے بال انگلی سے پیچھے جھٹکے اور سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ ''تم کیسے ہو سعدی؟ مجھے خوشی ہے کہ تم نے درست راستے کا انتخاب دیر سے ہی سہی' مگر کر لیا۔''

وہ سفید ٹی شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس تھا۔ چہرے پہ سنجیدگی اور آنکھوں میں نرمی تھی۔ ذرا سا مسکرایا۔ ''میں ٹھیک ہوں مسز کاردار۔ کیا آپ نے مجھے کبھی مِس کیا؟'' پھر مقابل کرسی پہ بیٹھا اور ایک نظر ہاشم پہ ڈالی جو سنجیدہ اور سپاٹ نظر آ رہا تھا۔

''کیوں نہیں۔ تم ہمارے بہت اچھے دوست تھے سعدی!''

''میں اب بھی آپ ہی کا دوست ہوں۔'' اس نے جواہرات کی آنکھوں میں دیکھ کر یاددہانی کروائی۔

''کام کی بات پہ آؤ سعدی۔ تمہیں کیا چاہیے؟ ممی کو بمشکل میں نے ساتھ آنے پہ راضی کیا ہے۔ اگر اس میں پھر تمہاری کوئی گیم ہوئی تو...''

''شہرین کاردار۔ میری وکیل شہرین تھی۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ''اس کو دی تھی میں نے ویڈیو کی ایک کاپی۔ نیلے رنگ کے لفافے میں ایک سی ڈی ہے جو encrypted ہے۔ اس نے اپنے کمرے کے لاکر میں رکھی تھی۔''

ہاشم بری طرح چونکا تھا۔ ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔ ایک نظر جواہرات کو دیکھا جو دوسری جانب یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ ''میری ادھر کیا کر رہی ہے؟'' میری کچن کی چوکھٹ پہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

''شہری؟ شہری نے.... تم سچ بول رہے ہو؟''

''میں جھوٹ نہیں بولتا تمہیں پتہ ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسی انداز میں بولا تھا۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

''میری ادھر کیسے ہاشم؟'' جواہرات کسی خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔ بے یقین نگاہیں میری پہ جمی تھیں۔

''میری کو ہاشم نے میری دیکھ بھال کے لئے رکھ لیا ہے مسز کاردار۔ فکر نہ کریں۔ ہمارا بہت اچھا وقت گزر رہا ہے یہاں۔'' مسکرا کر اطلاع دی تو جواہرات ایک دم گم صم سی اسے دیکھنے لگی۔

''کام کی بات پہ آؤ سعدی۔ تمہارا پیکج؟''

''میں نے آپ کو یہاں کچھ اور بتانے کے لئے بلایا ہے۔'' ہاشم کے چہرے پہ برہمی ابھری۔

''تمہاری گیمز نہیں ختم ہوں گی' ہاں؟ میں جا رہا ہوں۔'' وہ بے زار سا کھڑا ہوا ہی تھا کہ سعدی نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تمہارے باپ کی موت طبعی نہیں تھی۔ اسے قتل کیا گیا تھا۔''

لمحے بھر کو ہر شے ساکت ہو گئی۔ باہر بہتا سمندر' تیز چلتی نم ہوا' ہاشم کی آنکھیں۔ اور جواہرات کی دھڑکن۔

''کیا بکواس ہے یہ؟'' وہ بیٹھا نہیں' انداز میں غصے سے زیادہ تعجب تھا۔

''تمہارے باپ کا چہرہ مرتے وقت بے حد سفید تھا۔ تم نے ڈاکٹر سے بھی پوچھا تھا مگر ڈاکٹر نے تم سے جھوٹ بولا۔ اس نے کہا یہ ایستھما کی وجہ سے ہے۔'' وہ بھی کھڑا ہو گیا۔ لمحے بھر کے لئے ہاشم کی آنکھوں سے نگاہیں ہٹائے بغیر۔ ''مگر ڈاکٹر بک چکا تھا۔ تم نے بھی یقین کر لیا' کیونکہ تمہارے نزدیک یہ ناممکن تھا کہ تمہارے ناقابلِ تسخیر باپ کو' تمہارے دیوتا جیسے باپ کو کوئی قتل کر سکے۔ قتل تو ہم چیونٹیوں جیسے لوگ کیے جاتے ہیں۔ پیر کے نیچے مسلے جاتے ہیں۔ آج میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہارا باپ بھی قتل ہوا تھا۔''

جواہرات ایک دم کھڑی ہوئی۔ وحشت سے دور کھڑی میری کو دیکھا۔ اور پھر سعدی کو جو ہاشم کے مقابل کھڑا تھا۔ اس نے ہاشم کا چہرہ دیکھا' وہ برہم تھا' متعجب تھا اور.... اور وہ چونکا ہوا بھی لگتا تھا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

''تمہارے آفس آ کر بھی تم سے سب سچ بولا تھا میں نے ہاشم۔ تم مجھے جانتے ہو۔ میں ثبوت اور گواہ دیکھ چکا ہوں' اسی لئے کہہ رہا ہوں۔ تمہارے باپ کو قتل کیا گیا تھا' اور جانتے ہو کس نے قتل کیا انہیں؟'' وہ ہلکا سا مسکرایا' ایک سرد تپتی نگاہ سفید چہرے والی جواہرات پہ ڈالی۔

وہ نمک کا مجسمہ بنی کھڑی تھی۔ بے یقین' خوفزدہ.... یہ کچھ کرنے کا وقت تھا۔ وہ بے ہوش ہو جائے' طبیعت خرابی کا کہہ کر ہاشم سے کہے کہ وہاں سے نکلیں.... اسے سعدی کو خاموش کروانا تھا... مگر وہ جانتی تھی ہر شے بے سود تھی۔

''ہاشم یہ جھوٹ بول رہا ہے' اس کی بات مت سنو...'' بدقت وہ بڑبڑائی۔ دل ڈوب رہا تھا۔ مگر ہاشم نے نہیں سنا۔ اس کا غصہ کم ہو رہا تھا' اور وہ چونک کر سعدی کو دیکھ رہا تھا۔ ''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''جاؤ' اپنے ڈاکٹر کی کنپٹی پہ پستول رکھو' اور اس سے پوچھو کہ کس نے رپورٹ بدلنے کا حکم دیا تھا؟ وہ بھی اسی کا نام لے گا جس کا نام میں لوں گا۔ بتاؤں' کون ہے وہ؟''

''ہاشم!'' جواہرات کی آنکھوں میں آنسو آ ٹھہرے۔ وہ صرف ہاشم کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ سعدی کی آنکھوں میں دیکھتے کسی ٹرانس میں تھا۔ وہ پر یقین نہیں تھا' مگر وہ شک میں تھا۔ ''تم میرے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہے ہو' مجھے معلوم ہے سعدی!''

''مگر تمہاری آنکھیں کہہ رہی ہیں کہ تم اس شخص کا نام جاننا چاہتے ہو۔ تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کس نے قتل کیا تمہارے باپ کو۔'' پھر سے ایک کاٹ دار نظر جواہرات پہ ڈالی۔ ''تمہارے باپ کو اس نے مارا ہے جس کے ساتھ تم ایک چھت تلے رہتے ہو۔ قاتل تمہارے گھر میں سے ہی ہے....''

جواہرات کو لگا' سعدی نے زنجیر کا پھندا اس کی گردن میں ڈال رکھا ہے اور اب آہستہ آہستہ زنجیر گھما رہا ہے۔ گویا کھینچنے ہی والا ہو۔

''کس کی بات کر رہے ہو؟''

''ہاشم.... اس کو مت سنو!'' اس کا گلا رندھ گیا۔

''وہ جس کو تم سے محبت کا دعویٰ ہے.... تمہاری خیر خواہی کا دعویٰ ہے' تم سے دوستی کا دعویٰ ہے.... جس پہ تم بہت اعتماد کرتے ہو.... اس نے تمہیں دھوکہ دیا ہے ہاشم کاردار!''

جواہرات کی آنکھوں کے آگے اندھیرے چھانے لگے۔ اس کا سانس رک چکا تھا۔ گردن کے گرد زنجیر تنگ ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

''کون؟ کس کی بات کر رہے ہو؟'' وہ اب بھی شک و شبے مگر تھمے سانسوں کے ساتھ سعدی کو دیکھ رہا تھا۔ سعدی ایک قدم مزید آگے بڑھا' ہاشم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مسکرایا۔ ''خاور۔ کرنل خاور نے قتل کیا ہے تمہارے باپ کو۔''

اور چند فلور اوپر۔۔۔ بیڈ پہ نیم دراز سرخ بالوں والی لڑکی کاغذ کو دیکھتی ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھی۔ اس کی بلی جیسی آنکھیں چمکی تھیں۔

''میں اسے غلط دیکھ رہی تھی۔ یہ کانٹا نہیں ہے۔'' وہ دبے دبے جوش سے بڑبڑائی تھی۔ ''یہ کراس ہے۔ صلیب ہے۔ اور یہ لفظ.... یہ ''ن'' نہیں ہے.... یہ.... یہ ہامان ہے۔'' اس کے ابرو اٹھے۔ ''اور ہامان کون تھا؟''

وہ چونکی۔ ''فرعونِ موسیٰ کا وزیر... اس کا دست راست.... اس کے سارے کام سرانجام دینے والا.... اس کی حفاظت کرنے والا۔'' وہ ''ب'' ہوئی۔ اتنے دن بعد اس نے بالآخر وہ پیغام ڈی کرپٹ کر لیا تھا جو کہہ رہا تھا.....

''ہامان کو... سولی چڑھا دو!''

.....❖❖❖.....

باب18:

بھاری ہے وہ سر...جو پہنتا ہے تاج!

میری رعایا کے ہزاروں لوگ
کیسے اس گھڑی سو رہے ہوں گے!
اے نیند، اے میٹھی نیند!
قدرت کی نرم طبیب!
کتنا ڈرتا ہوں میں تم سے
کہ تم مزید اب میری آنکھوں کو بوجھل کر کے
میری حسیات کو نسیان میں نہیں دھکیلتی!
اے سکون کی دیوی، کیونکر تم رہتی ہو
چھوٹی بستیوں کے گندے میلے بستروں میں،
مگر شاہی پلنگ کو چھوڑ جاتی ہو؟
اے نیند، تم اس گستاخ گھڑی کسی بحری جہاز پہ
بھیگے ہوئے لڑکے پہ تو مہربان ہو سکتی ہو
مگر اس پرسکون اور خاموش رات میں،
ہر آسائش اور نعمت ہونے کے باوجود،
ایک بادشاہ کے سپرد ہونے سے انکاری ہو؟
مگر اس لیے کہ
رہتا ہے بھاری وہ سر،
جو پہنتا ہے تاج!

(ولیم شیکسپیئر کے ڈرامے کنگ ہنری فور سے ''کنگ ہنری'' کا مکالمہ)

''خاور....کرنل خاور نے قتل کیا ہے تمہارے باپ کو!'' جہاں جواہرات ششدر رہ گئی وہیں، ہاشم کے کان کی لوئیں سرخ ہوئیں۔ آنکھوں میں برہمی عود آئی۔

''تم خاور پہ اتنا بڑا الزام کیسے لگا سکتے ہو؟ ایک منٹ!'' پتلیاں سکیڑے نفی میں سر ہلاتے وہ بولا تھا۔ ''یہ کیا تمہاری کوئی نئی گیم ہے؟ تم مجھے اور خاور کو توڑنا چاہتے ہو؟ جانتے ہو نا کہ وہ میرا خاص آدمی ہے!''

''میں صرف تمہیں اذیت دینا چاہتا ہوں، اور اپنی بات ثابت کرنے کی ضرورت مجھے نہیں ہے۔ تحقیق تم نے خود کرنی ہے۔''

جواہرات سفید چہرے کے ساتھ نڈھال سی واپس بیٹھی۔

''کیا بکواس ہے یہ سعدی! پیکج، پیسے، میرے لیے کام، وہ سب جھوٹ تھے جن کے بہانے تم نے مجھے یہاں بلایا!'' ہاشم نے بے زار سا سر جھٹکا۔ ''اور میرے باپ کی موت صرف ایک حادثہ تھی۔ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ انہیں قتل کیا گیا تھا' ہاں؟''

''گواہ ہے میرے پاس!'' سعدی نے جواہرات کو دیکھتے ہوئے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ وہ جو دم بخود بیٹھی تھی' چونکی۔ ''سعدی تم یہ کیا.....''

''مسز کاردار ہیں گواہ! کیوں مسز کاردار؟ کیا آپ نے مجھے نہیں بتایا تھا، دو سال پہلے کہ آپ کو شک ہے خاور پہ؟''

ہاشم ایک دم بالکل ٹھہر گیا۔ جواہرات کا سانس تک رک گیا۔

''ممی' آپ کو خاور پہ شک تھا؟'' اس کی ٹون بدلی۔ چونک کر ماں کو دیکھنے لگا تھا۔

''آرام سے ہاشم۔ تم دیکھ نہیں رہے' وہ خوفزدہ ہیں۔'' سعدی نے نرمی سے مداخلت کی۔ ''میں بتاتا ہوں' تمہارے والد کی موت کے کچھ دن بعد' جب میں مسز کاردار کی خیریت پتہ کرنے آیا تو انہوں نے مجھ سے اپنے خدشے کا اظہار کیا تھا۔ ان کو شک تھا کہ انہوں نے لائبریری سے باہر کوئی سایہ سا باتھ روم سے نکل کر اندھیرے میں غائب ہوتے دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا' وہ ان کے سب سے وفادار ملازم کا سایہ لگتا تھا مگر وہ پر یقین نہیں تھیں۔ میں نے بھی ان کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا لیکن..... قید خانہ انسان کو غور و فکر کے لمبے مواقع دیتا ہے۔'' وہ بول جا رہا تھا مگر ہاشم ٹھیک سے سن بھی نہیں رہا تھا۔ وہ ششدر بیٹھی ماں کے پاس آیا' اور سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

''ممی یہ کیا کہہ رہا ہے؟ کیا واقعی آپ نے کچھ دیکھا تھا؟''

جواہرات نے سفید چہرہ اٹھایا۔ ایک نظر سعدی پہ ڈالی۔ گردن کی زنجیر تنگ ہوئی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ یہی وقت تھا جب وہ سر اٹھا کر ان تمام الزامات سے انکار کر سکتی تھی' اور اس متوقع بلیک میل سے بچ سکتی تھی' مگر سر اٹھانے کے لئے کورے اعمال نامے چاہیے ہوتے ہیں۔

اس نے گلابی' نم پڑتی آنکھوں سے ہاشم کو دیکھا۔ وہ فکرمندی' اور برہمی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اس کی طرف متوجہ تھا۔

''وہ..... صرف ایک سایہ تھا' مجھے نہیں یاد میں نے خاور کا نام لیا ہو۔'' آنسوؤں سے اس کا گلا رندھا۔ ہاشم کے چہرے پہ جیسے کسی نے طمانچہ دے مارا تھا۔

''تو مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' زور سے چلاتے ہوئے اس نے بوٹ سے میز کو ٹھوکر ماری۔ میز چائے کے کپس سمیت الٹ گئی۔ جہاں سعدی کی مسکراہٹ تھی' دل زور سے دھڑکا' وہاں کچن میں کھڑی میری بھی کانپ گئی۔

''میں..... میں بوڑھی ہو رہی ہوں' شاید وہ نظروں کا دھوکہ ہو' میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' جواہرات ٹوٹے پھوٹے لفظ بول رہی تھی۔ بار بار انگلیوں کے پوروں سے چہرہ تھپتھپاتی۔ ''میں تو اس بات کو بھول بھال گئی تھی۔'' ایک ملامتی' بھیگی نظر سعدی پہ ڈالی۔ اس نے پلکیں بند کر کے سر کو خم دیا۔ گردن کی زنجیر اب کس گئی تھی۔ ہاشم اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں نہیں مان سکتا۔ خاور میرا وفادار ہے۔ اس کا ڈیڈ سے کوئی جھگڑا نہیں تھا۔'' وہ اب نفی میں سر ہلاتے اب ادھر ادھر ٹہلتے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ہو سکتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں' یا میرا اندازہ غلط ہو۔ تم پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر سے پوچھ لو۔'' ہاشم گھوم کر اس کے پاس آیا' کالر سے پکڑ کر اسے کھینچ کر اٹھایا اور اپنے مقابل لا کر' سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتے' وہ غرایا تھا۔

''اگر یہ بات جھوٹ نکلی تو میں تمہیں وہ سزا دوں گا کہ دنیا دیکھے گی۔ سمجھے تم!'' جھٹکے سے کالر چھوڑا۔

''تمہارے باپ کو قتل کیا گیا ہے ہاشم۔ اگر خاور نے نہیں' تو کسی اور نے۔ کس نے کیا ہے' یہ اب تمہیں خود کھوجنا ہے۔''

ہاشم ایک تیز مگر مضطرب سی نظر اس پہ ڈال کر ''چلیں ممی!'' کہتا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا' وہ غصے میں لگتا تھا' اور شدید بے سکون بھی۔ جواہرات بدقت اپنے قدموں پہ کھڑی ہوئی۔ ملامتی نظروں سے سعدی کو دیکھا۔

''اتنی اذیت کیوں دے رہے ہو مجھے اور میرے بیٹے کو؟ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ خاور نے یہ سب کیا ہے؟'' مضبوط بنانے کی کوشش میں کمزور آواز مزید کپکپائی۔

''آپ خوفزدہ نہ ہوں۔ جب تک آپ کے بیٹے آپ کے ساتھ ہیں' کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' اس کے الفاظ پہ وہ اندر تک کانپ گئی۔

''اگر یہ جھوٹ نکلا تو میں تمہارا بہت برا حشر کروں گا سعدی!'' دروازے پہ کھڑا ہاشم انگلی اٹھا کر غصے سے تنبیہہ کر رہا تھا۔ سعدی نے سینے پہ ہاتھ رکھے' سر کو خم دیا۔ ان کے جانے کے بعد وہ جیسے ہی کمرے میں آیا' میری پیچھے آئی۔

''یہ بہت برا آئیڈیا تھا۔ سعدی۔'' وہ شدید پریشان تھی۔ ''جب خاور کے خلاف کوئی ثبوت ہے ہی نہیں تو وہ کیسے مجرم ثابت ہوگا؟''

وہ زخمی سا مسکرایا۔ ''ثبوت مجھے نہیں ڈھونڈنے۔ ثبوت مسز کاردار خود پیدا کریں گی' کیونکہ ہاشم ایک بات پہ یقین کر چکا ہے' کہ اس کا باپ طبعی موت نہیں مرا۔ اب الزام کس کے سر آئے گا؟ یہ مسز کاردار نے طے کرنا ہے۔ اب وہی ثابت کریں گی کہ خاور اصل مجرم ہے!''

''مگر اس سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟'' یہ سوال میری کو اب بھی الجھا رہا تھا۔

''دیکھتی جاؤ!'' وہ گہری سانس لے کر بیڈ پہ بیٹھ گیا اور میری فکرمندی سی باہر نکل گئی۔ وہ شدید ناخوش تھی۔

..... ❖❖❖ .....

تو میرا حوصلہ تو دیکھ، داد تو دے کہ اب ..... مجھے شوقِ کمال بھی نہیں، خوفِ زوال بھی نہیں

لمحے بھر کے لیے ایک ہفتہ پیچھے جاتے ہیں۔

سنہری نرم گرم دھوپ جیل کے صحن میں بکھری تھی۔ فارس غازی سفید کرتے میں ملبوس' ایک سپاہی کی معیت میں چلتا آ رہا تھا۔ لگ بھگ چھے سات ماہ بعد وہ اس جیل میں دوبارہ داخل ہوا تھا۔ راہداری پرانی اور گندی میلی تھی۔ دیوار میں سلاخیں لگا کر دروازے بنائے گئے تھے۔ جگہ جگہ سطور، شعر اور نام دیواروں پہ لکھے تھے۔ وہ تنے ابرو' اٹھی گردن اور بے نیازی کے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔ راستے میں چند جگہوں پہ اسے سلام کیا گیا۔ جس کا اس نے کبھی سر کے خم اور کبھی ماتھے کو ہاتھ سے چھو کر اسی بے نیازی مگر اپنائیت سے جواب دیا اور آگے چلتا گیا۔

وہ ایک طویل کھلا اور روشن سا کمرہ تھا۔ دونوں مخالف دیواروں کے ساتھ دو قطاروں میں میٹرس لگے تھے۔ ہر میٹرس کے اوپر دیوار پہ کھونٹی پہ متعلقہ قیدی کے کپڑے' سوئیٹر وغیرہ لٹک رہے تھے۔ کوئی بیٹھا تھا' کوئی گروہ کی صورت کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ وہ اندر داخل ہوا تو کسی کی نگاہ ادھر پڑی' کسی نے اس کا نام لیا۔ گردنیں مڑیں۔ خاموشی ہر سو پھیلی۔ بہت سے سلام بلند ہوئے۔ وہ سر کے خم اور بڑبڑاہٹ سے جواب دیتا کونے تک آیا۔ یہ میٹرس اس کا تھا۔ وہ نیچے بیٹھا۔ سر جھکا کر جوتے اتارنے لگا۔

''تو ادھر دوبارہ کیسے غازی؟'' کسی نے متفکر سا پکارا تھا۔

''مرڈر!'' دیوار سے ٹیک لگائے' اکڑوں بیٹھ گیا۔ اور سامنے خلا میں دیکھنے لگا۔ چند مزید باتیں سنائی دیں پھر وہ سرگوشیوں میں بدل گئیں۔ وہ اب نگاہ گھما کر ان در و دیوار کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر آنکھیں بند کیں۔

جب وہ پہلی دفعہ جیل میں آیا تھا تب وہ ایسا نہیں تھا۔ تب کچھ بھی ایسا نہ تھا۔ مگر اس نے ذہن سے ان دنوں کو جھٹک دیا۔ اور گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ قیدی ابھی تک مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہے تھے۔

پھر ایک گروہ نے کسی کو راستہ دیا اور ایک شخص ان کے پیچھے سے نکل کر سامنے آتا دکھائی دیا۔ اس کی داڑھی اور مونچھیں سکھوں کی مانند تھیں' آنکھوں میں سرمہ اور چہرے پہ اپنائیت بھری مسکراہٹ تھی۔ اسے دیکھ کر فارس اٹھ کھڑا ہوا۔

''غازی!'' اس نے مصافحے کی بجائے پنجہ سا بڑھایا جس کے ساتھ فارس نے پنجہ ملا کر جکڑا' اور پھر اس سے گلے ملا۔ علیحدہ ہو کر اس نے مسکرا کر فارس کو دیکھتے اس کا شانہ تھپکا۔

''اداس نہ ہو یار۔ یہ بھی تیرا اپنا ہی گھر ہے۔''

فارس نے افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ ہلکے سے سر جھٹکا۔ ''نہ یہ گھر ہے' نہ اپنا ہے۔''

''چل آ۔ تجھے کچھ نئے دوستوں سے ملواتا ہوں۔'' وہ اس کو دوستانہ انداز میں شانے سے تھامے ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔

اس کا نام محمد جلال الدین آتش تھا' مگر یہاں اسے صرف ''آتش'' کہا جاتا تھا۔ اس کی آنکھ کے قریب ایک گہرے زخم کا پرانا نشان تھا۔ چپ چاپ اس کے ساتھ چلتے فارس نے ایک خاموش نظر اس کی آنکھ کے نشان پہ ڈالی تھی۔

یہ زخم اسے فارس نے ہی دیا تھا۔ کسی اور زمانے' کسی اور دنیا میں۔

اس منظر کو سات دن بیت چکے تھے۔ وکیلِ دفاع کو دیے گئے سات دن کی مہلت آج تمام ہوئی تھی۔ سو کل اسے پھر ''ہوالات'' (گاڑی) میں ڈال کر عدالت لے جایا جانا تھا۔ وہ آج بھی اتنا ہی سنجیدہ اور خاموش تھا۔

.....❖❖❖.....

سبھی پریاں محبت کی جفا نے مار ڈالی ہیں ..... ایک آسیب آیا تھا، یہاں گلفام سے پہلے

سعدی کے پاس سے آ کر ہاشم اپنے کمرے میں دائیں بائیں ٹہل رہا تھا' اور جواہرات مضطرب سی کرسی پہ بیٹھی تھی۔ وہ صرف اداس تھا' پریشان' چونکا ہوا تھا' مگر جواہرات.... اس کا چہرہ سفید اور جسم بے جان تھا۔ وہ بار بار لب کھولتی لیکن پھر ہاشم کے تیور دیکھ کر چپ ہو جاتی۔

ہاشم کو یہیں چھوڑ کر، نچلے فلور پہ جاؤ تو کمروں کے بند دروازے راہداری کے دونوں طرف قطار سے لگے تھے۔ دفعتاً ایک دروازہ کھول کر آبدار نکلی اور تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔ لفٹ نیچے اتری تو وہ کچن میں آئی اور وہاں سے سیدھی ہیڈ شیف کے سر پہ پہنچی۔

''مجھے نیچے جانا ہے۔'' مقامی بھاشا میں سنجیدگی سے کہا۔ شیف نے تذبذب سے اسے دیکھا۔ ''مجھے اجازت نہیں ہے مادام۔ فصیح صاحب کی غیر موجودگی میں....''

اس نے اسٹینڈ سے ایک تیز چھرا اٹھایا اور اس کی نوک' شیف کے کاؤنٹر پہ رکھے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیانی خلا میں گاڑھی' پھر تیکھی نظروں سے اس کا یکدم شل ہوتا چہرہ دیکھا۔ ''تم مجھے بتاؤ' اگر میں تمہیں قتل کر دوں' تو کیا میں جیل جاؤں گی؟ تمہیں نہیں لگتا کہ میرے بابا مجھے چھڑا لیں گے؟ ہاں؟'' شیف نے آہستہ سے اپنا ہاتھ نکال لیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سعدی کے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ دستک دے کر دروازہ کھولا تو وہ ہنوز مضطرب سا' مگر سوچ میں گم بیڈ پہ بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر چونکا۔ پھر کھڑا ہوا۔ ''میں نے وکیل کا نام بتا دیا ہے ہاشم کو۔ اب تمہیں یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ اندر آئی' دروازہ بند کیا' اور بند دروازے سے پشت لگائے' چمکدار آنکھوں اور مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ ''ہامان کون ہے؟''

سعدی کی گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ مگر آنکھوں میں سختی در آئی۔

''ماموں نے تمہارے ذریعے پیغام بھیجا' انہیں تم پہ اعتبار تھا' مجھے نہیں ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم سب بھول جاؤ۔''

''کون ہے ہامان اور کیا کرو گے تم اس کے ساتھ؟'' وہ پلکیں جھپکا کر شیطانی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

''کم از کم تمہاری طرح میں لوگوں کو سرِ راہ پٹوایا نہیں کرتا۔''

آبی کی مسکراہٹ تھمی۔ ابرو تعجب سے بھنچے۔

''تم نے اس روز بھی مجھ سے یہی بات کہی۔ کتنے جج مینٹل انسان ہو تم۔ تم نے خود سے فرض کر لیا کہ نوشیرواں کو پٹوانے میں میرا ہاتھ تھا!''

''محترمہ آپ کے منگیتر نے خود نوشیرواں کو بتایا تھا کہ وہ آپ کا منگیتر ہے اور یہ کہ اگر اس نے دوبارہ آپ کو تنگ کیا تو اچھا نہیں ہو گا۔ اس سے بھی انکار کر دیں۔ اسی لئے میں نے کہا نا' مجھے آپ پہ اعتبار نہیں ہے۔''

سوگوار کمرے میں ایک دم تناؤ سا در آیا۔ آبی لمحے بھر کو بالکل سُن رہ گئی۔ متحیر۔ مبہوت۔ وہ جو بہت کچھ کہنے کے ارادے سے آئی تھی' سب بھول کر باہر کو لپکی۔ پھولے تنفس اور سرخ چہرے کے ساتھ تیز تیز اوپر آئی تھی۔ ایک دروازے کے سامنے رک کر بیل بجائی۔ پھر بند مٹھی سے اسے بجایا۔ زور سے۔ جواب موصول نہ ہوا تو اونچا سا بولی۔ ''آبدار ہوں۔ دروازہ کھولو!''

اگلے ہی لمحے دروازہ اندر کو کھلا اور ہاشم کاردار سامنے نظر آیا۔ کوٹ اور ٹائی ندارد' آستین کہنیوں تک موڑے وہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

پسِ منظر میں کرسی پہ بیٹھی جواہرات دکھائی دے رہی تھی۔

''کیسی ہو، ریڈ؟'' جبراً مسکرانے کی کوشش کی۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' وہ برہم نگاہیں اس پہ جمائے سینے پہ بازو لپیٹے ہوئے تھی۔

''ابھی میں..... بات نہیں کر سکتا۔ بعد میں.....'' وہ واقعی اس وقت بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

''جب نوشیرواں مجھے یونیورسٹی میں تنگ کر رہا تھا تو میں نے تمہیں کال کی تھی۔ صرف تمہیں۔ اور تم نے میری شکایت کے جواب میں کہا تھا کہ تم سنبھال لو گے۔ کیسے سنبھالا تھا تم نے؟''

ہاشم دروازہ بند کر کے راہداری میں آ کھڑا ہوا۔ بولا کچھ نہیں۔ بس اسے دیکھتا رہا۔

''ایک دن اچانک سے اس نے مجھے کالز کرنا چھوڑ دیا۔ دوبارہ کبھی میرے راستے میں نہیں آیا۔ میں نے کبھی نہیں پوچھا کہ کیوں؟''

''آبی!''

''تم نے اپنے ہی بھائی کو پٹوایا' ہاشم؟'' وہ بے یقین تھی۔

''کس نے بتایا تمہیں؟ تمہارے نئے بیسٹ فرینڈ نے؟'' ہلکا سا طنز کیا۔

''ہاشم! تم نے میرے کسی منگیتر کا کہہ کر اس کو پٹوایا؟ تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟''

''سنو آبدار!'' اب کے وہ سختی سے بولا تھا۔ ''میرا باپ میرا آئیڈیل تھا۔'' کرب سے لمحے بھر کو آنکھیں بند کیں۔ ''جب میں ہائی اسکول میں تھا تو میں کچھ غلط لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا تھا۔ میرے باپ نے مجھے ان کے ساتھ پولیس سے پکڑوایا اور تھانے میں ایک رات کے لیے بند کروایا۔ میں اس کے بعد کبھی ان لڑکوں سے نہیں ملا۔ میری پڑھائی ٹھیک ہو گئی۔ جیسے میرے باپ نے مجھے ہینڈل کیا تھا' میں نے شیرو کو بھی ویسے ہی ہینڈل کیا اور وہ بھی ٹھیک ہو گیا۔ وہ میرا بھائی ہے' اس کی حفاظت مجھے کرنی ہے' کیسے، یہ صرف میں جانتا ہوں۔ گڈ نائٹ!'' ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈال کر، اس کے منہ پہ دروازہ بند کر کے اندر چلا گیا۔ آبدار ابھی تک بے یقین کھڑی تھی۔

جواہرات اسے آتے دیکھ کر پریشانی سے اٹھی۔ ''ہاشم' شاید ہم خواہ مخواہ سعدی کی بات کو سیریس.....''

''میرا باپ قتل ہوا ہے ممی!'' وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا قریب آیا۔ ''مجھے اپنے باپ کی نعش دیکھ کر ہی سمجھ جانا چاہیے تھا'

ں نے ڈاکٹر پہ بھروسہ کیا۔ سعدی ٹھیک کہتا ہے' میرا تکبر مجھے دھوکہ دے گیا۔ میرا نا قابلِ تسخیر باپ کیسے قتل ہوسکتا ہے' میں یہ ماننے لے تیار نہ تھا۔ ورنہ ہر چیز میری آنکھوں کے سامنے تھی۔'' نفی میں سر ہلاتے' وہ نچڑی رنگت کے ساتھ کرسی پہ بیٹھا۔ جواہرات مضطرب ا لھ ی رہی۔

''کیا خاور ایسا کرسکتا ہے؟''

ہاشم نے بند دروازے کو دیکھا جس کے پار کچھ دیر پہلے آبی کھڑی تھی۔

''ممی خاور بہت کچھ کرسکتا ہے۔ مجھے بتائے بغیر۔'' پھر دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں مسلیں۔ ''مگر وہ میرے باپ کو نہیں مار ا ا۔''

''ہمیں اس ڈاکٹر سے بات کرنی چاہیے۔'' جواہرات نے فوراً موبائل اٹھایا' مگر اگلے ہی لمحے وہ ششدر رہ گئی جب ہاشم نے سختی ے موبائل اس کے ہاتھ سے چھینا۔

''کوئی کسی سے بات نہیں کرے گا۔ صرف میں بات کروں گا اس سے۔ آپ بھی کسی کو کال نہیں کریں گی۔'' انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ واہرات کا سانس رک گیا۔ ''میں تمہاری ماں ہوں ہاشم!''

''اور جو مرا تھا' وہ میرا باپ تھا۔ جو بات آپ نے سعدی کو بتائی' وہ مجھے نہیں بتائی ممی۔ اس وقت مجھے کسی پہ بھروسہ نہیں ہے۔'' گلابی ا لھوں کے ساتھ وہ دکھ سے کہتا اٹھا۔ موبائل اس کے ہاتھ میں تھا۔ ''آپ پہ بھی نہیں۔'' اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ جواہرات کی آنکھ سے ایک ا ا و نکلا اور چہرے پہ لڑھک گیا۔ ہاشم زور سے دروازہ بند کر کے جا چکا تھا۔ وہ بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔

.....❖❖❖.....

روزِ قیامت ہے میرا ہر روزِ حیات ..... حشر ہوں، اور خود اپنے اندر برپا ہوں

اسلام آباد میں اگلی صبح سرد اور نم سی محسوس ہوتی تھی۔ سورج بادلوں کے پیچھے چھپا تھا۔ اور ان بادلوں کا رنگ گناہوں کی طرح سیاہ تھا' گویا سارے شہر پہ اندھیرا سا چھایا ہو۔ ایسے میں کچہری کی سفید عمارت نکھری نکھری سی کھڑی تھی اور ایک وسیع اور بلند ہال کے اندر دیکھو تو راہداریوں کے جہنمی شور سے بے نیاز' وہاں عدالتی کارروائی جاری تھی۔ بلند چبوترے پہ اپنی اونچی کرسی پہ براجمان سیشن جج جناب فخر الزماں صاحب' ناک پہ عینک جمائے' ہاتھ میں پکڑے کاغذ سے پڑھ کر کہہ رہے تھے۔

''فارس طہیر غازی! کیا آپ نے 12 اگست کی صبح ناظم فاروق کے ساتھ مل کر قمر الدین چودھری کو اغوا کیا' اور.....''

سامنے کٹہرے میں فارس گردن تنے' ریلنگ پہ ہاتھ رکھے کھڑا' سنجیدگی سے سن رہا تھا۔ صاف ستھرے سفید کرتے میں ملبوس' تازہ بی شیو' اور تازہ کٹوائے بالوں کے ساتھ' وہ ہونٹوں کے زخم کے باوجود تندرست و توانا لگ رہا تھا۔

چبوترے سے نیچے اترو تو سامنے دونوں اطراف میں میزیں رکھی تھیں۔ ایک طرف سرکاری پراسیکیوٹر بیٹھا تھا' ساتھ میں دو وکلاء اور بھی تھے۔ دوسری میز کے پیچھے کرسی پہ ٹیک لگائے' قلم انگلیوں میں گھماتی زمر بیٹھی' سوچتی نگاہوں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔ ادھر جج صاحب فردِ جرم پڑھ رہے تھے۔

''اور لاش کو کار میں ڈالا اور ناظم فاروق کے ساتھ اسے مقتول کے گھر لے آئے، پھر اسے گھر کے باہر پھینکا اور اسی کار میں فرار ہو گئے۔'' جج نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''کیا آپ ان جرائم کا اقرار کرتے ہیں؟''

''نہیں یور آنر۔ میں بے قصور ہوں۔ میں نے یہ اغواء اور قتل نہیں کیا۔'' زمر نے نگاہ سامنے رکھے کاغذ پہ ڈالی۔ اس پہ یہی سوال و جواب لکھے پڑے تھے۔ روٹین کی کارروائی جاری تھی۔

''کیا آپ کو 13 اکتوبر کی رات آپ کے گھر سے گرفتار کیا گیا اور آپ سے مذکورہ پستول برآمد کیا گیا؟''

''نہیں یور آنر۔ میری گرفتاری کے وقت میرے پاس میری گن نہیں تھی۔ جس پستول کی برآمدگی لکھی گئی ہے' وہ پولیس نے میرے اوپر ڈالی ہے' وہ پستول نہ میرا ہے' نہ میرے پاس سے ملا ہے۔'' سنجیدگی سے وہ سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔

''آپ کس طرح پلیڈ کریں گے؟''

"I plead innocent." وہ اسی میکانکی انداز میں بولا تھا۔

زمر نے آخری سوال پہ نظر دوڑائی جو کاغذ پہ لکھا تھا۔ ایک سطر کا سوال (کیا آپ اپنے خلاف گواہ کے طور پہ پیش ہونا چاہیں گے؟) اور اس کا ایک لفظ ''نہیں'' میں جواب۔ جج صاحب بھی اب وہی پوچھ رہے تھے۔

''فارس طہیر غازی' کیا آپ سی آر پی سی 340 کے تحت اپنے خلاف گواہ کے طور پہ پیش ہونا چاہیں گے؟'' زمر ہونٹوں میں قلم چباتے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ لمحے بھر کو رکا۔ پھر اسی تنی گردن سے بولا۔

''جی۔ یور آنر!''

زمر بجلی کی تیزی سے کھڑی ہوئی۔ ''یور آنر' مجھے اپنے کلائنٹ سے بات کرنی ہے۔'' جج نے ایک گہری نظر فارس پہ ڈالی' دوسری زمر پہ۔ ''آپ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے اپنے وکیل سے کنسلٹ کر لیجئے۔'' گویا تنبیہہ کی۔ مگر وہ ویسا ہی مطمئن کھڑا رہا۔ ''میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ یور آنر۔ میں اپنا گواہ بننے کو تیار ہوں۔ کیونکہ میں بے گناہ ہوں۔'' اور ایک اچٹتی نظر نیچے کھڑی زمر پہ ڈالی جو ایک دم پریشان سی ہو گئی تھی۔

(جب عدالت میں کسی شخص کے خلاف کسی الزام پہ مقدمہ چل رہا ہوتا ہے تو ملزم کے پاس خاموش رہنے کا حق ہوتا ہے..... کوئی اس سے عدالت میں گواہی دینے یعنی اعتراف جرم کرنے کے لیے نہیں بلا سکتا..... ہاں اگر وہ خود چاہے تو اپنا گواہ خود بننے کے لیے خود کو پیش کر سکتا ہے..... اس صورت میں پراسیکیوٹر کو اس سے سوال کرنے اور اس پر جرح کرنے کا حق ہو گا..... اس کو اللہ کی قسم اٹھا کر سچ سچ جواب دینا ہو گا.....)

''ٹھیک ہے۔ آپ کو ٹرائل کا حق دیا جا رہا ہے۔ گیارہ نومبر کو استغاثہ عدالت میں اپنے.....'' وہ آرڈر جاری کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ اور زمر کا بس نہیں چل رہا تھا' کہ ان کا ہتھوڑا اٹھا کر فارس کو دے مارے۔

کارروائی ختم ہونے کے بعد وہ اس کے ساتھ چلتی باہر آئی' اور جس وقت پولیس اہلکار اس کو ہتھکڑی لگا رہے تھے' وہ بہت ضبط سے بولی تھی۔

''فارس' تم گواہی نہیں دے سکتے۔'' آنکھوں سے تنبیہہ کی۔ وہ چہرہ موڑ کر اسے دیکھنے لگا' پھر ذرا سا مسکرایا۔

''میں بے گناہ ہوں' گواہی دے سکتا ہوں۔''

''وہ تم سے 28 اگست کی رات کے بارے میں پوچھیں گے۔''

''میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔'' ہتھکڑی بند ہوئی اور وہ اسے لے کر مڑ گئے اور زمر... پیر پٹخ کر رہ گئی۔ وہ شدید پریشان ہو گئی تھی۔ وہ اس کے لیے عدالت میں ایک ہزار جھوٹ بول سکتی تھی' اور عدالت میں یہی تو کیا جاتا ہے' مگر کٹہرے میں کھڑے ہو کر گواہ کے طور پہ قسم اٹھا کر جھوٹ۔۔۔ یہ پر جری تھی' اور وہ ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اسے معلوم تھا فارس بھی جھوٹ نہیں بولے گا' اور ہاشم کو بھی معلوم تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا' اسی لئے تو سارا کھیل ترتیب دیا تھا' قاتل نہ سہی' arsonist ہونا ہی کھل جائے! اف وہ اس آدمی کا کیا کرے۔

بہت برے موڈ کے ساتھ وہ واپس پلٹی تھی۔

شہر کے دوسرے حصے میں قائم قصرِ کاردار کی اونچی کھڑکیوں سے باہر صبح کا سیاہ آسمان نظر آرہا تھا۔ لاؤنج کی ایک کھڑکی کے قریب کرسی پہ نیم دراز' پیر چھوٹی میز پہ رکھے' نوشیرواں رات والے کپڑوں اور بکھرے بالوں میں' تازہ تازہ نیند سے جاگا' موبائل پہ لگا تھا۔ انگلی سے اسکرین اوپر نیچے کرتے' بے زاری اور سستی سے نیوز فیڈ دیکھتے' وہ ایک دم ٹھہرا۔ ذرا چونکا۔ سستی غائب ہوئی۔ اطلاع موصول ہوئی تھی۔ علیشا کاردار نے آپ کی دوستی کی درخواست قبول کرلی ہے۔

نوشیرواں نے تھوڑی پہ فرنچ داڑھی کھجائی۔ ایک دم اپنا آپ چغد سا لگا۔ اس حرکت کی وجہ سمجھ نہیں آئی۔ کیوں کیا ایسے؟ قنوطیت کا دورہ سا پڑنے لگا تو ابرو اکٹھے ہوئے۔ خفگی سے علیشا کی پروفائل کھولی' اور دوستی ختم کرنے کے نشان کو کلک کرنے ہی لگا تھا کہ.....

علیشا کا پیغام موصول ہوا۔ سرخ نشان ابھرا۔ شیرو نے اسے دبایا۔ ''نوشیرواں کاردار؟ تم نے مجھے ایڈ کیوں کیا؟''

اس کی انگلیاں بنا سوچے سمجھے کی پیڈ پہ چلنے لگیں۔ ''کیوں؟ کیا میں تمہیں ایڈ نہیں کرسکتا؟ کیا ہم فیملی نہیں ہیں؟'' ساتھ ہی کندھے بھی اچکائے تھے۔

''واہ۔ پچیس سال بعد تمہیں یاد آگیا کہ ہم فیملی ہیں۔''

''اگر میری جگہ ہاشم بھائی نے تمہیں ایڈ کیا ہوتا تو تم شاید کسی اور طرح جواب دیتی، ہے نا؟''

''ہاشم کو مجھے ایڈ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ہر مہینے مجھے فون کرلیتا ہے' اور وہ میری فیس بھی ادا کررہا ہے' اس کے بدلے میں مجھے صرف تمہارے خاندان سے دور رہنا ہے۔ اس لئے مجھے اسی طرح جواب دینا چاہیے۔ بائے۔'' اور وہ آف لائن ہوگئی۔

نوشیرواں کو غصہ نہیں آیا' وہ اسی طرح عجیب سے احساس میں گھرا بیٹھا رہا۔ تبھی باہر ہلچل کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔ وہ چونکا اور گردن موڑ کر دیکھا۔ کھڑکی کے پار رکتی کاریں... کھلتے دروازے... آوازیں... تیز تیز گھر کی طرف بڑھتا ہاشم... پیچھے جواہرات.... سب دکھائی دے رہا تھا۔ شیرو نے ایک دم جلدی سے فیس بک بند کی اور فون پاکٹ میں گویا چھپاتا، اٹھا۔

''ہیلو بھائی۔ آپ جلدی آگئے۔'' ہاشم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو شیرو جبراً مسکراتا سامنے آیا۔

ہاشم سنجیدہ ایک سپاٹ نظر اس پہ ڈالتا تیزی سے کنٹرول روم کی طرف چلا گیا۔ شیرو نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا' پھر پیچھے آتی مضطرب سی جواہرات کو۔ تبھی فیبو نا سامنے آئی' ادب سے ہاتھ باندھے مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہا۔

''خاور کہاں ہے؟'' جواہرات نے اسی اضطراب سے پوچھا تھا۔

''مسٹر خاور کو کل ہاشم صاحب نے فون کرکے سندھ جانے کا حکم دیا تھا' وہاں پلانٹ پہ کچھ کام تھے۔ غالباً دو تین روز میں آپائے گا۔''

''اچھا۔'' جواہرات آدھی بات اَن سنی کرتی ہاشم کے پیچھے گئی۔ فیبو نا تو اثر لئے بنا کھانا لگانے کا حکم دینے کچن کی طرف چلی گئی' البتہ نوشیرواں قدرے اچنبھے' قدرے خفگی سے ماں کے پیچھے آیا۔

''آپ لوگوں کا موڈ کیوں خراب ہے؟' کنٹرول روم کے دروازے پہ آیا تو اگلے الفاظ منہ میں رہ گئے۔ ہاشم مختلف دراز' اور خانے کھول کر کچھ تلاش کررہا تھا۔ جواہرات اس کے سر پہ کھڑی پریشان سی کہہ رہی تھی۔

''کچھ دیر آرام کرلو' شام کو ڈاکٹر واسطی کو گھر بلا کر بات کرلیں گے۔''

ایک کاغذ دراز سے نکال کر وہ اسے جیب میں اڑستا اٹھا۔ ''میرے باپ کی موت کو اس نے مذاق بنا کر رکھ دیا اور آپ کہتی ہیں میں آرام کرلوں؟'' ایسے چیخ کر بولا تھا کہ جواہرات چپ رہ گئی۔

''کیا ہوا بھائی؟'' نوشیرواں چونکا تھا۔

''ہم ڈاکٹر واسطی کی طرف جارہے ہیں' لباس بدلو۔'' سختی سے کہہ کر فون پہ کال ملانے لگا۔ نوشیرواں نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔ جواہرات نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

''رئیس' تم پہنچے نہیں اب تک؟'' وہ اب فون پہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ ماحول کا تناؤ ہر گزرتے پل بڑھتا جارہا تھا۔

.....❖❖❖.....

نہ کوئی سمت نہ منزل، سو قافلہ کیسا؟ ..... رواں ہے بھیڑ فقط، بے قیاس لوگوں کی

کاردارز کو وہیں چھوڑ کر' سبزہ زار عبور کر کے' انیکسی کے اندر آؤ تو دوپہر کے باوجود' موسم کے باعث اندر اندھیرا سا تھا اور ٹیوب لائٹس جلی تھیں۔ کچن کی گول میز کے گرد ندرت بیٹھی مٹر چھیل رہی تھیں' اور حنین ساتھ میں مونگ پھلی کے شاپر سے مونگ پھلیاں نکال کر کھا رہی تھی۔

''ہزار دفعہ کہا ہے' چھلکے اسی شاپر میں صاف مونگ پھلی کے ساتھ نہ پھینکا کرو۔'' اس کے مسلسل چھلکے اندر ہی پھینکنے پہ ندرت نے ٹوکا۔ حنہ سر ہلا کر اب چھلکے میز پہ رکھنے لگی۔ ندرت کو پھر سے تاؤ آیا۔

''حنین کوئی تمیز ہے تم میں؟ دوسروں کی بیٹیاں دیکھی ہیں؟ سگھڑ' سلیقہ شعار' کام کرتو' کیا کیا نہیں ہوتیں؟ تم کب سیکھو گی؟''

''امی' پہلی بات' ماموں کے نہ ہونے کا غصہ مجھ پہ نہ نکالیں۔ دوسری بات۔'' پھلی منہ میں ڈالتے' چباتے چباتے سنجیدگی سے ان کو دیکھ کر کہنے لگی۔ ''دوسروں کی بیٹیاں میری طرح پڑھائی میں اچھی' اور کمپیوٹر جینئس نہیں ہوتیں۔''

''لڑکیوں کے کام یہ کمپیوٹر نہیں آتے۔''

''یار امی میں نہ سلائی کڑھائی کر سکتی ہوں' نہ مجھے دس قسم کی چٹنیاں بنانی آتی ہیں۔ مجھ سے نا آپ سگھڑاپے کی توقع چھوڑ دیں۔'' مونگ پھلی پھانکتے بہت ادب سے اطلاع دی۔

''تمہیں لگتا ہے سگھڑاپا دس قسم کی چٹنیاں بنانے اور سلائی کڑھائی کرنے کا نام ہے؟'' آواز پہ حنہ چونکی۔ گردن موڑ کر دیکھا۔ بڑے ابا وہیل چیئر گھسیٹتے ادھر آرہے تھے' چہرے پہ نرم مسکراہٹ تھی۔ ندرت اٹھ کر چولہے کی طرف چلی گئیں۔ فارس کے ذکر سے وہ رنجیدہ ہو گئی تھیں۔

''ہاں نا' وہی ہوتی ہیں نا سگھڑ لڑکیاں جو ڈائجسٹ کی کہانیوں میں گھر کے بنے کباب' سموسے' تل کر مہمانوں کے سامنے رکھتی ہیں اور ساتھ میں گھر کی ہی چٹنیاں... اور فلاں ٹانکے سے کڑھائی شدہ میز پوش بچھاتی ہیں۔'' وہ مزے سے بتا کر ہنسنے لگی۔ ابا نہیں ہنسے۔

''وہ سگھڑ نہیں ہوتیں۔ وہ ٹیلینٹڈ ہوتی ہیں۔ یہ تو ٹیلنٹس ہیں۔ مگر سگھڑاپا اس کا نام نہیں ہوتا۔''

''اس سے پہلے کہ دادا حضور، آپ مجھے بتائیں کہ میں پھوہڑ ہوں' میں آپ کو بتاتی چلوں کہ آپ کی صاحبزادی کو بھی وکالت کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ نہ وہ کھانا بناتی ہیں' نہ سلائی کڑھائی کر سکتی ہیں۔'' مدافعانہ انداز میں اطلاع دی۔

''بالکل۔ زمر کو کنگ نہیں کرتی۔ تمہیں تو دو چار انواع واقسام کی ڈشز بھی بنانی آتی ہیں' اسے وہ بھی نہیں آتیں۔ سادہ روٹی چاول' اور دو ایک سالن کے علاوہ وہ کچھ نہیں بنا سکتی۔ سلائی کڑھائی کو تو اس نے کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ مگر پھر بھی حنہ' وہ پھوہڑ نہیں ہے' سوچو کیوں؟''

''کیونکہ آپ اس وقت مجھے نصیحت کرنے کے موڈ میں ہیں؟'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''نہیں' کیونکہ تمہیں پھوہڑ کی اصل تعریف نہیں معلوم۔''

حنہ نے آنکھیں تیکھی کر کے ابرو اٹھائے۔ ''پھوہڑ وہی ہوتی ہے جو دس قسم کی چٹنیاں نہ بنا سکے' میز پوش اور ٹی کوزی پہ کڑھائی نہ کر سکے۔''

''ہرگز نہیں۔ پھوہڑ وہ لڑکی ہوتی ہے' جو صاف ستھری نہ ہو اور جو آرگنائزڈ نہ ہو۔''

حنین نے کندھے جھٹک کر اپنی طرف اشارہ کیا۔ ''میں تو صاف ستھری بیٹھی ہوں ابا۔'' اس کے کپڑے واقعی صاف' استری شدہ تھے' بال بھی سلیقے سے فرنچ چوٹی میں گوندھے تھے۔ منہ بھی دھلا' نکھرا نکھرا تھا۔

''پھوہڑ کا دائرہ ایک لڑکی کے اس کے گھر سے تعلق کے گرد پھیلا ہوتا ہے۔ پھوہڑ لڑکی وہ ہوتی ہے جس کے باتھ روم کا ٹوتھ برش والا کپ اندر سے صاف نہ ہو..... جس کی کچن کیبنیٹ کی اوپری سطح پہ گریس کی تہیں جمی ہوں... جس کے پردوں کی راڈ کے اندرونی طرف جالے ہوں... جس کے کچن سنک کی نل والی دیوار (بیک اسپلیش) صاف نہ ہو.. اور بتاؤں؟ یا پہلے تم یہی چیزیں چیک کر آؤ' کیونکہ تمہاری امی بہت سلیقہ منداور سگھڑ ہیں' مگر پچھلے تین ہفتے سے فارس کی گرفتاری کی وجہ سے وہ گھر پہ توجہ نہیں دے پا رہیں' تو یہ چیزیں تمہاری ذمہ داری میں آتی ہیں۔ جاؤ چیک کر کے آؤ۔'' وہ دھیمی آواز میں کہہ رہے تھے۔

حنین نے مونگ پھلی کا لفافہ پرے دھکیلا اور چمک کر ان کو دیکھا۔

''صفائی صداقت کرتا ہے۔'' ذرا رکی۔ ''ٹھیک ہے امی اب پہلے کی طرح سر پہ کھڑی ہو کر نہیں کرواتیں صفائی' مگر میرا باتھ روم اور ہمارا کچن چمک رہا ہوتا ہے ہمیشہ۔'' کرسی دھکیل کر اٹھی' اور ''یوٹو بروٹس'' والے دکھ سے ابا کو دیکھتی' سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

پہلے اپنا بیڈ روم دیکھا۔ صاف ستھرا پڑا تھا۔ طمانیت کا احساس ہوا۔ پردے ہٹائے اور اندرونی راڈز دیکھیں۔ دل ایک دم دھک سے رہ گیا۔ جالے! (مگر بڑے ابا تو کبھی اوپر نہیں آئے۔) باتھ روم میں آئی۔ تازہ تازہ دھلا تھا۔ فنائل کی خوشبو۔ صاف' لش چمکتا باتھ روم۔ ذرا خوش ہوئی۔ پھر ٹوتھ برش کپ ہولڈر سے نکالا اور اندر جھانکا۔ یک تھو۔ کراہ کر سنک میں پھینکا۔ اندر سے پیلا پانی جمع تھا۔ اف!

سب کی یہ جگہیں میلی ہوتی ہیں' اچھا۔ خود کو تسلی دی۔ پھر جلدی سے زمر کے کمرے میں آئی۔ چپکے سے پردے ہٹائے' صاف راڈز۔ باتھ روم میں ٹوتھ برش کپ میں جھانکا۔ اندر سے نکھرا صاف ستھرا کپ۔

ایں؟ وہ جز بز ہوئی۔ سارا گھر صداقت صاف کرتا تھا۔ پھر فرق کیوں؟ اس نے زمر کی الماریاں کھولیں۔ دراز نکال کر دیکھے۔ ہر شے سلیقے سے تہہ شدہ رکھی تھی۔ ایک اس کی الماری کھولنے پہ کپڑے باہر کو کیوں ابلتے تھے؟ دراز کیوں زلزلے کے بعد کے علاقوں کی طرح لگتے تھے؟

اونہوں! ابا بھی نا۔ دھپ دھپ کرتی نیچے آئی اور خفگی سے ان کے سامنے بیٹھی۔ انہوں نے مسکرا کر اطمینان سے اسے دیکھا۔

''کتنی چٹنیاں اور مربے ملے میری بڑی بیٹی کی الماریوں سے میری چھوٹی بیٹی کو؟'' انہوں نے سادگی سے سوال کیا۔

''دیکھیں' میں جیسی ہوں' ٹھیک ہوں۔ کوئی کسی چیز میں اچھا ہوتا ہے' کوئی کسی میں' پھر مجھے نہ اتنا ٹائم ملتا ہے' نہ موقع کہ گھر کے کام کروں۔''

ابا رازداری سے قریب ہوئے اور آہستہ سے بولے۔ ''ساری سنت' نکمی اور پھوہڑ لڑکیاں یہی کہتی ہیں۔''

حنہ نے شدید ناراضی سے ان کو دیکھا تھا۔ وہ اب وہیل چیئر موڑ رہے تھے۔

.....❖❖❖.....

تمام عمر بگولوں کی فصل کاٹے گا ..... کہا تھا کس نے کہ صحرا کی آبیاری کر

اس تاریک سی دوپہر ڈاکٹر واسطی جو سرکاری ہسپتال میں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تھے' ہسپتال کے پارکنگ ایریا کی طرف جا ہی رہے تھے کہ ایک سیاہ شیشوں والی کار ان کے سامنے آرکی' اور دو سوٹ میں ملبوس افراد باہر نکلے۔

''آپ کے گھر پہ ہاشم کاردار آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔'' اور کار کا دروازہ کھول دیا' گویا اندر بیٹھنے کا شارہ ہو۔ ڈاکٹر واسطی کا چہرہ

ایک دم سفید پڑنے لگا تھا۔

جس وقت وہ ان افراد کے ہمراہ اپنے ہی گھر میں کسی یرغمال کی طرح داخل ہوئے' سامنے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا تھا اور بڑے صوفے پہ ہاشم کاردار براجمان نظر آرہا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ دو انگلیوں میں خشک سگار گھما رہا تھا۔ سامنے میز پہ ڈاکٹر واسطی کے سگار کا ڈبہ کھلا پڑا تھا۔

''آؤ' میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔'' جس طرح وہ سلگتی پرتپش نظریں ان پہ گاڑھے بولا تھا' ان کے قدم سست ہوئے۔ ساتھ جواہرات بیٹھی تھی۔ سیاہ لمبی کافتان شرٹ اور سفید ٹائٹس میں' سیدھے بھورے بال چہرے کے ایک طرف گرائے اور لبوں پہ سرخ لپ اسٹک لگی تھی۔ وہ بھی ان کو انہی تپتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کونے میں نوشیرواں گھٹنے ملائے' بالکل خاموش شل بیٹھا تھا۔

وہ ڈھیلے قدموں سے چلتے سامنے آئے۔ رئیس نامی سوٹ میں ملبوس اونچے لمبے مرد نے ایک کرسی پٹخنے کے انداز میں ہاشم اور جواہرات کے مقابل رکھی' اور انہیں کندھے سے پکڑ کر گویا اس پہ دھکیلا۔ پھر تمام گارڈز باہر چلے گئے۔

''ہاشم' کیا ہوا' آپ لوگ اتنے....'' ڈاکٹر واسطی نے بولنے کی کوشش کی مگر ہاشم ایک دم اٹھا' ایک کاغذ ان کے سامنے پٹخا۔

''یہ وہ بکواس ہے جو میرے باپ کی پوسٹ مارٹم رپورٹ پہ تم نے لکھی تھی۔'' غصے سے وہ غراتے ہوئے ان کے سامنے میز کے کنارے پہ آبیٹھا۔ ''اب مجھے بتاؤ' میرا باپ کیسے مرا تھا' کس نے مارا ہے میرے باپ کو؟ بولو۔'' ایک دم ان کا کالر پکڑ کر جھٹکا دیا تو ڈاکٹر واسطی ہکا بکا رہ گئے۔

''ہاشم تم کیا کہہ رہے ہو؟ کاردار صاحب کی موت گرنے کے باعث...''

ہاشم نے زور کا طمانچہ ان کے منہ پہ جڑا تھا' اور اس سے پہلے کہ گریبان سے پکڑ کر ان کو اپنے سامنے کھڑا کرتا' جواہرات اٹھی' اور ہاشم کے دونوں کندھوں پہ دباؤ ڈال کر اسے تھمنے کو کہا۔ شیرواب بھی شل' گم صم بیٹھا تھا۔

''ہاشم' تم واپس بیٹھو' ان سے بات میں کروں گی۔ واپس بیٹھو' ہاشم یہ میرا حکم ہے۔'' وہ جو غصے میں پاگل ہو رہا تھا' بس نہیں چلتا تھا کہ ڈاکٹر کو دبوچ کر مار ہی دے' بمشکل اٹھا اور صوفے تک گیا۔ مگر بیٹھا نہیں۔ اس کی رنگت سرخ تھی اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔

اب کے جواہرات اسی اطمینان سے ڈاکٹر واسطی کی طرف متوجہ ہوئی' جن کا چہرہ تھپڑ کے باعث بائیں جانب کو لڑھک گیا تھا' اور اب وہ کھانستے ہوئے سنبھلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''ڈاکٹر واسطی... میں جواہرات کاردار ہوں۔ گردن اٹھاؤ اور مجھے دیکھو... دیکھو کہ میں کون ہوں۔'' جواہرات نے تحکم سے کہا تھا۔ کھانستے کھانستے نقاہت زدہ سرخ چہرہ انہوں نے اٹھایا اور ملکہ کو دیکھا۔ وہ ان کے سامنے کھڑی تھی۔ بالکل سامنے کہ ہاشم عقب میں چھپ گیا تھا۔

''میں جواہرات ہوں۔ اورنگزیب کاردار کی بیوی۔ ہاشم کاردار کی ماں۔ میں ہوں مالک اس ساری ایمپائر کی!'' سینے پہ ایک انگلی سے دستک دیتی وہ کہہ رہی تھی۔ ''میں ڈائریکٹر ہوں' میں چیف ایگزیکٹو ہوں۔ میں ہوں ملکہ!'' شعلہ بار نظریں ڈاکٹر کے چہرے پہ جمائے' وہ اب ان کی کرسی کے گرد گول چکر میں ٹہلنے لگی تھی۔ ڈاکٹر واسطی کے ایک رنگ آرہا تھا' ایک جا رہا تھا۔ بار بار کچھ کہنے کو لب کھولتے' پھر بے چارگی سے بند کر دیتے۔

''اس وقت ڈاکٹر واسطی' اس کمرے میں ساری طاقت کی مالک میں ہوں۔ یہاں سب میرے حکم پہ چلتے ہیں۔ سب میرے پابند ہیں۔ اور جو دھوکہ تم نے ہمارے خاندان کو دیا ہے' وہ دراصل تم نے مجھے دیا ہے۔'' گھوم کر ان کے سامنے آتی' وہ چبا چبا کر کہہ رہی تھی۔ ہاشم ابھی تک بھرا کھڑا غصے سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ شیرو کی نظریں ڈاکٹر کے چہرے پہ جمی تھیں اور لب سلے تھے۔ مہر بند۔

''اس وقت اگر تمہیں کوئی سزا دے سکتا ہے تو وہ میں ہوں! اس وقت تمہیں اگر کوئی فنا کر سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔ تمہارے اوپر صرف میں قہر ڈال سکتی ہوں۔'' ان کے گرد چکر میں گھومتے' وہ بلند آواز میں بول رہی تھی اور ڈاکٹر واسطی نم آنکھوں سے سامنے دیکھ رہے تھے۔

''اگر اس وقت تمہارے خاندان کو' تمہاری زندگی کو کوئی برباد کر سکتا ہے' تو وہ میں ہوں۔ اگر اس وقت تمہاری اولاد کو تمہارے سامنے لا کر کوئی مار سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔ تمہیں مجھ سے ڈرنا چاہیے۔ جہنم بھی میں ہوں' قہر بھی میں ہوں!''

ڈاکٹر نے پیشانی کف سے رگڑی۔ چہرہ جھکا لیا۔ ہاشم سر جھٹک کر کچھ بڑبڑایا تھا۔ جواہرات اسی طرح طواف میں گھومتی' بول رہی تھی۔ ''اور اگر اس وقت تمہیں کوئی بچا سکتا ہے' تو وہ میں ہوں۔''

''ممی' میں اس کو....'' ہاشم ایک دم غرانے لگا مگر جواہرات نے سختی سے اسے گھورتے تھم جانے کا اشارہ کیا۔ وہ بمشکل ضبط کر پایا۔

''اگر اس وقت تمہیں کوئی معاف کر سکتا ہے تو وہ بھی میں ہوں۔ تمہیں صرف میں ہی اس عذاب سے نجات دلا سکتی ہوں۔ صرف میں تمہیں اپنے بیٹے کے قہر اور اپنے شوہر کی روح سے بچا سکتی ہوں۔ صرف میں تمہارے خاندان کو اس وقت اس شخص سے بچا سکتی ہوں جس کے کہنے پہ تم نے رپورٹ بدلی۔ صرف میں.... صرف میں تمہاری ڈھال بن سکتی ہوں۔'' اونچا اونچا غرانے کے انداز میں کہتی وہ ہنوز ان کے گرد طواف کر رہی تھی۔ ڈاکٹر نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ گرا لیا۔

''میں ہی رحم ہوں' میں ہی مرحمت ہوں' میں ہی قہر ہوں' میں ہی تمہاری خدا ہوں اس وقت.... سو....'' سات چکر مکمل ہوئے۔ وہ اب ان کے سامنے میز کے کنارے پہ آنکی اور تنی گردن کے ساتھ ان کو دیکھا۔ ''سو اب مجھے بتاؤ... کس کے کہنے پہ ہم سے جھوٹ بولا تھا؟''

ڈاکٹر واسطی نے چہرہ اٹھایا۔ سفید رنگت اور نم آنکھوں سے اس شیرنی کو دیکھا' پھر پیچھے کھڑے ہاشم کو جس کا چہرہ ابھی تک سرخ تھا۔

''کرنل خاور!'' بدقت الفاظ ڈاکٹر واسطی کے لبوں سے نکلے۔ آنکھ سے ایک آنسو بھی ٹوٹ کر گرا۔ ''کرنل خاور نے مجھے دھمکایا تھا' میں نے ڈر کے باعث اپنے خاندان کی حفاظت کے لئے.... کیا یہ سب....''

جواہرات کے لبوں سے اطمینان انگیز سانس نکلی۔ گردن مزید تن گئی۔ مڑ کر ہاشم کو دیکھا۔ جس نے لمحے بھر کو آنکھیں میچ لی تھیں' پھر نڈھال سا صوفے پہ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کو وہ بالکل لاجواب ہو گیا تھا۔

کسی نے نہیں محسوس کیا کہ۔۔۔۔ خاموش سا نوشیرواں اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔

''ہم کیسے مان لیں کہ تم سچ بول رہے ہو؟ کرنل خاور ہمارا وفادار ملازم ہے۔'' جواہرات اب بلند آواز میں ڈاکٹر کو مخاطب کر رہی تھی۔ ہاشم بھی چہرہ اٹھا کر دیکھنے لگا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں' اس نے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی۔'' وہ بے چارگی سے بولے تھے۔

''کیا ثبوت ہے اس کا کہ وہ تمہیں دھمکا رہا تھا؟''

''ثبوت۔'' وہ ٹھہرے۔ باری باری دونوں کی صورتیں دیکھیں۔ ''اس نے کام ہونے کے بعد میرے اکاؤنٹ میں پیسے ٹرانسفر کیے تھے۔''

''تم نے وہ پیسے رکھ لئے؟'' جواہرات نے آنکھیں نکالیں۔

''مجھے معاف کر دیں مسز کاردار' میں مجبور تھا۔ میں نہ رکھتا تو وہ مجھ پہ شک کرتا۔ میں آپ کو نہیں بتا سکتا تھا' وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔''

''جو تم کہہ رہے ہو' اس کی میں.... خود... خود تصدیق کرواؤں گا۔ اور اگر یہ جھوٹ نکلا تو یاد رکھنا' میں تمہاری جان لے لوں گا۔ خیر' چھوڑوں گا تو میں تمہیں اب بھی نہیں۔'' ہاشم تن فن کرتا وہاں سے نکل گیا۔ جواہرات نے ایک فاتحانہ مگر آسودہ نظر ڈاکٹر پہ ڈالی جنہوں نے

اثبات میں سر کو خم دیا تھا۔ پھر وہ اسی اعتماد کے ساتھ باہر نکل گئی۔

''ہم آنکھیں بند کر کے اس کی بات نہیں مان سکتے ہاشم۔ تم تصدیق کرواؤ۔ بغیر تصدیق کے خاور کو الزام دینا...'' باہر وہ بڑے سبھاؤ سے کہہ رہی تھی' جب ہاشم نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

''اگر آپ اس وقت مجھے بتاتیں تو میں دیکھتا خاور میری ناک کے نیچے یہ سب کیسے کرتا ہے۔ مگر آپ نے ممی....'' ملامتی نظروں سے اسے دیکھتے اس نے سر جھٹکا۔ ''آپ نے سعدی کو بتایا' مگر مجھے نہیں۔'' اور رخ موڑ لیا۔ جواہرات بالکل لاجواب بیٹھی رہ گئی۔

.....❖❖❖.....

نئی اک داستاں لکھیں گے ہم نے سوچ رکھا ہے ..... ختم کر دیں گے سبھی قصے مگر آرام سے پہلے

جب وہ گھر کے سامنے اتری تو انیکسی کی طرف سے زمر چلی آ رہی تھی۔ سفید لباس اور سیاہ کوٹ میں ملبوس' گویا ابھی سماعت سے لوٹی تھی۔ ہاشم اور شیروا ندر چلے گئے مگر جواہرات رک گئی۔ زمر قریب آئی' نرمی سے مسکرا کر اس سے ملی۔

''مسز کاردار! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔''

''شیور ہنی' بولو!'' وہ بھی نرمی سے اس کا ہاتھ تھامے اسے سبزہ زار پہ آگے لے آئی۔

''میں نے فارس کو بمشکل قائل کیا ہے کہ وہ اپنے گواہ کے طور پہ خود پیش ہو۔''

''اوہ' مگر یہ تو اچھا آئیڈیا نہیں ہے۔''

''مسز کاردار!'' زمر نے مسکرا کر اس کے ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھے۔ دونوں سبزہ زار پہ آمنے سامنے کھڑی تھیں۔ اوپر سیاہ بادل ابھی تک بوجھل تھے اور ہلکے ہلکے گرج بھی رہے تھے۔ ''آپ بھول گئیں میں نے فارس سے کیوں شادی کی تھی؟''

جواہرات ذرا چونکی۔ پھر مسکرائی۔ ''تم اس کو اسی کی گواہی میں پھنسانا چاہتی ہو؟ تو کیا تم ہی نے اس کو اس مقدمے میں....''

''نہیں' یہ صرف اتفاق تھا' اس کے اور دشمن بھی ہیں' لیکن میں اس موقعے کو کھونا نہیں چاہتی۔''

''مگر وہ عقلمند ہے' گواہی محتاط طریقے سے دے لے گا۔'' جواہرات نے بظاہر لاعلمی ظاہر کیا۔ زمر قدرے قریب ہوئی اور مسکرائی۔ ''نہیں' وہ نہیں دے گا' کیونکہ عین اس وقت وہ کہیں اور کسی اور جرم میں ملوث تھا۔ میں اس کو پھنسا لوں گی' اپنا انتقام لے لوں گی' مگر یہ صرف تب ہی ممکن ہے جب وہ گواہی کے لئے کٹہرے میں آئے۔''

''وہ راضی ہے' تو کیا مسئلہ ہے؟''

''مسز کاردار' میں نے بہت اداکاری سے اسے قائل کیا ہے۔ اب مجھے اس کی گواہی کے وقت تک خود کو اس کا مخلص وکیل ثابت کرنا ہوگا' مگر وہ... وہ ڈیفینس witness ون (DW1) کے طور پہ پیش ہوگا۔ خود سوچیے' ابھی تمام پراسیکیوشن (Pws) witness پیش ہوں گے' کورٹ (Cw) witness پیش ہوں گے' اس کے بعد Dw1 کی باری آئے گی۔ مہینے لگتے ہیں اس کارروائی میں!'' پھر اپنائیت سے اس کا ہاتھ دبایا۔ ''آپ نے میری مدد کا وعدہ کیا تھا' پلیز میری مدد کریں۔ میں زیادہ عرصہ اداکاری قائم نہیں رکھ پاؤں گی۔ مجھے ڈر ہے وہ جیل توڑ کر بھاگ جائے گا۔ کورٹ کا آپ کو معلوم ہے' لمبی تاریخ دے دیا کرتے ہیں' سوائے...'' ذرا رکی۔ ''سوائے ان کیسز کے جن کو وہ خود تیزی سے چلانا چاہیں۔ آپ صرف چند ڈرویاں ہلا دیں تو ہمیں تاریخ جلدی مل جایا کرے گی۔''

بادل زور سے گرجے' سیاہ دوپہر میں بجلی بھی کڑاکے کی چمکی۔ جواہرات نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ گردن مزید تن گئی۔ آنکھیں چمکی تھیں۔

''میں سمجھ گئی۔ تم بے فکر رہو۔ میں دیکھ لوں گی۔'' اکڑے کندھوں کے ساتھ شانِ بے نیازی سے تسلی دی۔ زمر نے سر کے خم سے

شکریہ ادا کیا اور مڑ گئی۔ اب وہ سبزہ زار پہ چلتی انیکسی کی طرف آتی دکھائی دی دے رہی تھی اور عقب میں گھاس میں جواہرات سیاہ لباس اور سرخ لپ اسٹک میں کسی خوبصورت مجسمے کی طرح کھڑی مسکرا رہی تھی۔

پہلے خاور' اور اب فارس۔ اس کے دشمن خود بخود پسپا ہو رہے تھے۔ بارش کی پہلی بوند اس کے اوپر گری تو وہ اسی آسودہ مسکراہٹ کے ساتھ پلٹ گئی۔ اب صرف دو پیادے رہ گئے تھے۔ سعدی اور میری۔

جب تک زمر انیکسی کے دروازے پہ پہنچی' بارش ایک دم تڑتڑ برسنے لگی تھی۔ وہ گھنگریالے بالوں کو ہاتھوں سے جوڑے میں لپیٹتی' اندر آئی۔ لاؤنج میں ٹیوب لائیٹس جلی تھیں۔ ٹھنڈا سا اندھیرا پھر بھی محسوس ہوتا تھا۔ سب اپنے کمروں میں تھے۔ وہ اوپر آئی تو کمرے میں حنہ صوفے پہ بیٹھی' پیر جھلاتی سوچ میں گم تھی۔

''آپ کدھر گئی تھیں؟'' اسے آتے دیکھ کر وہ خیال سے چونکی۔

''میں اس امر کو یقینی بنانے گئی تھی کہ فارس کے مقدمے کی تاریخیں جلد از جلد ملا کریں۔ دیکھنا' اب پراسیکیوشن خود اس مقدمے کو تیز چلائیں گے۔'' وہ بات کرنے کے ساتھ اپنی چیزیں اور پرس جو آتے ہی ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھ کر چلی گئی تھی' اب اٹھا کر ان کی جگہوں پہ رکھ رہی تھی۔ حنین غور سے اس کے ہاتھوں کی حرکت دیکھے گئی۔ اب وہ بستر کی طرف آئی اور اسے جوڑنے لگی۔

''آپ کے باتھ روم کی صفائی کون کرتا ہے؟'' حنین اس سے زیادہ صبر نہیں کر سکتی تھی۔ کمبل تہہ کرتے زمر کے ہاتھ رکے' قدرے اچنبھے سے اس سوال پہ اسے دیکھا۔

''صداقت کرتا ہے' کبھی میں خود کرتی ہوں۔''

''میں نے تو آپ کو کبھی صفائی کرتے نہیں دیکھا۔''

''صفائی میں دو منٹ تو لگتے ہیں۔ کیوں؟'' اسے سمجھ نہیں آیا تھا۔ حنین چپ ہو گئی۔ چند منٹ میں وہ کمرہ درست حالت پہ واپس لا چکی تھی۔

(مجھے کسی بات کا پتہ نہیں چلتا۔ نہ میں اس فلیش کو ابھی تک کھول سکی۔ نہ میں فجر پہ نماز کے لئے اٹھ سکتی ہوں۔ نہ میں آرگنائزڈ ہوں' نہ نیک اور تابعدار۔ میں ایک failure ہوں۔ صرف فیلیئر!) وہ مایوسی سے سوچتی رہی۔ کھڑکیوں پہ بارش تڑتڑ برستی رہی۔

.....❖❖❖.....

میں کس زباں سے گہر کو گہر کہوں کہ مجھے ..... صدف صدف میں ہجومِ شرر نظر آئے

شہر کی مصروف شاہراہ پہ وہ طویل قامت عمارت تنی ہوئی کھڑی تھی۔ اوپری منزل کے اس کشادہ آفس میں مدھم بتیاں روشن تھیں۔ آبنوسی میز کے پیچھے بیٹھے ہارون عبید' کچھ کاغذات پہ باری باری دستخط کر رہے تھے۔ سیکرٹری جلدی جلدی ان کو کچھ بتاتے ہوئے کاغذ پلٹ کر اگلے صفحے سامنے لا رہی تھی۔ تبھی دروازہ ذرا سا بج کر کھلا۔ ہارون نے چہرہ اٹھایا اور ریڈنگ گلاسز کے پیچھے سے جھانکا۔

چوکھٹ میں جینز اور ہائی نیک سوئیٹر میں ملبوس' سنجیدہ چہرے والا احمر شفیع کھڑا تھا۔ ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔

''آؤ احمر آؤ۔'' انہوں نے اسے آنے کا اشارہ کیا اور دستخط کرتے کہنے لگے۔ ''تمہارے ساتھ ایک آئیڈیاڈسکس کرنا تھا۔''

''سر!'' اس نے ادب سے کاغذ ان کے سامنے رکھا۔ ہارون نے ایک سرسری نظر ڈالی۔ مگر پھر... ٹھہر گئے۔ چونک کر کاغذ کو دیکھا' پھر احمر کو۔

''استعفیٰ؟'' قلم کی کیپ بند کی' عینک اتاری' اور پیچھے ہو کر بیٹھے۔ سر کے خم سے لڑکی کو جانے کا شارہ کیا اور اسے بیٹھنے کا۔

''سر میرا کانٹریکٹ آپ کے ساتھ ختم ہو رہا ہے۔ آپ کو اگلے ماہ سینیٹر بنایا جا رہا ہے' سو میرا کام بھی ختم۔''

''ہوں!'' وہ قلم ہاتھوں میں گھماتے غور سے اسے دیکھنے لگے۔''تم خفا ہو کسی بات پہ؟''

''نہیں سر! مجھے بس ایک بہتر جاب مل گئی ہے۔'' وہ پھیکا سا مسکرایا۔

''اچھا گڈ۔ کس کے ہاں؟''

''ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے' میں جوائن کرنے کے بعد ہی بتا سکتا ہوں۔''

اس بات پہ ہارون نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔''میں نے تمہارے جیل والے دوست کے لئے سفارش کر دی تھی' میری بیٹی بھی بالخصوص اس کے لئے وہاں گئی تھی' تم شیور ہو کہ تم ہم سے خفا نہیں ہو؟''

''نہیں سر! میری اتنی اوقات نہیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔''

''کانٹریکٹ ری نیو کرنے کے بارے میں سوچ سکتا ہوں میں۔'' وہ قائل نہیں ہوئے تھے سو اسے پیشکش دی۔

''سر آپ جب بلائیں گے میں حاضر ہوں گا' مگر میں اس دوسری جگہ واقعی جاب کرنا چاہتا ہوں۔'' احمر متانت بھری سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''او کے! او کے!'' سر اثبات میں ہلاتے وہ اس کاغذ پہ دستخط کرنے لگے۔ وہ خاموش بیٹھا دیکھتا رہا۔

جب وہ اس عمارت سے نکل کر زیرِ زمین پارکنگ ایریا میں اپنی کار کی طرف بڑھ رہا تھا تو اس کے قریب ایک لمبی' شیشوں والی کار آ رکی۔ تہہ خانے میں اونچے گول ستونوں سے کھڑے اس پارکنگ لاٹ میں خالی کاریں دور دور تک کھڑی تھیں۔ روشنی کم تھی۔ ویرانی اور خاموشی۔ ایسے میں احمر نے ویران نظروں سیاہ لمبی کار کو دیکھا' جس میں سے گارڈ نکل کر باہر کھڑے ہو گئے تھے اور پچھلا دروازہ کھول دیا تھا۔

اندر کھلی سی جگہ تھی اور دو نشستیں آمنے سامنے بنی تھیں۔ ایک نشست خالی تھی' اور دوسری پہ تمکنت سے بیٹھی جواہرات مسکرا رہی تھی۔

''ہیلو اگین احمر!'' احمر نے سر کو خم دیا اور اندر اس کے سامنے آ بیٹھا۔ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔ دونوں تنہا رہ گئے۔

''تمہارا شکریہ' ڈاکٹر واسطی والے معاملے کے لئے۔'' وہ مسکرا کر گویا ہوئی۔

ہاشم نے جواہرات کو اس کا سیل فون اسی روز واپس کر دیا تھا مگر اس نے باہر جا کر ایک پے فون سے احمر کو کال کی تھی۔ ہوٹل کا فون' اپنا ملازم' اسے کسی پہ بھروسہ نہ تھا۔ احمر سے اس نے مدد مانگی تھی۔ بدلے میں ایک آفر دی تھی۔ ایک کام ہو چکا تھا' دوسرا ہونے جا رہا تھا۔

''زیادہ مشکل نہیں تھا۔ آپ خاور کو ہاشم کی نظر میں معتوب ثابت کرنا چاہتی تھیں' میں نے بیک ڈیٹس میں ان دونوں کے اکاؤنٹس میں ہیر پھیر کروا دی ہے۔ ہاشم چیک کرے گا تو سارا کام جینوئین ملے گا۔ بیک ڈیٹس میں دونوں کے فون بلز میں بھی ردوبدل کی گئی ہے۔ میں ایسے ایلگو رتھمز استعمال کرتا رہتا ہوں۔ وہ فون ریکارڈ بھی نکلوائے گا۔ مجھے صرف یہی ثابت کرنے کو کہا تھا آپ نے کہ خاور نے ڈاکٹر کے ساتھ ملی بھگت سے کوئی کام کروایا ہے۔ تاریخ پونے دو سال پہلے کی دی آپ نے' مگر یہ نہیں بتایا کہ معاملہ کیا تھا؟''

''تم جانتے ہو وہ میں نہیں بتاؤں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے اپنے ائیر رنگ پہ انگلی پھیر رہی تھی۔''کیوں نا ہم اس آفر کے بارے میں بات کریں جو میں نے تمہیں دی تھی؟'' احمر نے گہری سانس لی۔

''میں نے یہ سب یہی جاب حاصل کرنے کے لئے کیا ہے' مگر مسز کا ردار' میں خاور کی طرح کا سیکیورٹی آفیسر نہیں بن سکتا۔''

''احمر! مجھے صرف ایک پی آر او چاہیے' میرا ایک ذاتی نائب۔ اور تم قابلِ اعتبار ہو۔ خاور کا نعم البدل میں اس سے بہتر رکھنا چاہتی ہوں۔''

''خاور کا نعم البدل آپ کو کبھی نہیں ملے گا۔ وہ آل اِن ون تھا۔ ہاں دو تین لوگ مل کر اس کا کام سنبھال سکتے ہیں۔ میں یہ جاب لینا چاہوں گا۔'' اب کے وہ مسکرایا۔''مگر پیسے سے زیادہ مجھے تحفظ چاہیے' میرا کوئی مقام ہونا چاہیے۔ میں کسی کی کمین نوکر کی طرح نہیں رہنا

چاہتا۔''

''احمر تمہارے اندر سب سے پرکشش بات معلوم ہے کیا ہے؟'' وہ مسکرا کر اسے دیکھتی محظوظ انداز میں کہہ رہی تھی۔ ''تمہارے اندر کاشر! تمہاری فراڈ اور evil سائیڈ۔ طاقت کی خواہش۔ کنٹرول کی آرزو۔ تم ambitious ہو۔ مجھے ایسے ہی شخص کی ضرورت ہے۔!''

''پھر میں آپ کے لئے کام کرنے کو تیار ہوں' مسز کاردار!'' سر اٹھا کر ایک عزم سے وہ بولا تھا۔ جواہرات نے ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھایا۔ احمر نے سر کو خم دیتے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''کاردارز کا حصہ بننے پہ خوش آمدید!'' مسکرا کر وہ بولی تھی۔ وہ بھی بھاری دل سے مسکرایا۔

.....❖❖❖.....

دیکھ آ کر کبھی ان کو بھی جو تیرے ہاتھوں ..... ایسے اجڑے ہیں کہ آباد نہیں ہونے کے

اس صبح جب سارے شہر کو سرما کی نرم گرم دھوپ نے اپنے پروں میں سمیٹ رکھا تھا' زمر ڈاکٹر قاسم کے آفس میں ایک لمبی ملاقات کے بعد قدرے ناخوش سی کرسی سے اٹھ رہی تھی۔

''میں سوچ کر بتاتی ہوں آپ کو...'' وہ بھی ساتھ ہی اٹھے۔

''آپ جو بھی فیصلہ کریں' جلدی کیجئے گا۔ ڈونر کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' اس نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا' اور پرس کی اسٹریپ کندھے پہ ڈالی۔

''زمر... کسی دوست سے اپنا مسئلہ شیئر کیجئے گا۔ اس طرح آپ بہتر فیصلہ کر سکیں گی۔'' وہ فقرہ اس کے ذہن میں اٹک گیا۔ وہاں سے نکل کر' بے مقصد سڑکوں پہ کار چلاتے' وہ لب کاٹتے ہوئے اسی فقرے میں اٹکی رہی۔

''اتنے سال بعد احساس ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کہ میرا کوئی دوست نہیں ہے۔'' سگنل پہ کار روکے' ونڈ اسکرین کے پار پرسوچ نظریں جمائے خود سے بڑبڑائی۔ ''صرف سعدی تھا۔ میں اس سے ہر بات کر سکتی تھی۔ باقی اسکول کالج کی فرینڈز ہیں مگر ان سے... ان سے وہ دل کا تعلق کبھی نہیں بن سکا۔ اور پچھلے چار سال... جب سعدی ساتھ نہیں تھا... تو بھی میں نے کوئی نیا دوست نہیں بنایا جس کو بغیر کسی ڈر یا جھجک کے میں اپنا حالِ دل کہہ سکوں۔ میں کیا کروں؟ کس سے کہوں؟'' اس نے آنکھیں بند کر لیں' اور جب کھولیں تو خود کو اس ملاقاتی کے روبرو پایا۔ کمرے میں پایا جہاں وہ میز پہ ہتھیلیاں رکھے' کرسی پہ بیٹھی تھی اور اس کے سامنے' فارس بیٹھ رہا تھا۔ وہ وہاں کیوں آئی' کیسے آئی' کیا لینے آئی' اسے کچھ معلوم نہیں تھا' بس دل نے کہا۔

''کہیے۔'' وہ سنجیدگی' مگر قدرے لاپرواہی سے اسے مخاطب کر کے بولا تو زمر ذرا چونکی۔ خالی خالی نظریں اٹھا کر فارس کو دیکھا۔ وہ باہم انگلیاں پھنسا کر میز پہ رکھے' آگے ہو کر بیٹھا' اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''مجھے کچھ سوالات پوچھنے تھے ناظم کے بارے میں۔'' اس نے اپنی فائل کھول کر سامنے رکھی' اور لہجے کو مصروف بناتے ہوئے چند نکات پوچھنے لگی۔ دوسری طرف خاموشی چھائی رہی تو زمر نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ پتلیاں سکیڑے' غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے عقب میں روشن دان سے تیز سنہری دھوپ چھلک رہی تھی' اور شعاعیں فارس کے اردگرد سے نکل کر میز کو روشن کر رہی تھیں۔ ایسے میں فارس کا چہرہ تاریکی میں لگتا تھا' زمر کو بھی آنکھیں چندھیا کر اسے دیکھنا پڑ رہا تھا۔

''گھر میں سب خیریت ہے؟ آپ پریشان لگ رہی ہیں؟'' زمر نے آہستہ سے قلم کا ڈھکن بند کیا۔ چہرہ جھکائے چند لمحے سوچتی رہی۔

''میں احمر کے ساتھ اس ہوٹل تمہارے معاملے کی کھوج لگانے گئی تھی' یہ معلوم کر لیا تھا تم نے' پھر یہ بھی معلوم ہوگا کہ میں ہسپتال اپنے

ڈاکٹر سے بار بار ملنے کیوں جا رہی تھی؟'' نظر اٹھا کر فارس کو دیکھا تو وہ ایک دم چونکا تھا' پھر مزید آگے ہوا۔'' آپ نے کہا تھا روٹین کا چیک اپ ہے' ڈاکٹر آتا نہیں ہے اس لئے بار بار جانا پڑ رہا ہے' میں نے یقین کر لیا تھا' کیوں؟ کیا ہوا؟ کیا کوئی اور بات ہوئی ہے؟'' وہ ایک دم فکر مند لگا تھا۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ اسے واقعی نہیں معلوم تھا۔ زمر اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ گئے دنوں میں کیا گیا وہ ریسٹورانٹ ڈنر ...موم بتی کا ٹمٹماتا شعلہ...زرتاشہ کا ذکر...وہ سب ایک دم سے درمیان میں حائل ہو گیا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

'' کورٹ میں ملاقات ہو گی۔'' وہ جانے لگی' مگر اس نے تیزی سے زمر کی کلائی پکڑی۔ وہ رکی۔ نظر اٹھا کر فارس کو دیکھا جس نے صرف ابرو کے اشارے سے اسے واپس بیٹھنے کو کہا تھا' اور پھر...دور کھڑے ڈیوٹی اہلکار کو۔ ہولے سے کلائی چھڑاتی وہ واپس بیٹھی۔

'' میرا ڈونیٹڈ کڈنی ضائع ہو چکا ہے۔'' خبر نامے کی خبر کی طرح اطلاع دی۔ نظریں فارس کے چہرے پہ جمی تھیں۔ وہ ایک لمحے کو بالکل لاجواب ہو گیا تھا۔

'' آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' بولا تو آواز ہلکی تھی۔

'' بتانے لگی تھی' اس رات ریسٹورانٹ میں' مگر تم نے زیادہ اہم باتوں کا ذکر چھیڑ دیا۔'' جیسے اپنے ہی زخموں پہ نمک چھڑکا۔ سس۔ درد کی ٹیسیں اٹھی تھیں۔

'' زمر...میں...'' وہ جیسے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر گہری سانس لی اور سنجیدگی و فکر مندی سے پوچھنے لگا۔'' آپ...ڈاکٹر نے کیا کہا اب کیا ہو گا؟''

'' ٹرانسپلانٹ کروانا ہے' ڈونر مل گیا ہے' وہ غریب آدمی ہے' عمر میں کافی زیادہ ہے' بہت صحت مند بھی نہیں ہے' میں اس سے بھی ملی تھی' ففٹی پرسنٹ سے زیادہ چانس ہے کہ میرا جسم اس کے گردے کو ریجیکٹ کر دے اور وہ گردہ لگتے ہی ضائع ہو جائے۔ مگر مسئلہ یہ نہیں ہے۔''

'' پھر؟''

'' اس آدمی کو اسی ماہ ٹرانسپلانٹ کروانا ہے' اور پھر ملک سے باہر چلے جانا ہے۔ اگر مجھے نہیں دے گا تو کسی اور کو دے دے گا۔ سارا مسئلہ ٹائم لائن کا ہے۔ اگر میں ابھی سرجری کے لئے چلی گئی....تو مجھے ریکور ہونے میں بھی اتنا وقت لگے گا....تمہارا ٹرائل متاثر ہو گا....'' بے بسی سے فائل کی طرف اشارہ کیا۔ فارس ''ہوں'' کہتا پیچھے کو ہو کر بیٹھا۔'' کیا ڈونر رک نہیں سکتا؟ اس کا بندوبست ڈاکٹر نے کیا تھا یا آپ کا کوئی جاننے والا ہے؟''

'' نہیں' ڈاکٹر نے ہی ڈھونڈا تھا۔ وہ نہیں رک سکتا' اس کی بھی مجبوری ہے۔ مجھے خود بھی زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے۔ میں دو ڈاکٹرز کے پاس گئی ہوں۔ دونوں یہی کہتے ہیں۔''

'' اور آپ کو اپنی صحت کا انتخاب کرنا ہے یا میرا۔ ہے نا؟'' وہ کچھ دیر بعد اسی سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

'' تو آپ کس کو چوز کریں گی؟''

زمر چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ چار سال...وہ فون کال....نکاح نامہ...موم بتی کا ٹمٹماتا شعلہ...ہیرے کی لونگ...ہر شے درمیان سے نکل گئی۔

'' میں ٹرائل نہیں چھوڑ سکتی' کسی بھی قیمت پہ نہیں۔ لیکن اگر میں نے اس ڈونر کو جانے دیا تو مجھے بعد میں ڈونر کیسے ملے گا؟ فارس...'' تھک کر جیسے اس نے سر جھٹکا۔'' میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ کم از کم کچھ عرصہ میں جینا چاہتی ہوں۔''

وہ خاموش سا اسے دیکھے گیا۔

''تم مجھے بتاؤ' میں کیا کروں؟''

''آپ یہ ٹرانسپلانٹ مت کروائیں۔'' بہت دیر بعد وہ اس کی آنکھوں پہ نگاہیں جمائے بولا تو لمحے بھر کو زمر کا دل ڈوبا۔ کوئی آس سی ٹوٹی۔ شاید اسے امید تھی کہ وہ کہے گا وہ اس کی فکر نہ کرے' اپنا علاج کروائے' مگر وہ اسے خود کو منتخب کرنے کا کہہ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' زمر نے پلکیں جھکا دیں۔

''زمر!'' وہ قدرے آگے ہوا۔ شعائیں ہنوز اس کے اطراف سے نکل کر میز پہ گر رہی تھی اور اس کا چہرہ ابھی تک اندھیرے میں تھا۔ ''میں اس لئے نہیں کہہ رہا کہ میں خود غرض ہوں۔ بلکہ وہ ڈونر... وہ صحت مند نہیں ہے' رسک بہت زیادہ ہے' پھر میں بھی آپ کے ساتھ نہیں ہوں گا' میں ادھر ہوں' گھر میں سب الگ ڈسٹرب ہیں۔ ابھی آپ سرجری والا رسک مت لیں۔'' لمحے بھر کو رکا۔ زمر نے اس کی سنہری آنکھوں کو دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

''آپ کی شکل سے لگ رہا ہے' آپ دل سے راضی نہیں ہیں۔'' ذرا دیر بعد وہ مدھم سا بولا۔ زمر نے تردید نہیں کی۔ ''آپ کو مجھ پہ اعتبار ہے؟''

''ہے مگر...''

''آپ بس مجھ پہ اعتبار کریں۔ مجھے یہاں سے نکلنے دیں۔ میرا وعدہ ہے' میں آپ کا یہ مسئلہ حل کر دوں گا۔''

''تم نہیں کر سکتے۔ ڈونر اب نہیں ملے گا۔''

فارس لمحے بھر کو چپ ہوا۔ ''میں...'' وہ جیسے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر پھر رک گیا۔ ''آپ کو ڈونر کڈنی چاہیے نا؟ میں ایک ڈونر کے بارے میں جانتا ہوں' آپ کا ٹرانسپلانٹ ہو جائے گا۔ بس مجھے یہاں سے نکلنے دیں۔'' وہ چونکی۔

''کون؟'' اس کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔ ''اور تمہیں کیسے پتہ اس کا کڈنی مجھے میچ کرے گا؟''

''زمر' جس کڈنی ڈونر کو میں جانتا ہوں' اس کا کڈنی کبھی آپ کا جسم ریجیکٹ نہیں کرے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ پلیز!'' آگے کو ہوئے' میز پہ ہاتھ رکھے' وہ قدرے بے چینی اور فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔ ''آپ صرف مجھ پہ بھروسہ کریں۔ کریں گی نا؟'' وہ الجھ گئی تھی' فارس کس کی بات کر رہا تھا' مگر... اس نے اس کی آنکھیں دیکھیں اور پھر ساری مزاحمت' سارے شکوک دم توڑ گئے۔ ''ٹھیک ہے۔ جب تم نکلو گے تو ہم یہ مسئلہ تب حل کر لیں گے۔''

فارس کے لبوں سے ایک اطمینان بخش سانس نکلی۔ وہ اٹھ گئی تو وہ دھیرے سے بولا۔ ''جو کچھ میں نے اس رات ریسٹورانٹ میں کہا' وہ...''

''نہیں فارس!'' زمر ایڑھیوں پہ گھومی اور ہاتھ اٹھا کر ایک دم سختی سے اسے روکا۔ ''اس جگہ مت جاؤ۔ وہ جو بھی تھا' وہ ذاتی تھا۔ وہ جہاں تھا' وہیں ہے۔ اور یہ...'' اس کی فائل کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ ٹیم ورک ہے۔ اس میں اگر ہم امن سے کام کر رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ''وہ'' سب دھندلا گیا ہے۔ وہ جہاں تھا' وہیں ہے۔'' تنبیہہ کر کے وہ مڑ گئی اور وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

.....❖❖❖.....

خبر ہوتی اگر بعد از محبت یہ جنوں ہو گا ..... تو ہم رستہ بدل لیتے برے انجام سے پہلے

اس چمکیلے دن جہاں اب بھی سڑکوں اور سبزہ زاروں پہ گزشتہ روز کی بارش کا پانی ہلکا ہلکا ٹھہرا نظر آتا تھا' وہ اونچی کوٹھی اپنے ستونوں پہ کھڑی' بالکل خشک اور نکھری نکھری سی کھڑی تھی۔ گیٹ کھلے تھے اور اندر دو گاڑیاں یکے بعد دیگرے داخل ہوئی تھیں۔ کھٹ کھٹ' دروازے کھلے۔ گارڈز نکلے۔ ہاشم بھی باہر نکلا۔ سن گلاسز اتارے' اور ایک طائرانہ نگاہ اطراف میں دوڑائی۔ پھر سب کو وہیں رہنے کا اشارہ کرتا' تیزی

سے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اندر لابی تھی۔ پھر لاؤنج۔ دیوار پہ شہری اور سونی کی بڑی سی تصویر آویزاں تھی۔ اسی دیوار سے لگے صوفے پہ سونی بیٹھی' سر جھکائے' ٹیب پکڑے گیم کھیل رہی تھی۔ ایک ملازمہ قریب میں الرٹ سی بیٹھی تھی۔ اسے یوں آتا دیکھ کر فوراً اٹھی۔

''سونی!'' بھاری آواز میں سنجیدگی سے اس نے بیٹی کو مخاطب کیا تو سونی نے چہرہ اٹھایا۔ آنکھیں چمکیں۔ ''بابا۔'' ٹیب چھوڑ کر اٹھی اور بھاگ کر اس کے پاس آئی' مگر ہاشم نہیں ہلا۔ نہ ہی بچی کو گلے سے لگایا۔ بس ملازمہ کو مخاطب کیا۔ ''سونی کا سامان کار میں رکھواؤ اور اسے بھی کار میں بٹھاؤ۔ شہری کہاں ہے؟''

ملازمہ اس غیر متوقع حکم پہ قدرے تذبذب کا شکار ہوئی۔

''وہ اپنے کمرے میں...'' ہاشم سنے بغیر تیزی سے اس کے کمرے کی طرف آیا۔ دروازہ پیر کی ٹھوکر سے کھولا' تو وہ جو سنگھار میز کے آئینے کے سامنے کھڑی' کانوں میں ائیر رنگ پہن رہی تھی' اکتاہٹ سے سخت سست سنانے لگی تھی مگر آئینے میں اپنے پیچھے نظر آتے ہاشم کو دیکھ کر چونکی۔ پھر پوری اس کی طرف گھومی۔ چھوٹے بالوں کی اونچی پونی بنائے' ست رنگی شرٹ سفید پینٹ پہ پہنے' وہ میک اپ لگائے' تیار نظر آ رہی تھی۔

''تم ادھر کیسے؟'' اچنبھے سے اس نے پوچھا تھا۔ ہاشم نے اپنے عقب میں دروازہ بند کیا اور تیزی سے اس کے سر پہ آ پہنچا' اسے گردن سے دبوچ کر دیوار سے لگایا۔ ائیر رنگ چھناک سے زمین پہ جا گرا۔

''ہاشم... تم کیا...'' وہ ہکا بکا' اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگی' مگر اس کا گلا دب رہا تھا' آنکھیں ابل رہی تھیں۔

''تمہارے سیف میں نیلے رنگ کے لفافے میں ایک سی ڈی ہے۔ ہے یا نہیں ہے؟'' چبا چبا کر بولتے وہ اس پہ نظریں گاڑھے ہوئے تھا۔

''ہاشم.... چھوڑو...'' اس نے مزید زور سے گلا دبایا' شہرین کا سانس رکنے لگا۔

''ہے یا نہیں؟'' سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ غرایا تھا۔

''ہے... ہے۔ مجھے چھوڑو!'' مگر ہاشم نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچے زور بڑھایا۔ اس کا رنگ سفید پڑنے لگا۔

''کہاں سے آئی ہے وہ تمہارے پاس؟''

''سعدی.... سعدی نے دی تھی۔ مجھے چھوڑو میں بتاتی ہوں۔'' ہاشم نے ایک جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی۔ وہ بے اختیار لڑکھڑائی' اور پھر گردن پہ ہاتھ رکھے کھانستے ہوئے گھٹنوں کے بل بیٹھتی گئی۔ آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔ پھر چہرہ اٹھا کر صدمے اور نفرت سے اسے دیکھا۔

''تم انسان نہیں جانور ہو!''

وہ پھر اس کی طرف بڑھا تو شہری جلدی سے پیچھے کو ہٹی۔ ''سعدی... سعدی نے دی تھی۔ میں نے اس کو ایک کام کہا تھا' اس نے.... یہ رکھوائی تھی۔''

بری طرح کھانستے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب کھانسی سنبھلی تو اس نے اٹھ کر لاکر کھولا اور اندر سے وہ نیلا لفافہ نکال کر ہاشم کو تھمایا۔

''اس میں کیا ہے؟''

''یہ encrypted ہے' اور میرے پاس اتنا وقت اور دماغ نہیں ہے کہ اسے کھولتی پھروں۔ اس نے کہا تھا اگر مجھے کچھ ہوا تو یہ میڈیا کو دے دینا۔''

''تو تم نے یہ کس کو دی تھی؟'' وہ سختی سے پوچھ رہا تھا۔

''میں نے کیا کرنا تھا کسی کو دے کر؟ ایک دو دفعہ کھولنے کی کوشش کی' نہیں کھلی تو چھوڑ دیا۔ میں تو اسے بھول بھال بھی گئی تھی، مگر تمہیں کس نے بتایا اس بارے میں؟'' ہنوز گلے پہ ہاتھ رکھے' وہ حیرت اور ناگواری سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر خیال آیا۔ ''اوہ لیٹ می گیس... سعدی نے بتایا ہوگا۔''

''کیا کام کہا تھا تم نے اسے؟'' وہ بلند آواز میں گرجا۔

''نہیں بتاؤں گی۔ اور... ابھی کے ابھی یہاں سے نکل جاؤ۔'' بازو لمبا کر کے دروازے کی طرف اشارہ کرتی وہ چلائی تھی۔

''تم نے یہ ویڈیو لیک کی ہے شہری' اور میں یہ جانتا ہوں۔ مگر میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا ابھی' کیونکہ تم سے بڑے مسائل ہیں فی الحال میرے پاس۔ لیکن اس کے بعد...'' ویڈیو والا پیکٹ ہاتھ میں ہلاتے' تنبیہہ کرتے بولا تھا۔ ''اس کے بعد میں تمہیں دیکھ لوں گا' اور اس دفعہ میں تمہیں کوئی رعایت نہیں دوں گا۔''

''گیٹ آؤٹ!'' وہ بے بسی سے چلائی۔ ہاشم ایک سخت نظر اس پہ ڈالتا باہر نکل گیا۔

.....❖❖❖.....

ہم ہیں وہ ٹوٹی ہوئی کشتیوں والے تابش ..... جو کناروں کو ملاتے ہوئے مر جاتے ہیں

راستے میں اس نے سونیا سے کوئی بات نہیں کی۔ سنجیدہ چہرے کے ساتھ کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ سونی کو گھر ڈراپ کر کے وہ آفس آیا اور ایک آئی ٹی کے لڑکے کو بلایا۔ دس منٹ بھی نہیں لگے اسے انکرپشن کو کھولنے میں۔ اور جب وہ کھلی' تو اندر ایک ہی ویڈیو تھی۔ جج کی ویڈیو۔ تاریخ اسٹیمپ بھی کوئی ڈیڑھ پونے سال پرانی تھی۔ سعدی نے یہ واقعی انہی دنوں شہری کو دی تھی۔

''سو فارس نے ویڈیو لیک نہیں کی تھی۔ شہری نے کی تھی۔'' وہ اب آفس میں خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا۔ ''اور اس کے بعد شہری میرے پاس آئی تھی' کمپنی میں شیئرز کی بات کرنے۔ سعدی سچ بول رہا تھا۔''

اس نے میز پہ رکھی ایک دوسری فائل کھولی۔ اندر چند کاغذات رکھے تھے۔ ہر وہ شے جو رئیس ڈھونڈ سکا تھا خاور اور ڈاکٹر کے تعلقات کے بارے میں۔ سعدی یہاں بھی سچا تھا۔ ہاشم پیشانی کو مسلتے' بند آنکھوں سے کتنی ہی دیر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ پھر فون اٹھایا۔ نمبر ملا کر سعدی سے بات کروانے کو کہا۔

''کہو ہاشم۔ میری یاد کیسے آئی؟''

''تم سچ کہہ رہے تھے۔'' وہ تھکان سے بولا تو دوسری طرف سعدی نے بے اختیار تھوک نگلا۔

''تمہاری دونوں باتیں سچ تھیں۔ میرے ساتھ میرے اپنوں نے دھوکہ کیا ہے۔''

''کوئی گھنٹی بجی؟''

''ہاں' بج رہی ہے' عرصے سے بج رہی ہے۔ میں اپنی بیٹی سے بات نہیں کر پا رہا' میرا اپنے باپ سے بہت گہرا رشتہ تھا' کسی نے ایک ہی وار میں ختم کر دیا۔ سوچتا ہوں' میری بیٹی سے بھی کوئی مجھے چھین لے گا' وہ کیسے سروائیو کرے گی؟''

''تمہیں یہ سب بہت پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔'' وہ بے زاری سے بولا تھا۔ ہاشم کتنے ہی لمحے خاموش رہا۔ کرسی سے ٹیک لگائے' آنکھیں موندے' فون کان سے لگائے، وہ گہرے دکھ کے زیر اثر تھا۔

''کیا کوئی نجات کا راستہ ہے سعدی؟ کیا میرے لئے کوئی معافی' اور توبہ کا راستہ ہے؟''

سعدی کو آگ لگ گئی تھی۔''تم جیسے لوگوں کے لئے کوئی معافی' کوئی توبہ نہیں ہوتی۔ اللہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ قتل معاف نہیں ہوا کرتا۔''

''اچھا۔'' وہ ہلکا سا ہنسا۔''تمہارا خدا اتنا ظالم ہے کیا؟''

''ہاں وہ ظالموں کے لئے شدید العقاب ہے۔ اتنی زندگیاں تباہ کر کے تم معافی اور توبہ کی امید نہیں رکھ سکتے۔''

''کیا میرے لئے کوئی اچھائی کا راستہ نہیں ہے؟ کیا میں اس دلدل سے نہیں نکل سکتا؟ کیا تمہارے خدا کے پاس ذرا سی گنجائش بھی نہیں ہے میرے لئے؟''

''نہیں ہے۔ سن لیا تم نے؟ نہیں ہے۔'' وہ چلایا تھا۔ اندر بہت کچھ ابلنے لگا تھا۔

''کیا تم میرے لئے دعا کرو گے سعدی؟ کہ میرے لئے کوئی راستہ نکل آئے؟ اس گلٹ' اس دلدل' ان جرائم سے نکلنے کا راستہ؟'' وہ آنکھیں بند کیے مدھم اور گیلی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''تم جیسا دل کا اندھا آدمی اس قابل نہیں ہے کہ کوئی تمہارے لئے دعا کرے۔'' اور کھٹ سے فون بند کر دیا گیا۔ ہاشم نے ست روی سے فون میز پہ ڈال دیا۔

دوسری طرف سعدی فون پٹخ کر کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا تھا۔ غصے سے اس کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔ دماغ کھول رہا تھا' مگر سکون ...سکون نہیں مل رہا تھا۔ اس نے ٹھیک کہا تھا جو کہا تھا' مگر... پھر کون سی آواز تھی جو بار بار ذہن پہ دستک دینے لگی۔ جب اس نے ذہن کے کواڑ بند کر لئے تو وہ دل کو کھٹکھٹانے لگی' اور دل کے کھٹکے سے پیچھا چھڑانا ناممکن تھا۔ وہ مضطرب سا بیڈ کے کنارے بیٹھا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ آواز اب بلند ہوتی گئی۔ قرآن کی... سورۃ عبس!

''وہ ترش رو ہوا
اور منہ پھیر لیا
کہ اس کے پاس آیا ایک اندھا
اور کیا چیز سمجھائے تجھ کو
شاید کہ وہ سدھر جائے
یا نصیحت پکڑ لے
اور فائدہ دے اس کو نصیحت''

مختلف آیات ضمیر پہ کوڑے برسانے لگیں۔

''بلکہ بے شک وہ (قرآن) تو ایک نصیحت ہے
تو جو کوئی چاہے' یاد کرے اس کو
جو مکرم صحیفوں میں ہے
بلند اور پاکیزہ ہیں۔
ہاتھوں میں ہیں لکھنے والوں کے
جو معزز ہیں' نیک ہیں!''

''نہیں اللہ تعالیٰ!'' اس نے سر اٹھا کر بے بسی بھرے غصے سے اوپر دیکھا۔

''اتنا سب کچھ ہونے کے بعد... میرا خاندان' ہماری زندگیاں برباد ہونے کے بعد بھی آپ مجھے کیسے بتا سکتے ہیں کہ اس کی معافی اور توبہ کی امید....؟ نہیں؟... ہرگز نہیں!'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بار بار اس بات کو جھٹلا رہا تھا۔

''شاید کہ وہ نصیحت پکڑ لے... شاید کہ... شاید کہ....'' الفاظ ذہن پہ ہتھوڑے برسا رہے تھے۔ بالآخر وہ اٹھا اور گارڈ کو آواز دی۔

چند لمحوں بعد وہ اپنے کمرے کے کونے میں زمین پہ اکڑوں بیٹھا فون کان سے لگائے سر جھکائے ہوئے تھا۔

''بولو سعدی۔ کیا کہنا رہ گیا تھا؟'' اس کے لہجے میں تکان اب بھی تھی۔

''جب میں نے قرآن پڑھنا شروع کیا تھا تو ایک بات پہ میں سخت الجھن کا شکار رہتا تھا۔''

''سعدی...''

''میری بات سنو۔ میں کبھی پریشان' کبھی خفا' اور کبھی متحیر رہ جاتا تھا کہ وہ کتاب جس میں اللہ مجھ سے بات کر رہا ہے' جس کا موضوع ''انسان'' ہے' اور جو اربوں کھربوں انسانوں کے لئے قیامت تک کے لئے سب سے بڑا نور' سب سے بڑی سپورٹ ہے' اس میں تو اللہ اور انسان کی بات ہونی چاہیے نا۔ پھر یہ ہر چند ورق الٹنے کے بعد... بار بار... موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیوں آ جاتا ہے؟ اچھا ٹھیک ہے' وہ کلیم اللہ تھے' اللہ سے باتیں کرتے تھے' فرعون کے سامنے کلمہ حق کہا تھا' اپنی قوم کے لیے لڑے تھے' مگر ہمیں اچھے سے یاد ہیں نا یہ واقعات' پھر اللہ کیوں کیوں ہر چند منٹ بعد آپ فرماتے ہیں کہ یاد کرو موسیٰؑ کو اور فرعون کو۔ دنیا کی سب سے بڑی کتاب میں سب سے زیادہ جس انسان کا نام لیا گیا' وہ موسیٰؑ ہیں۔ اتنی دفعہ بار بار... کیوں؟ میں اکثر اللہ سے یہ سوال پوچھتا تھا' اور مجھے اس کا جواب قید کے ان چند ماہ میں مل گیا ہے۔'' وہ سر جھکائے کہے جا رہا تھا۔

''موسیٰ علیہ السلام پتہ ہے کون تھے؟ وہ بہت بڑے دل کے مالک تھے۔ ان کے ساتھ فرعون نے جو بھی کیا' ان کی قوم کے مردوں کو جس طرح ذبح کیا' ان کا اور ہارون علیہ السلام کا مذاق اڑایا' ان کو جادوگر کہا' ان کے معجزے دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا اور پھر جب یکے بعد دیگرے سات قسم کے عذابوں میں فرعون مبتلا ہوا' تو ہر عذاب اترنے پہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو کہتا تھا.... موسیٰ...'' اس کی آواز نم ہوئی۔

''اے موسیٰ... دعا کرو ہمارے لئے اپنے رب سے کہ وہ اسے ٹال دے ہم سے' تو پھر ہم ایمان لے آئیں گے۔ موسیٰؑ ہر دفعہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیا کرتے تھے' مگر وہ لوگ آفات ٹلنے کے بعد بھی ایمان نہیں لایا کرتے تھے۔ تو پتہ ہے کون تھے موسیٰؑ؟ وہ بہت بڑے دل کے' بہت عظیم انسان تھے۔ ان کا ظرف بہت بڑا تھا۔ انہوں نے انتہا تک پہنچنے کے باوجود فرعون پہ give up نہیں کیا تھا' اس کو امید دکھانا نہیں چھوڑی تھی۔ اسی لئے وہ موسیٰؑ تھے۔ اسی لئے ان کا ذکر ہمیشہ کے لئے امر رہے گا۔'' آنکھیں بند کیے گہری سانس اندر کھینچی۔

''مگر میں ہاشم! میں موسیٰ نہیں ہوں۔ میرا اتنا ظرف اور اتنا دل نہیں ہے کہ میں تمہارے لئے دعا کروں۔ جو کچھ تم نے میری بہن کے بارے میں کہا' جو جانیں تم نے لیں' اس کے بعد میں تمہارے لئے دعا نہیں کر سکتا۔ مگر ہاں... راستہ ہے۔''

دوسری طرف بالکل خاموشی تھی۔ اسے محض ہلکی ہلکی ہاشم کے تنفس کی آواز آ رہی تھی۔ ''اگر تم نے سو قتل بھی کیے ہوتے' تب بھی راستہ ہے۔ اللہ ہر چیز معاف کر سکتا ہے۔ ہر گناہ' ہر قتل ہر شرک!''

''جب تم میرے آفس میں آئے تھے تو تم نے کہا تھا کہ قتل کے بارے میں دو مسالک ہیں' اور تم اسکے ساتھ ہو جو کہتا ہے کہ قتل معاف نہیں ہوتا۔''

''میں اب بھی اسی کے ساتھ ہوں مگر وہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو توبہ کیے بغیر مر جاتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے اگر وہ مشرک نہیں تھے تو اللہ روزِ قیامت ان کو معاف کر دے گا' دوسرا کہتا ہے' کہ نہیں' اگر انہوں نے توبہ نہیں کی تھی تو معاف نہیں ہوں گے۔ لیکن تم ابھی

زندہ ہو... اگر تم توبہ کرلو تو تمہارا ہر گناہ معاف ہو جائے گا۔"

"اور کیا مجھے خود کو قانون کے حوالے کرنا پڑے گا؟ سارہ اور فارس اور زمر سے معافی مانگنی پڑے گی؟"

سعدی نے تکلیف سے آنکھیں میچیں۔ اگلے الفاظ کہنا زیادہ کٹھن تھا۔

"تمہارا پہلا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ ایکسپوز ہونے سے پہلے توبہ کر کے تم اپنا معاملہ ٹھیک کر سکتے ہو۔ اگر اللہ تمہیں معاف کر دے تو وہ لوگوں کے دلوں میں سے تمہارے لئے نفرت اور دشمنی خود بخود نکال دے گا۔"

"بس؟" ہاشم نے کرسی کی پشت سے سر ٹکائے اچنبھے سے ابرو اچکائے۔ "کیا یہ اتنا آسان' اتنا سادہ ہے؟"

"یہ منحصر ہے اس پر کہ تم توبہ کو کیا سمجھتے ہو۔ توبہ صرف گلٹ محسوس کرنے اور آئی ایم سوری کہہ دینے کا نام نہیں ہے۔ یہ راستہ بدلنے کا نام ہے۔ تمہیں تمام غلط کام چھوڑنے ہوں گے۔ ایک اچھا آدمی بننے کی کوشش کرنی ہوگی۔ راستہ درست کرنا ہوگا۔ سو قتل کرنے والے کو عالم نے صرف یہ نہیں کہا تھا کہ تمہاری معافی ہو سکتی ہے' بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ جا کر فلاں بستی میں رہو' وہ نیک لوگوں کی بستی ہے' تاکہ وہ شخص اپنی اصلاح کر سکے۔ تمہیں اپنے wrongs کو right کرنا ہوگا۔ جن کی زندگیاں تباہ کی ہیں' اب ان کی زندگیاں جوڑو۔ اس ملک کے لئے کچھ کرو۔ اپنے اربوں روپے کے بجلی کے بل جو تم لوگوں نے کئی سال ادا نہیں کیے' ادا کرنا شروع کرو۔ نیکیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں۔ اگر انسان بڑے گناہ چھوڑ دے تو اس کی چھوٹی چھوٹی بری عادتیں اللہ خود چھڑوا دیتا ہے۔ لیکن اگر تم یہ نہیں کرتے' اور اپنے گناہوں کو جسٹی فائی کرتے رہتے ہو' اگر تمہیں صرف افسوس ہے اپنے گناہوں پر مگر شرمندگی نہیں ہے' غور سے سنو' افسوس اور شرمندگی دو الگ چیزیں ہیں اور اگر تمہیں شرمندگی نہیں ہے' تو تم کبھی اپنی اصلاح نہیں کرو گے اور اصلاح کے بغیر توبہ نہیں ہوتی۔ سو قتل کرنے والا بھی اصلاح نہیں کر سکا مگر وہ اس راستے پہ چل پڑا تھا جو نیک لوگوں کی بستی کی طرف جاتا تھا۔ سو اگر تم لوگوں سے اپنے مظالم کی معافی مانگتے ہو' اور وہ تمہیں معاف نہیں کرتے' تو بھی... تمہاری کوشش دیکھی جائے گی اگر انسان واقعی نادم ہو اور خود کو بدلنا چاہتا ہو اور اس کے لئے کوشش بھی کرے' تو کوشش کی ناکامی یا کامیابی نہیں دیکھی جائے گی' صرف کوشش دیکھی جائے گی۔ سو کوشش کرو' اور میں بھی کوشش کروں گا کہ تمہارے لئے دعا کر سکوں۔" اور یہ کہتے ہوئے اس نے آہستہ سے فون بند کر دیا۔ پھر وہ ہیں گھٹنوں میں سر دیئے' آنکھیں بند کیے' اندھیرے میں بیٹھا رہا۔

❖❖❖

وہ چاہتا تھا کہ دیکھے مجھے بکھرتے ہوئے سو ..... اس کا جشن بصد اہتمام میں نے کیا

سرما کی ایسی ہی ایک دوپہر میں دھوپ کمرہ عدالت کی کھڑکیوں سے چھن چھن کر اندر گر رہی تھی۔ راہداریوں سے آتے شور میں بند دروازوں کے باعث قدرے کمی محسوس ہوتی تھی۔ جج صاحب اپنے اونچے بنچ کے پیچھے بیٹھے' سامنے دیکھ رہے تھے۔ جہاں دائیں طرف سیاہ کوٹ میں ملبوس زمر بیٹھی تھی اور مسلسل دو انگلیوں سے کان کی لو مسلتا' فارس۔ سنہری آنکھیں سکیڑ رکھی تھیں۔ تازہ شیو بنی تھی۔ بال بھی تازہ کٹے تھے' انھی مغرور ناک اور پیشانی پہ ہلکا سا بل لئے' وہ ازلی بے زار بیٹھا تھا۔ البتہ آج اس نے سفید شرٹ پہ سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا۔ زمر کے اصرار کے باوجود وہ ٹائی پہننے پہ راضی نہیں ہوا تھا۔ اب بھی دوسری میز کے پیچھے کھڑے پراسیکیوٹر کو بولتے اور جج کو بغور سنتے دیکھ کر وہ استہزائیہ مایوسی سے سر جھٹک کر منہ میں کچھ بڑبڑایا تھا۔ "You lawyers!" زمر نے گردن موڑ کر اس پہ ایک گہری نظر ڈالی۔ وہ ناخوش لگتا تھا۔ پھر وہ کھڑی ہوئی۔ بال ہاف کیچر میں باندھے' زرد چہرے مگر اٹھی گردن کے ساتھ وہ کہنے لگی۔

"مجھے کچھ کہنا ہے یور آنر۔ آئی ایم سوری پراسیکیوٹر صاحب..." دونوں ہاتھ اٹھا کر اس سے معذرت کی جو ابرو بھینچ کر اسے روکنے ہی لگا تھا۔ "مجھے ابھی نہیں بولنا چاہیے' مگر اتنی پروفیشنل کرسی تو آپ مجھے دکھائیں گے کہ اگر میں ابھی بطور ایک انسان کچھ کہنا چاہوں' کیونکہ اپنی اس پوزیشن میں جو کچھ کہوں گی وہ بطور ایک وکیل کے ہوگا' تو آپ پانچ منٹ تو مجھے دے ہی دیں گے۔"

پراسیکیوٹر عمران نے سر کو خم دیا' اور واپس بیٹھ گیا۔ جج صاحب نے زمر کو بات جاری رکھنے کی اجازت دی تو وہ اسی طرح اٹھی گردن کے ساتھ مضبوط ہموار آواز میں کہنے لگی۔

''میں ایک وکیل ہوں' اور میں ایک پراسیکیوٹر رہی ہوں' پبلک پراسیکیوشن آفس ایک بھاری ذمہ داری کا نام ہے' جس کو میں نے کئی سال اٹھایا ہے۔ انسان کے سر پہ جتنی بھاری ذمہ داری ہوتی ہے' اتنی زیادہ اس کی پوچھ ہوتی ہے۔ مگر ایک پراسیکیوٹر سے پہلے میں ایک انسان بھی ہوں' اور بطور ایک گواہ' نہ کہ ایک وکیل میں نے.....'' جج صاحب کو دیکھتے ہوئے وہ بولی تو آواز لمحے بھر کو کانپی۔ ''فارس طہیر غازی کو ساڑھے چار سال پہلے جیل بھجوایا تھا۔''

کان کی لو سلگتا' وہ بے نیاز بے زار بیٹھا شخص ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''کیونکہ میرے نزدیک وہ ایک مجرم تھا۔ مگر یہ میری غلطی تھی۔ جج منٹ کی غلطی۔ اور ہم میں سے ہر ایک ایسی غلطیاں کسی نہ کسی کیس میں کر چکا ہے' مگر اس کے باوجود' میری غلطی جسٹی فائی نہیں کی جا سکتی۔ میں..... غلط تھی جب میں نے فارس غازی کو کنوکٹ کیا تھا۔ دو ماہ قبل مجھے معلوم ہوا کہ فارس غازی بے گناہ تھا' اس کیس میں وہ کسی بھی جرم میں ملوث نہیں تھا.....''

وہ آہستہ سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔ بنا پلک جھپکے' وہ گردن اٹھائے بس اسے دیکھ رہا تھا۔ اب وہ میز کے پیچھے سے نکل کر جج کے چبوترے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔ ایسی جگہ جہاں کھڑکی سے چھن کر گرتی سورج کی روشنی بہت تیز پڑ رہی تھی۔

''..... میں نے دو ماہ قبل یہ جانا کہ وہ صحیح تھا اور میں غلط تھی' اسی لئے آج میں یہ اعتراف اس جگہ کھڑے ہو کر کرنا چاہتی ہوں تاکہ یہ لکھا جائے.....'' ایک نظر سامنے بیٹھے کورٹ رپورٹر پہ ڈالی جو کھٹا کھٹ ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ ''اور یہ اس کیس کی فائلز میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا جائے' کیونکہ ایک دفعہ مجھ سے فارس غازی نے پوچھا تھا کہ اگر میں نے یہ جان لیا کہ وہ بے گناہ ہے تو میں کیا کروں گی؟'' گردن موڑ کر اس نے اسی اٹھی گردن کے ساتھ فارس کو دیکھا۔ ''تو میرا جواب یہ ہے کہ میں یہی کروں گی! میں اس کے ساتھ کھڑی ہوں گی اور اس کو انصاف دلاؤں گی۔'' وہ روشنی میں کھڑی تھی' تیز روشنی میں' اور اس کے بھورے بال چمک کر اخروٹی لگ رہے تھے' اور جب اس نے چہرہ موڑ کر فارس کو دیکھا تو بھوری آنکھیں سنہری دکھی تھیں۔ وہ بالکل خاموش سا اسے دیکھے گیا۔ گردن میں گھنٹی سی ڈوب کر ابھری تھی۔

پراسیکیوٹر سے مزید برداشت نہیں ہوا تو اٹھا۔ ''مسز زمر آپ سب کچھ ابھی کہہ دیں گی تو اوپننگ آرگومنٹ میں کیا کہیں گی؟ جج صاحب' مسز زمر کی بات پتی ہے' مگر عدالت کو یہ امر مدنظر رکھنا چاہیے کہ وہ فارس غازی کی بیوی ہیں' اور ہر محبت کرنے والی بیوی کی طرح.....''

''مجھے اپنے شوہر سے کوئی محبت نہیں ہے۔'' وہ مڑے بغیر جج صاحب کو دیکھتے ہوئے اسی اٹھی گردن کے ساتھ اسی روشنی کے ہالے میں کھڑی بولی تھی۔ ''نہ پہلے تھی نہ اب ہے۔ ان فیکٹ میں اپنے شوہر کو پسند بھی نہیں کرتی' اور بہت دفعہ میں اپنے شوہر کو جان سے مار دینا چاہتی تھی.....'' (وہ ہلکا سا مسکرایا) ''ان فیکٹ گرفتار ہونے سے ایک دن پہلے وہ مجھے طلاق دینے کی بات کر رہا تھا.....'' (فارس نے قدرے غیر آرام دہ سا پہلو بدلا) ''مگر یہ فیملی کورٹ نہیں ہے جہاں ہم کھڑے ہو کر ذاتیات کے بارے میں بات کریں' اور ایک دوسرے کے اوپر کیچڑ اچھالیں' نہ میں ایسی عورت ہوں' مگر یہ سب کہنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ٹرائل کے دوران میری کہی کسی بات کو' شوہر کے دفاع'' کے زمرے میں لینے کی بجائے موکل کا دفاع سمجھا جائے۔ تھینک یو یور آنر۔'' سر جھکا کر شکریہ ادا کیا۔ وہ تیز روشنی میں کھڑی تھی' چمکتی ہوئی' جیسے سونے کے پنکھے آس پاس گر رہے ہوں۔ نہ کوئی ٹوٹا بکھرا وجود تھا' نہ آنکھوں میں آنسو' نہ ندامت سے جھکا سر..... نہ معافی کے لئے ہاتھ بندھے تھے' مگر اعتراف جرم بھی کر لیا تھا' اعتراف ندامت بھی ہو گیا تھا۔ سر بھی اتار رہا تھا' کیونکہ..... فارس غازی نے سوچا تھا..... وہاں نیت صاف تھی۔ جو بھی کیا تھا' سچ کا ساتھ دینے کے لئے کیا تھا۔ پہلے بھی۔ اب بھی۔

''اب پراسیکیوٹر صاحب' بڑے آرام سے دلائل کا آغاز کر سکتے ہیں' جن کے بعد ایسے لگے گا جیسے میرا کلائنٹ قمر الدین چودھری کے

ساتھ ساتھ نائن الیون حملے میں بھی ملوث تھا۔'' وہ سادگی سے کہہ کر واپس آ بیٹھی۔ کمر کرسی کی پشت سے لگائی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی' گردن
فارس کو دیکھا۔ اس کے تاثرات بدل چکے تھے۔ وہ ان چند لمحوں میں بہت سی کیفیات سے ایک دم گزر گیا تھا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے اعتراف سے تمہیں خوش نہیں کر سکی' نہ میں روئی' نہ پیروں میں گری' نہ ہاتھ جوڑے۔'' دھیر
بولی۔ وہ بس اسے دیکھے گیا۔ وہ اس وقت کیا محسوس کر رہا تھا' وہ بیان نہیں کر سکتا تھا۔ پر وہ سامنے دیکھنے لگا۔ پراسیکیوٹر اد لائل کا آغاز کر چ
فارس کی آنکھیں ادھر جمی تھیں' مگر گردن کی گلٹی بار بار ظاہر ہو کر معدوم ہوتی تھی۔

''آپ کو کب معلوم ہوا؟'' وہ اب بھی سامنے دیکھ رہا تھا۔ اسے واقعی نہیں اندازہ تھا۔

''جس رات مجھے ایستھما اٹیک ہوا تھا۔'' وہ بہت دھیما بول رہی تھی۔

فارس نے نگاہیں موڑ کر اسے دیکھا۔ سنہری آنکھیں بھوری آنکھوں میں دیکھتی رہیں۔ چند لمحے۔ چند سانسیں۔ جیسے وہ بہت کچھ
چاہتا تھا۔ مگر..... بولا تو صرف اتنا۔

''کیا میں آپ کو ''تم'' کہہ کر بلا سکتا ہوں؟''

زمر لمحے بھر کو لاجواب ہوئی۔ پھر خفگی سے گردن کڑائی۔ ''ہرگز نہیں۔''

وہ ہلکا سا مسکرا کر اس کی طرف جھکا۔ اور تابعداری سے سر کو خم دیا۔ ''ٹھیک ہے' جیسے تم چاہو!''

اب اگر وہ ڈسٹرکٹ کورٹ کا کمرہ نہ ہوتا اور ان کے پیچھے وکلاء نہ بیٹھے ہوتے تو زمر یوسف کی ہیل فارس غازی کے پیر کو بتاتی
اس کے چاہنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ مگر... وہ خفگی سے سر جھٹک کر سامنے دیکھنے لگی۔

.....❖❖❖.....

ان کے بھی قتل کا الزام ہمارے سر ہے ..... جو ہمیں زہر پلاتے ہوئے مر جاتے ہیں

کولمبو کی بھیگی فضاؤں میں اس رات بارش نے مزید نمی گھول دی تھی۔ کرنل خاور مظاہر حیات نے جب ہوٹل کی لابی میں قدم رکھا تو
کا کوٹ نم تھا' اور بال قدرے بھیگے ہوئے تھے۔ اپنے تنومند جسم پہ کوٹ کے کالر برابر کرتا وہ ریسپشن تک آیا اور شناسا انداز میں ریسپشنسٹ
پوچھا۔

''ہاشم کاردار کون سے روم میں ہیں؟'' جب وہ لڑکی اسے مطلوبہ معلومات فراہم کر رہی تھی تو اس کی پشت پہ دیوار پہ آویزاں ہا
کی چمکتی دھات میں خاور کا عکس جھلک رہا تھا۔ قدرے بھاری مگر فٹ جسامت کا حامل' اونچا لمبا سا آدمی' جس کے بال کریو کٹ میں کٹے
ایرانی طرز کی سیاہ مونچھیں تھیں' اور گھنے ابرو تلے سیاہ' گہری آنکھیں۔ پیشانی پہ مستقل پڑے دو بل' اور گندمی رنگت۔ دیکھنے میں وہ پینتالیس
سے اڑتالیس سال کا لگتا تھا اور کم و بیش یہی اس کی عمر تھی۔

چند گھنٹے قبل ہاشم نے اسے کال کر کے جلد از جلد کولمبو پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ کراچی میں جن کاموں میں پھنسا تھا' ان سب کو چھ
کر فوراً ادھر آ پہنچا تھا اور اب لفٹ کی طرف بڑھتے ہوئے وہ یقیناً اس امر کے بارے میں سوچ رہا تھا جو ہاشم نے اس سے ڈسکس کرنا تھا۔ ہا
نے کہا تھا' بات اہم تھی۔ خاور متجسس تھا اور پرجوش بھی۔ جو بھی مسئلہ ہوا' وہ اسے حل کر لے گا۔ ہاشم کے لئے' وہ سب سنبھال لے گا' کیونکہ
صرف وہی تھا۔ جو ہاشم کے تمام مسئلے سنبھالتا آیا تھا۔

کمروں کے بند دروازوں سے سجی راہداری میں وہ مطلوبہ دروازے تک رکا' بیل بجائی۔ پھر دیکھا' دروازہ قدرے کھلا تھا۔ اس کے
ابرو اکٹھے ہوئے۔ آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ احتیاط سے دروازہ دھکیلا۔ ایک ہاتھ بیلٹ میں اڑسے پستول پہ رینگ گیا۔

پٹ کھلتا گیا۔ کمرہ خالی تھا۔ صرف ایک زرد لیمپ جل رہا تھا۔ خاور نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔ ایک طرف دیوار گیر کھڑکی تھی جس

کے شیشے پہ پانی کی بوندیں تڑاتڑ برس رہی تھیں۔ اس کے سامنے کرسی ڈالے ہاشم بیٹھا تھا۔ خاور نے اطمینان سے سانس خارج کی' جیب تک رینگتا ہاتھ سیدھا ہو گیا۔ وہ ''سر'' کہتا قریب آیا۔ ہاشم کی اس طرف پشت تھی۔ آہٹ پہ بغیر چونکے سر موڑا' اسے دیکھا' ہلکا سا مسکرایا اور اٹھا۔ مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا جسے خاور نے گرمجوشی سے تھاما۔

''سب ٹھیک ہے' سر؟'' خاور کو وہ دیکھنے میں بالکل نارمل لگا تھا۔ (اہم مسئلہ؟)

''یس۔ آف کورس!'' ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ ہاتھ ملا کر چھوڑا۔

''میرا دل چاہ رہا تھا میں کسی سے بات کروں۔ سو تمہیں بلا لیا۔'' کہتے ہوئے وہ ساتھ رکھی میز تک آیا۔ سیاہ پینٹ پہ سلور گرے شرٹ پہنے' اور کف کہنیوں تک موڑے' وہ ریلیکسڈ لگ رہا تھا۔ دو گلاسوں میں اس نے مشروب انڈیلا' ایک خاور کو تھمایا' دوسرا خود تھامے سامنے آ کھڑا ہوا۔ گلاس بلند کیا۔

''کس کے نام؟'' خاور نے اپنا گلاس بلند کرتے پوچھا۔

''جولیس سیزر کے نام!'' اس نے خاور کے گلاس سے گلاس ٹکرایا' پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا واپس کرسی پہ آ بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر' رخ کھڑکی کی طرف موڑے' گھونٹ بھرا۔

خاور اس کے سامنے ذرا ترچھی کر کے کرسی پہ بیٹھا۔ قدرے آگے کو ہوئے۔ الرٹ اور سپ لیا۔ تابعدار آنکھیں ہاشم پہ جمی تھیں جو شیشے پہ برستی بوندیں دیکھ رہا تھا۔

''جولیس سیزر... رومن ڈکٹیٹر.... آج کل میں اس کے بارے میں اکثر سوچتا ہوں۔'' گھونٹ بھرتے ہوئے' باہر دیکھتے وہ کہہ رہا تھا۔ ''چوالیس سال قبل از مسیح.... پندرہ مارچ کے دن... سیزر کے اوپر اس کے اپنے سینیٹرز نے حملہ کیا تھا' اور ان میں شامل تھا' مارکس جونیئر بروٹس... سیزر کا دوست' اور protege کہتے ہیں پہلے سیزر جوانمردی سے لڑا مگر جب اس نے....'' نگاہیں یک ٹک باہر جمائے' گلاس لبوں سے لگا کر نیچے کیا۔ ''جب اس نے بروٹس کو دیکھا تو اس نے دکھ سے کہا۔

"Et tu Brute? Then Fall , Caeser"

''تم بھی بروٹس؟ تو پھر ڈھے جاؤ' سیزر۔ اور یہ کہہ کر وہ ڈھے گیا۔'' ایک اور چھوٹا سا گھونٹ بھرنے کو وہ رکا۔ ''Et tu Brute.... لاطینی زبان کا وہ ننھا سا فقرہ جو انگریزی میں "You too Brutus" کہلاتا ہے' اس کو شہرت شیکسپیئر کے قلم سے ملی .... ورنہ خاور.. اگر شیکسپیئر یہ فقرہ اپنے پلے میں جولیس سیزر کو بولتے نہ دکھاتا تو کون جان پاتا اس فقرے کو۔ مگر جانتے ہو' لوگ اس کا مطلب ٹھیک سے نہیں سمجھتے۔ قیاس کرتے ہیں کہ یوٹو بروٹس کا مطلب ہے کہ سیزر دکھ سے ''یعنی کہ تم بھی بے وفا نکلے بروٹس؟'' کہہ رہا تھا' مگر یہ ایک نامکمل معنی ہے۔''

خاور نے درمیان میں کئی دفعہ لب کھولے' اور پھر ادب سے بند کر دیے۔ وہ اس بے کار کہانی کو تحمل سے آخر تک سن سکتا تھا۔ مگر جانے اس نیم روشن' شاہانہ بیڈروم کی نرم گرم فضا میں ایسا کیا تھا.... جو ٹھیک نہیں تھا۔ وہ اندر سے الجھتا خاموشی سے گھونٹ بھرتا رہا اور اسے سنتا رہا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

pSuetonius p کہتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں سیزر کے آخری الفاظ تھے ''کائے سے تیکفون؟'' ''یعنی ''تم بھی' بچے؟'' کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے کہا تھا' تم بھی میرے بچے؟'' وہ ہلکا سا ہنسا۔ ''تاریخ دان یہ بھی کہتے ہیں کہ بروٹس' سیزر کا ناجائز بیٹا تھا۔ خیر...'' کھڑکی کو دیکھتے شانے اچکائے۔ خاور اب دھیان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اس زمانے میں' قدیم روم میں' ایک محاورہ بولا جاتا تھا۔ ''تم بھی میرے بچے' طاقت کا مزہ چکھو گے''۔ شاید سیزر بھی یہی کہہ رہا تھا جب اس نے کہا' تم بھی بروٹس'...تم بھی تاج پہنو گے۔ یہ دکھ کا اظہار نہیں تھا۔ یہ ایک بد دعا تھی۔'' اب کے نگاہیں خاور کی طرف پھیریں۔ خاور بری طرح ٹھٹکا۔ یہ وہ آنکھیں نہیں تھیں جن کو وہ پہچانتا تھا۔ سیاہ' سرد' پتھر جیسی آنکھیں۔

''سر' کیا ہوا ہے؟''

''یونو....جب سیزر نے یہ کہا' تم بھی بروٹس' تو اس نے کہا' تمہاری بھی باری آئے گی بروٹس! اور یہ کہہ کر وہ ڈھے گیا۔ اور بعد میں بروٹس بھی تو ایسے ہی مرا تھا نا۔ مگر پتہ ہے کیا...'' اس نے خاور پہ نظریں جمائے گلاس دائیں طرف میز پہ رکھا۔ ''یہ سب لوگوں کی باتیں ہیں۔ ورنہ تاریخ کہتی ہے' کہ سیزر نے مرتے وقت کچھ نہیں کہا تھا۔''

خاور نے آہستہ سے گلاس اسی میز پہ رکھنا چاہا' مگر رکھ نہیں سکا۔ گلاس لڑھک گیا۔ بے اختیار اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا تھاما۔ اس کی رنگت بدل رہی تھی' چہرے پہ پسینہ نمودار ہو رہا تھا۔ ''سر...سر کیا ہوا ہے؟'' حیرت زدہ نگاہیں اٹھا کر' دبتے گلے کو پکڑے وہ بمشکل بول پایا۔

''مورخ کہتے ہیں' سیزر کو مرتے وقت ایک لفظ کہنے کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔ وہ خاموشی سے مرا تھا۔ بالکل خاموشی سے۔ ایسے بڑے بڑے الفاظ شیکسپیئر کہا کرتا تھا۔ یہ اسی کے الفاظ ہیں۔'' اس نے خاور کو دیکھتے ہوئے ایک اور گھونٹ بھرا۔

''سر...میں نے...کچھ نہیں...'' وہ چلانا چاہتا تھا' مگر گلا پکڑے پکڑے گھٹنوں کے بل زمین پہ گر گیا۔ منہ یوں کھولا' جیسے قے کرنا چاہتا ہو مگر...آج اندر سے کچھ نہیں نکلنا تھا۔ اس کا منظر دھندلا رہا تھا۔ سامنے' ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھا' اسے سرد نظروں سے دیکھتا ہاشم اسی دھند میں گم تھا...اور دور...کسی کنویں سے ٹکراتی آواز کی طرح اس کی آواز گونج رہی تھی...

''میرا خیال ہے' وہ واقعی خاموشی سے مرا تھا' کیونکہ بادشاہ...خاموش ہی مرا کرتے ہیں۔ مگر تم...تم تاج نہیں پہنو گے۔''

اس نے کرسی پہ ہاتھ جما کر اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر دھند...درد...اندھیروں میں ڈوبتا ذہن...وہ اٹھ نہیں پایا۔

''تم خاموش نہیں رہو گے...تم...'' ہاشم بیٹھے بیٹھے آگے کو جھکا تھا۔ ''تم مجھے سب بتاؤ گے...ایک ایک بات...کس کے لئے مارا تم نے میرے باپ کو...سب کچھ...''

مگر الفاظ اب گڈمڈ ہونے لگے تھے۔ خاور کا ذہن گہرے اندھیروں میں ڈوب رہا تھا۔ مناظر کبھی نظر آتے' کبھی بادلوں میں چھپ جاتے۔ اس نے محسوس کیا' اس کو کسی چیز پہ لٹا کر راہداری میں سے گزارا جا رہا ہے...راہداریاں...چھت...دروازے...چھت بدل رہی تھی...پھر وہ تاریک ہو گئی...وہ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا' مضبوط قوتِ ارادی کے باعث اس کا ذہن ابھی تک مفلوج نہ ہو سکا تھا...اور پھر چھت مزید تاریک ہوئی...یہاں تک کہ وہ زردی مائل بھوری سی لگنے لگی...دھندلے ہوتے منظر میں اس نے دیکھنا چاہا...اس کا اسٹریچر ایک تنگ کمرے میں دھکیلا جا رہا تھا' اور سامنے دو ہیولے سے کھڑے تھے...وہ قریب آتے گئے...قدم...قدم...پھر ایک کا چہرہ واضح ہوا...اس کے بال گہرے بھورے اور ہلکے گھنگریالے تھے' اور آنکھیں بھوری تھیں۔ اس کا مسکراتا چہرہ قریب آیا...اور اس کے الفاظ وہ آخری الفاظ تھے جو خاور کو سنائی دیے تھے۔

''خوش آمدید...یا صاحبی السجن!''

.....❖❖❖.....

ڈیڑھ ماہ بعد

کبھی غرور کا نشہ نہ سر پہ طاری کر ..... مری بلا سے فقیری کر یا تاجداری کر

سرما کی ٹھنڈ دسمبر کے تیسرے عشرے میں بڑھتی جارہی تھی۔ وہ ایک نیلی سی صبح تھی۔ دھند نے سارے قصر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ سورج منہ پھیرے ناراض سا، بادلوں کے پیچھے گم تھا۔ ایسے میں فیونا قصر کے برآمدے کے زینے چڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔ اسکرٹ پہ ہیٹر پہنے' بال پونی میں باندھے' وہ قدرے سنجیدہ اور ناخوش دکھائی دیتی تھی۔ برآمدے میں آکر اس نے اندر کھلتا بھاری منقش لکڑی کا دروازہ ہلایا تو جیسے ہی ہیٹرز کی گرم' ٹکور دیتی ہوا وجود سے ٹکرائی' ویسے ہی قصر کا اندرونی منظر بھی کھلتا چلا گیا۔

اندر تمام بتیاں روشن تھیں۔ لاؤنج میں ملازم کام کرتے نظر آرہے تھے۔ سامنے ڈائننگ ہال کے شیشے کے دروازے کھلے تھے اور سربراہی کرسی پہ براجمان ملکہ نک سک سے تیار بیٹھی تھی۔ کھلے بال کندھے پہ بائیں جانب کو ڈالے' فگر ہگنگ سیاہ ٹاپ پہنے' جس پہ گرا سلور ائکٹ چمک رہا تھا' وہ مسکرا کر گردن اٹھائے' مسلسل ائیر رنگ پہ انگلی پھیرتی' ساتھ کھڑے احمر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی سیاہ جیکٹ میں ملبوس' ماتھے پہ کٹے بال گیلے کر کے پیچھے کو بنائے' سادہ سا مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''گو کہ آکشن گیارہ بجے شروع ہوگی' مگر آپ وہاں پہ گیارہ بج کر چودہ منٹ پہ پہنچیں گی' یہ پرائس بولیں گی...'' ایک چٹ نکال کر سامنے رکھی۔ ''مسکرا کر حاضرین کو دیکھیں گی' سب امیزڈ ہوں گے' لاجواب ہوں گے' پھر آپ کے بیٹھنے سے پہلے پینٹنگ آپ کی ہوگی' اور آپ اسی شانِ بے نیازی سے اس کو بچوں کی فلاح کے لئے بننے والے ادارے کو عطیہ کر دیں گی۔ کیمروں کے شٹرز بج رہے ہوں گے' آپ نیوز میں ہوں گی' مگر آپ انٹرویو دینے سے انکار کر دیں گی' کیونکہ آپ اپنے نیک کام کی تشہیر نہیں چاہتیں۔ پی ایس! آپ کو مزید تشہیر کی ضرورت اس ہفتے پڑے گی بھی نہیں۔'' اور مسکرا کر سر کو خم دیا۔ فیونا نے دور سے یہ منظر دیکھا' ناک سکوڑی' اور کچن کی طرف چلی گئی۔

''اور یقیناً تم نے انتظامیہ سے پہلے ہی بات کر لی ہوگی۔'' چٹ کو دو انگلیوں میں اٹھا کر جواہرات نے دیکھا۔ ''وہ میرے علاوہ کسی کو پینٹنگ نہیں بیچیں گے۔ رائٹ!''

''نہ صرف یہ بلکہ وہ چودہ منٹ تک کسی کو اس رقم تک نہیں آنے دیں گے۔ سب سیٹل کیا جا چکا ہے...'' وہ ذرا رکا۔ ''مسز کاردار' آپ سیاست میں نہیں آرہیں' آپ پہلے ہی ایک philanthropist کے طور پہ جانی جاتی ہیں' پھر میں پچھلے چند ہفتوں سے آپ کے لئے یہ پبلیسٹی stunts کیوں ارینج کر رہا ہوں؟''

جواہرات نے نزاکت سے کندھے اچکائے اور نیپکین گھٹنوں پہ پھیلایا۔ ''میں' پاپولر ہونا چاہتی ہوں۔ مقبول لوگ' کسی بھی عہدے یا آفس کے بغیر بھی ایک دنیا پہ حکومت کرتے ہیں۔ وہ ذہنوں پہ حکمرانی کرتے ہیں اور ان کی رائے سنی جاتی ہے۔ مانی جاتی ہے۔'' مسکرا کر اسے دیکھتے گلاس لبوں سے لگایا۔

''بھاری اعزازات کی بھاری قیمتیں چکانی پڑتی ہیں مسز کاردار' مگر خیر' آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ میں آپ کے ساتھ ہوں!''

''اور مجھے اسی بات کی فکر ہے کہ تم ان کے ساتھ ہو۔'' آواز پہ احمر چونک کر پلٹا۔ سامنے سے ہاشم چلا آرہا تھا۔ کوٹ' ٹائی' کف لنکس' سب نفاست سے خود پہ سجائے' تنے تاثرات کے ساتھ' ایک کاٹ دار نظر اس پہ ڈالتا وہ اپنی کرسی تک آیا۔ ملازم نے جلدی سے کرسی کھینچی۔ وہ بیٹھا اور اسی سنجیدگی سے نیپکین پھیلانے لگا۔

''گڈ مارننگ مسٹر کاردار!'' احمر سر کو خم دیتا کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اسے معلوم تھا' جواب نہیں آنا۔

''وہ بہت ٹیلینٹڈ ہے' ہاشم!'' جواہرات نے نرمی سے اس کے ہاتھ کو دبایا۔ ہاشم نے جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے ناشتہ کرتا رہا۔ نوشیرواں بھی تھوڑی دیر بعد تیار ہو کر نیچے آ گیا۔ اس کے بال پہلے سے بھی چھوٹے کٹے تھے' فرنچ صاف تھی' اور آج کل وہ روز اسی خاموشی سے آفس جاتا اور واپس آ کر کمرے میں گم ہو جاتا تھا۔

ناشتہ کرتے ہوئے ہاشم نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو کھڑکی کے باہر احمر کھڑا کسی ملازم کو کوئی ہدایت دیتا نظر آ رہا تھا۔ ہاشم نے ہولے سے سر جھٹکا۔

''مجھے ممی اس پہ ذرا بھی اعتبار نہیں ہے۔'' جواہرات نے ملازم کو جانے کا اشارہ کیا، پھر ہاشم کی طرف متوجہ ہوئی۔

''تمہیں جس پہ اعتبار تھا اسکا نام خاور تھا' وہ خاور جس پہ تمہارے باپ نے کبھی بھروسہ نہیں کیا تھا' مگر جس پہ تمہارے باپ نے اعتبار کیا تھا' وہ احمر تھا۔ اب تم فیصلہ کر لو کہ کون صحیح تھا کون غلط۔''

ہاشم کے لب بھنچ گئے' اور وہ مزید خاموشی سے ناشتہ کرنے لگا۔ جواہرات نے جھرجھری لیتے جوس کا ایک اور گھونٹ بھرا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ خاور' اورنگزیب کے ساتھ یہ سب....''

''خاور نے ڈیڈ کو قتل نہیں کیا۔'' نوشیرواں ایک دم کانٹا پٹخ کر بولا تو وہ دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ پل بھر کو جواہرات کا دل بیٹھا مگر وہ کہہ رہا تھا۔ ''میرے باپ کو کسی نے قتل نہیں کیا' انہیں کوئی قتل نہیں کر سکتا۔ وہ نیچرل ڈیتھ سے فوت ہوئے تھے' سنا آپ لوگوں نے؟'' اور نیپکین پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔ ہاشم نے گردن اٹھا کر تاسف سے اسے دیکھا۔

''تم ابھی تک denial میں ہو شیرو!''

''آئندہ کوئی بھی ان کے قتل کی بات نہیں کرے گا' سنا آپ نے یا نہیں؟'' بگڑ کر کہتا' وہ کرسی دھکیلتا' لمبے لمبے ڈگ بھرتا' باہر نکل گیا۔ ناشتہ ادھورا رہ گیا تھا۔ ادھوری چائے' ادھورے ناشتے....

مزاجِ غم نے بہر طور مشغلے ڈھونڈے
کہ دل دکھا تو کوئی کام وام میں نے کیا

دھندلکے کے پار انیکسی کھڑی تھی۔ چھوٹی' کم مایہ' مگر مضبوط۔ اندر چھوٹے سے کچن میں دم کی چائے اور الائچی کی خوشبو پھیلی تھی۔ سیم گول میز پہ موجود' برے برے منہ بناتا ناشتہ زہر مار کر رہا تھا۔ فرائی انڈے کی زردی ٹوٹ چکی تھی' اور وہ کھاتے ہوئے بار بار ایک ملامتی نظر حنین پہ ڈالتا جو جلدی جلدی توے پہ توس سینک رہی تھی۔ زمر سفید لباس میں تیار سی' اپنی چائے دم پہ رکھ رہی تھی۔ حنہ کپ کنگھالتے رکی تو توس جل گیا۔ سیم چلایا تو وہ اس طرف بھاگی۔

''حنین' ڈونٹ وری' واپس آ کر ہم سب مل کر کچن صاف کر لیں گے۔'' زمر نے چولہا بند کرتے اسے تسلی دی۔ توس سیم کی پلیٹ میں رکھتے حنین نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔

''آپ کا مطلب ہے کہ یہ کچن صاف نہیں ہے؟'' اس کے دل کو جیسے دھکا لگا تھا۔ زمر نے گڑبڑا کر سیم کو دیکھا' پھر کچن کو (ہر چیز' چاہے وہ صاف دھلے برتن تھے یا پتی چینی کے ڈبے' وہ کاؤنٹر پہ رکھے تھے۔ پھیلاوا ہی پھیلاوا۔)

''میرا مطلب ہے' ابھی تو تم نے کر لیا بعد میں..... ہم مل کر کر لیں گے۔'' سیم کو پھر دیکھا تو اس نے بنا آواز کے ''توبہ توبہ'' کہتے دونوں کانوں کو انگلی سے باری باری چھوا۔

مگر حنین سخت بے دلی سے کرسی پہ بیٹھ گئی۔ بولی کچھ نہیں۔ زمر کا بھی فون آ گیا۔ وہ سیم کو لینے چلی گئی تو حنہ نے گھر کے سارے دروازے لاک کر دیے۔ اب وہ اکیلی تھی۔ اور وہ جانتی تھی کہ گھر کا یہ تخت و تاج اگلے دو ہفتے تک اسے اکیلے ہی سنبھالنا تھا۔

وجہ؟

صداقت شادی کر رہا تھا!

اس کی بلا سے وہ کسی سے بھی شادی کرے' جب بھی کرے' مگر اس نے کہہ دیا تھا کہ ندرت اور بڑے ابا کے بغیر اس کی شادی مکمل نہیں ہو سکتی۔ زمر اور خود حنین کے بے حد اصرار پہ ندرت اور ابا ایک ہفتے کے لئے صداقت کے گاؤں چلے گئے تھے۔ ایک ہفتے کی شرط بھی زمر نے لگائی تھی۔ وہ چاہتی تھی' وہ دونوں اس ڈپریشن زدہ ماحول سے نکلیں' کچھ دن تازہ ہوا کھالیں' سو صداقت کے لئے قیمتی تحفے لے کر وہ لوگ کل روانہ ہو گئے تھے۔ ندرت نے کہہ دیا تھا کہ زمر مصروف ہوتی ہے' اور حنین کو کھانا بنانا نہیں آتا سو کھانا ریسٹورانٹ سے آئے گا' کپڑے لانڈری پہ جائیں گے' حنہ کو صرف ناشتہ اور صفائی کرنی ہوگی۔

مگر صفائی؟ یہ دنیا کا سب سے مشکل کام تھا۔ کل سے وہ چیزیں صاف کر کر کے' جوڑ جوڑ کر ہلکان ہو چکی تھی' مگر پورا گھر بکھرا ہوا لگتا تھا۔ آج بھی وہ زمر کے نیچے آنے سے آدھا گھنٹہ پہلے کچن میں آئی تھی' سارا کچن صاف کیا' مگر کتنے مزے سے وہ کہہ گئی کہ صفائی نہیں لگ رہی تھی۔ بھئی مطلب تو یہی تھا نا۔

ٹھنڈی چائے کا گھونٹ بھرتے' اکیلے بیٹھے' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پہلے ہی دن رات ہاشم کا خیال اس کی آواز' یہ سب ذہن سے نکلتا نہیں تھا' غضِ بصر کر کر کے تھک گئی وہ' مگر وہ تو ویسے ہی یاد آتا تھا' ذرا بھی نہیں بھولا تھا۔ اس نے سوچا تھا غضِ بصر میں کامیاب ہو کر وہ شیخ کے اگلے طریقے تک جائے گی' مگر کامیابی تو دور لگ رہی تھی' سو بالآخر وہ کتاب اٹھا لائی اور لاؤنج میں صوفے پہ لیٹے اس نے مطلوبہ فصل کھول لی۔

دروازے کے پار کھلا دریا تھا۔ تیز سورج کی سنہری کرنیں پانی پہ جھلملا رہی تھیں۔ ایسے میں وسط دریا کو چیرتی ایک لکڑی کی قدیم کشتی چلتی جا رہی تھی۔ بوڑھے شیخ کسی ماہر ملاح کی طرح چپوؤں کو پانی میں چلاتے کشتی کو آگے دھکیل رہے تھے۔ ان کے سامنے وہ بیٹھی تھی۔ پہلے کی طرح کمزور' اور بددل۔ کہنیاں گھٹنوں پہ رکھے' اور ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے' وہ ناراضی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

''غضِ بصر کر کر کے مر گئی میں۔ پہلے اس کو دیکھنا چھوڑا' پھر اس کی ای میلز' اس کے ٹیکسٹ' سب مٹا دیے کہ ان کو دیکھنا بھی غضِ بصر کے خلاف تھا' مگر وہ نہیں بھولا۔ میں تو اسے دیکھ بھی نہیں رہی' پھر وہ مجھے کیوں نہیں بھولتا' شیخ؟''

شیخ نے آہستگی سے گیلے چپو نکال کر کشتی کے اندر رکھے۔ ہوا ہولے سے خود ہی سنہرے پانی پہ کشتی کو آگے بڑھانے لگی۔

''تمہارے زمانے میں' لڑکی' سب سے مہلک بیماری کون سی ہے؟''

''ڈینگی!'' فوراً بولی، پھر گڑبڑائی۔ ''سوری۔ کینسر۔ سرطان۔''

''تو اگر سرطان کا مریض اپنی بیماری بھول جائے تو کیا تندرست ہو جائے گا؟''

''لیں۔ بیماری بھولنے سے کون شفایاب ہو سکتا ہے؟''

''تو میری بیٹی' مریض کیسے ٹھیک ہوگا؟ جسم سے اس سرطان (کینسر) کے نکلنے سے؟ یا یادداشت سے سرطان کا خیال نکلنے سے؟ اور جب وہ ٹھیک ہو جائے گا' تو کیا وہ سرطان کو بھول جائے گا؟''

وہ ایک عجیب انکشاف کا لمحہ تھا۔ حنہ نے دم بخود ان کو دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں۔ اسے ساری عمر سرطان یاد رہے گا۔''

''لیکن اگر وہ تندرست ہو چکا ہے تو وہ یاد اسے تکلیف نہیں دے گی۔''

''تو کیا... تو کیا مجھے اپنے محبوب کو بھولنے کی ضرورت نہیں؟'' وہ بے یقین تھی۔ بھولے بغیر موو آن کرنا... یہ کیسا علاج تھا؟

''وہ تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا۔تم بھولنے کی کوشش ترک کر دو۔علاج تم نے اپنے دل کا کرنا ہے' یادداشت کا نہیں۔اسے دل سے نکالنا ہے' دماغ سے نہیں۔اس مقام تک آنا ہے جہاں اس کی یاد پہ تم بے حس ہو جاؤ۔تمہیں فرق پڑنا ختم ہو جائے۔نہ نفرت ہو نہ محبت!''

حنہ کا دل جیسے ایک دم خالی ہو گیا۔ٹکر ٹکر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''مگر یہ کیسے ہو گا؟''

''اس کے لئے پہلے تمہیں ''محبت'' کو سمجھنا پڑے گا۔'' انہوں نے چپو اٹھا لئے اور پھر سے پانی میں چلانے لگے۔کشتی کی رفتار تیز ہوئی۔سنہری کرنوں سے چمکتا پانی اب تنگ ہوتا جا رہا تھا۔گویا دریا کے دو دہانے قریب آ رہے تھے۔دونوں اطراف میں اگا سبزہ بھی گھنا اور گنجان تھا۔

''اور اس کو سمجھنے کے لیے پہلے عشق اور محبت میں فرق کرنا سیکھو لڑکی!'' دریا مزید تنگ ہو کر کسی نہر میں بدلتا جا رہا تھا۔وہ جیسے شام سے دور' امیزون کے جنگلات کے درمیان بہتی کوئی نہر تھی۔

''مجھے پتہ ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔''پہلے پسندیدگی ہوتی ہے' پھر محبت' پھر عشق' پھر جنون' پھر دیوانگی!'' شیخ کے تاثرات دیکھ کر وہ چپ ہوئی۔وہ افسوس سے مگر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہے تھے۔''یہ درجے تمہارے ملک میں رائج ہوں گے' مگر جس زبان سے تمہاری زبان نکلی ہے' اس میں معاملہ ذرا مختلف ہے۔محبت درمیان میں نہیں ہے' بلکہ محبت کے یہ سب درجے ہیں۔محبت خود کوئی درجہ نہیں ہے۔''

''تو کتنے درجے ہیں محبت کے؟''

''سات۔سنو گی؟'' وہ مسکرائے۔کشتی اب اس سرسبز تنگ نہر کے درمیان داخل ہو چکی تھی۔وہاں جا بجا کنول کے پھول پانی پہ تیرتے دکھائی دے رہے تھے۔سورج گھنے درختوں کے ورے چھپ گیا تھا۔ٹھنڈی میٹھی سی چھایا ہر سو چھا گئی تھی۔

''محبت کا پہلا درجہ ''علاقہ'' ہے' کیونکہ اس میں انسان کا اپنے محبوب سے ''تعلق'' قائم ہوتا ہے۔علاقہ کے بعد ''الصبابہ'' ہے' اس میں انسان کا دل پوری گرویدگی کے ساتھ محبوب کی طرف جھک جاتا ہے' وہ اس کے سحر میں گھر جاتا ہے۔تیسرا درجہ ''الغرام'' ہے۔قرآن میں پڑھا ہو گا تم نے ''ان عذابہا کان غراما'' (بلاشبہ اس کا عذاب لازم ہونے والا ہے) سو الغرام میں محبت قلب کے اندر ہمیشہ کے لئے لازمی طور پہ جا بیٹھتی ہے اور اس سے نکل نہیں پاتی۔'' وہ ذرا دیر کو سانس لینے رکے۔''پھر ''عشق'' ہے۔محبت کی ایک انتہا۔اور ایک بات کہوں' برا تو نہیں مانو گی؟''

''نہیں تو۔''

''یہ کیا تمہارے ملک کے لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ''عشق'' کا لفظ جوڑنا شروع کر رکھا ہے؟ تمہاری زبان جس زبان سے نکلی ہے' اس میں عشق کا لفظ مرد عورت کی ایسی محبت کے لئے استعمال ہوتا ہے جو معتبر نہیں سمجھی جاتی۔اس لفظ میں شرافت نہیں ہے۔خود سوچو' کبھی کہہ سکتی ہو کہ اپنے ماں باپ سے عشق ہے تمہیں؟ عجیب لگتا ہے نا؟ اللہ کی محبت کے لئے' رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لئے یہ لفظ قطعاً درست نہیں۔''

''آہستہ بولیں۔کسی ٹی وی پہ مداری نما سوڈو اسکالر نے سن لیا نا' تو مجھے الٹا لٹکا دے گا۔آپ کو کیا پتہ آج کل ''عاشقِ رسول'' کے ٹائٹل کی ٹی وی پہ کتنی ڈیمانڈ ہے۔'' شیخ نے مسکرا کر آہ بھری۔

''کسی اور کو اگر حق بات کہنے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ ہے' اور وہ غیر جانبدار رہنا چاہتا ہے' تو رہے۔مگر نہ میں غیر جانبدار رہوں گا' نہ غلط چیز کو روکنے کے لئے کسی ملامت یا فتوے کی پرواہ کروں گا۔عربی ادب کے ماہرین اور اہلِ زبان سے جا کر پوچھ لو' اور نہیں تو قرآن پڑھنے والوں سے پوچھ لو' اللہ نے اپنے اور رسول کے لئے ''محبت'' کا لفظ استعمال کیا یا عشق کا؟ میں تمہارے ملک کے مفتیوں

اور ''عاشقوں'' سے نہیں ڈرتا۔ جو لفظ مجھے اللہ کے رسول نے نہیں سکھایا' جو لفظ ایک اچھا لفظ' ایک شریف لفظ نہیں سمجھا جاتا' میں اس کو اللہ اور رسول کے ساتھ جوڑنے کی مخالفت کرتا ہوں' اور مجھے کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں ہے۔''

''ابنِ قیم والا حوصلہ اور جگر میرے اندر نہیں ہے' اس لئے ہم آگے چلتے ہیں شیخ!'' اس نے موضوع کی طرف توجہ مبذول کروائی۔ وہ سر جھٹک کر چپو چلانے لگے۔ کشتی تیزی سے پانی کو چیرتی تیرنے لگی۔

''عشق کے بعد ''شوق'' ہے۔ یہ دل کے اس سفر کا نام ہے جو پوری تیزی سے محبوب کی طرف شروع کیا جائے۔ پروردگارِ عالم کے متعلق اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ اس کے دوست اس کی ملاقات کا شوق رکھتے ہیں اس لئے اس نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے کہ جب وہ لوگ جو اپنے دکھوں اور مسئلوں میں صرف اسی سے مدد مانگا کرتے تھے' وہ اس وقت اس سے ملاقات کر لیں گے اور ان کے دل میں موجود جذباتِ محبت کو قرار ملے گا۔''

پانی پہ چمکتے کنول کے پھول خود بخود ایک طرف ہٹ کر کشتی کو راستہ دینے لگے۔

''اس کے بعد التیتم ہے۔ یعنی کہ انسان اپنے محبوب کی عبادت کرنے لگ جائے۔ محبوب کی عبادت کرنے والا اس کا ''عبد'' (غلام) بن جاتا ہے۔ وہ اپنی ساری انا' ساری عزتِ نفس' سب اس محبوب کے قدموں میں ڈال دیتا ہے' کسی انسان سے ایسی محبت کی جائے' مجبوری میں نہیں' ظلم میں نہیں' بلکہ صرف محبت میں خود کو اس کے قدموں میں بے توقیر کر دیا جائے' تو یہ شرک ہے۔ مگر اللہ سے ایسی محبت کرنا' خود کو اس کے سامنے جھکانا' اپنے چہرے کا ہر نقاب اتار کر' ہر انا پسِ پشت ڈال کر' اس سے اپنے دل کا حال بیان کرنا' اس کے آگے دعا میں گڑگڑانا' یہ ''عبادت'' ہے' اور عبادت محبت کی معراج ہے۔ جو اللہ کی عبادت نہیں کرتا' وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔''

اب ان کے چپو چلاتے ہاتھوں میں روانی آ گئی تھی۔ ہوا بھی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ دریا نہر کی مانند درختوں کی تنگ گلی سے گزر کر آگے بڑھتا ہی بڑھتا جا رہا تھا۔

''اس کے بعد... کمالِ محبت... محبت کا آخری درجہ... خلت ہے۔ یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس میں محبوب کے سوا نہ کسی کی گنجائش ہوتی ہے' نہ دل کسی شراکت کو برداشت کرتا ہے۔ اسی خلت سے خلیل ہے' اور یہ منصب اللہ تعالیٰ نے صرف دو انسانوں کو عطا کیا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس خلت کو حاصل کرنے کے لئے ان دو عظیم انبیاء نے بہت کچھ قربان کیا تھا۔ ہم اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے' مگر التیتم... یعنی ''عبادت'' تک تو پہنچ سکتے ہیں نا۔'' جیسے اسے تسلی دی۔

''اب تمہیں فیصلہ کرنا ہے کہ تمہاری اپنے محبوب سے محبت کس درجے تک تھی؟''

''عشق تک!'' وہ بے اختیار بولی۔

''تو پھر سنو۔ مرضِ عشق کی مدافعت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ...'' وہ ذرا دیر کو رکے۔ ''کہ اپنے دل کو کسی اور طرف مصروف کرو تاکہ وہ عشق والے راستے سے رکے۔ یا تو کسی خوف کے ذریعے' یا پھر...'' وہ اداسی سے مسکرائے۔ ''یا پھر محبت کے ذریعے۔''

''محبت کے ذریعے؟''

''جیسے ہیرا ہیرے کو کاٹتا ہے' جیسے لوہا لوہے کو کاٹتا ہے' ویسے ہی عشق کو صرف عشق کاٹتا ہے' محبت کا علاج محبت سے کیا جاتا ہے۔ جب تک تمہارے دل کے سامنے کوئی بڑی محبت نہیں آئے گی' اس شخص کی محبت سے بڑی محبت' تب تک وہ شفایاب نہیں ہوگا۔''

''مطلب مجھے کسی اور سے محبت کرنا ہوگی؟''

''نہیں۔ محبت جبراً کوئی کسی سے نہیں کر سکتا۔ یہ تو قسمت سے ملتی ہے۔ ہو گئی تو ہو گئی' نہ ہوئی تو نہ ہوئی' مگر اس سے پہلے تمہیں اپنے دل کو مصروف کرنا ہوگا۔''

''اور دل کو مصروف کرنے کے لئے مجھے اپنی آنکھ کو مصروف کرنا ہوگا؟''

''بالکل۔لیکن اس کے لئے دو چیزیں ہونی چاہئیں انسان میں۔اول اس میں اتنی عقل ہو کہ ادنیٰ اور اعلیٰ محبت میں تمیز کر سکے اعلیٰ کو ادنیٰ پہ فوقیت دے سکے۔اور دوم اس میں اتنا صبر ہمت اور استقامت ہو کہ فیصلہ کر لیا ہے تو اس پہ ڈٹ جائے۔بعض لوگ اپنا فائدہ نقصان خوب سمجھتے ہیں مگر ان میں غلط کو ترک کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔وہ نہ خود کو نفع دیتے ہیں نہ دوسروں کو۔مگر جن لوگوں میں اتنا صبر اور عزم ہوتا ہے انہی کو اللہ اپنے دین کی امامت سونپتا ہے۔اگر تم نے ان میں سے بننا ہے تو نگاہ کو کسی اچھی طرف لگاؤ۔''

''او کے۔میں...میں کوئی مشغلہ ڈھونڈوں رائٹ؟'' کنول کے پھولوں کی جوت بجھتی گئی۔پانی کی روشنی مفقود ہوتی گئی۔کشتی مدھم ہو کر کہیں ڈوب سی گئی اور اس نے خود کو لاؤنج میں بیٹھے پایا۔کتاب بند کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''صرف نگاہ جھکانا کافی نہیں نگاہ کو مصروف رکھنا بھی ضروری ہے۔'' ایک عزم کے ساتھ وہ نیچے بیسمنٹ میں گئی۔اپنے سامان سے چند اچھی کتابیں نکالیں۔پھر پینٹنگ کے سامان کی لسٹ بنائی جو وہ آج ہی خرید لے گی۔لینڈ اسکیپ اور خوبصورت گھر پینٹ کرنے کا کتنا شوق تھا اسے۔بس وہ آج سے یہ ساری اچھی کتابیں پڑھے گی اور اچھی اچھی پینٹنگز بنائے گی یوں وہ مصروف ہو جائے گی اور اس کا دل ہاشم کے اثر سے نکل جائے گا۔اس نے تہیہ کر لیا تھا۔

.....❖❖❖.....

اس ایک ہجر نے ملوا دیا وصال سے بھی ..... کہ تو گیا تو محبت کو عام میں نے کیا

آج کمرہ عدالت میں ٹھنڈ تھی۔سورج ہنوز ناراض تھا۔ہیٹر بھی جل رہا تھا۔مگر ایسے میں گویا موسم سے سب بے نیاز دھیان اور توجہ سے کٹہرے میں کھڑے شخص کو دیکھ رہے تھے جو چالیس پینتالیس برس کا مرد تھا اور سامنے کھڑے پراسیکیوٹر کے سوالات کا جواب دے رہا تھا۔

''مقتول قمرالدین سے آپ کا کیا رشتہ تھا؟''

''میں ان کا بہنوئی ہوں۔'' بولتے ہوئے لبوں پہ ہاتھ پھیرا تو جج نے ٹوکا۔''ذرا صاف اور بلند آواز میں جواب دیں۔''

''میں ان کا بہنوئی ہوں۔'' وہ کھنکھار کر پھر سے بولا۔اپنی کرسیوں پہ زمرا اور فارس اسی طرح بیٹھے تھے۔زمر کاغذ پہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کچھ لکھتی پھر نگاہ اٹھا کر سنجیدگی سے P.W.1 (پراسیکیوشن کا گواہ نمبر ایک) کو دیکھنے لگتی۔فارس ٹیک لگائے کان کی لو مسلتے چبھتی ہوئی نظروں سے کبھی گواہ کو دیکھتا اور کبھی ایک کٹیلی نظر قریب بیٹھے ناظم پہ ڈالتا۔(ناظم وہ شخص تھا جس نے فارس کا شریکِ جرم ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔)

''29 اگست کی دوپہر کیا ہوا تھا؟''

''جی کوئی لگ بھگ ساڑھے بارہ بجے کا وقت تھا۔میں اپنی بہن کے گھر کام سے آیا تھا۔ابھی اندر داخل نہیں ہوا تھا وہیں گیٹ پہ کھڑا فون سن رہا تھا کہ ایک گاڑی جس کی نمبر پلیٹ اتری ہوئی تھی قریب آئی۔دو لوگ سامنے والی سیٹوں پہ بیٹھے تھے۔وہ کار سے اترے پچھلی سیٹ سے قمرالدین کی لاش نکال کر وہاں پھینکی اور اسی تیزی سے کار میں بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔''

''پھر آپ نے کیا کیا؟'' پراسیکیوٹر نے نرمی سے سوال کیا۔

''میں جی فوراً آگے آیا لاش کو سیدھا کیا وہ قمرالدین ہی تھا مگر کافی خون آلود تھا۔میں اسے فوراً ہسپتال لے گیا ڈاکٹر نے کہا کہ موت واقع ہوئے چند گھنٹے گزر چکے ہیں مگر ڈاکٹر نے میت ہمارے حوالے نہیں کی۔''

''ہمارے؟''

''یعنی کہ جی میں اور میرا بھائی اس کو بھی میں نے فون کر کے بلا لیا تھا۔ڈاکٹر نے شام کو میت حوالے کی ہم اسے گھر لے آئے۔پھر